

UNIVERSAL
LIBRARY

OU 188066

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 7C. 8A F Accession No. 14.2.
Author محمد سرور دہلوی 16070
Title در رسالہ جنت عظیم - (1+1)

This book should be returned on or before the date
last marked below.

(ترجمہ اور نقل، اقتباس کے جملہ حقوق بہ حق مولف محفوظ ہیں)

دُوسری جنگِ عظیم

دولِ یورپ کی رقیبانہ سیاست کی روشنی میں جوہ جنگِ عظیم کا ریکارڈ

از

محمد مرزا دہلوی

۷۱/۲ × ۵

کُتب خانۂ علم و ادب دہلی

ترجمہ اور نقل و اقتباس کے جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

طبع اول
مئی ۱۹۴۱ء
قیمت ۴۴/۰
مطبوعہ سببئی جوب برقی پریس دہلی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	الواب
۶	دیباچہ	
۹	جنگ اور انسانیت	۱
۱۴	پہلی جنگ عظیم کے محرکات	۲
۱۹	پہلی جنگ عظیم کا آغاز	۳
۲۴	پہلی جنگ عظیم کا انجام	۴
۳۱	مال غنیمت کی تقیم اور صلح کے معاہدات	۵
۳۸	نئی ریاستوں کی تشکیل اور مجلس اقوام کا قیام	۶
۴۴	ترکی کی حیاتِ نو	۷
۵۱	ہندوستان اور مشرقِ قریب میں بھینچنی	۸
۵۷	کیونزرم فاشینزم اور ناستی ازم	۹
۶۶	فیشنزم اور ناستی ازم کی کامیابی کے اسباب	۱۰
۷۳	مجلس اقوام کی ناکامی کا راز	۱۱
۸۱	ادولف ہٹلر کی جارحانہ سیاست	۱۲
۸۸	ردس کے خلاف متحدہ محاذ اور اسپین کی خانہ جنگی	۱۳
۹۶	چین پر حملہ، نوآبادیات کی دھمکی اور آسٹریا پر قبضہ	۱۴
۱۰۳	میونخ کا سانحہ	۱۵
۱۱۳	ڈانٹ سک اور کوریڈور کا قضیہ	۱۶

۱۱۸	روس اور جرمنی کا معاہدہ اور اس کے اثرات	۱۷
۱۲۳	آخری معرکہ کیا تھا ؟	۱۸
۱۳۱	اتمامِ حجت ۱	۱۹
۱۳۸	پولینڈ پر جرمنی اور روس کا حملہ اور مالی غنیمت کی تقسیم	۲۰
۱۴۳	دوسری جنگ عظیم کا آغاز اور ہٹلر کی درخواسِ صلح	۲۱
۱۵۱	ترکی برطانیہ اور فرانس میں اتحاد	۲۲
۱۶۲	بحیرہ بالٹک میں سویڈ غلبہ	۲۳
۱۶۸	فن لینڈ سے روس کی جنگ اور صلح	۲۴
۱۷۶	یورپ کی جنگ میں امریکہ کا حصہ	۲۵
۱۸۱	ڈنمارک اور ناروے پر ہٹلر کی تاخت	۲۶
۱۸۲	ہالینڈ، بلجیم، اور فرانس پر ایک ساتھ حملہ	۲۷
۱۹۰	فلانڈرس کا سامحہ اٹلی کا اعلانِ جنگ اور فرانس کی شکست	۲۸
۲۰۱	فرانس کی شکست کا ردِ عمل اور وائسے کے حصے بخرے اور برطانیہ پر پہلی تاخت	۲۹
۲۰۷	بحیرہ روم اور بلقان میں محوری طاقتوں کی تازہ سرگرمیاں	۳۰
۲۱۴	مشرقِ بعید میں جاپان کے اقدامات امریکہ اور برطانیہ کا متحدہ محاذ	۳۱
۲۲۴	سویڈ روس اور جاپان کے سیاسی تعلقات	۳۲
۲۳۰	لیسیا پر برطانوی فوجوں کی چڑھائی	۳۳
۲۳۷	بلقان میں ناسیوں کے سیاسی جوڑ توڑ	۳۴
۲۴۳	امریکہ کا جدید قانونِ اسلحہ اور اٹلانٹک کی لڑائی	۳۵
۲۵۰	مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کا خاتمہ	۳۶
۲۵۴	یوگوسلاویہ میں ناسی ڈپلوسی کی ناکامی	۳۷

۲۵۴	جاپانی وزیر خارجہ کا سفر یورپ اور روس اور جاپان میں معاہدہ	۳۸
۲۷۱	لیبیا میں برطانیہ پر اطالوی اور جرمن فوجوں کا متحدہ حملہ	۳۹
۲۸۰	یوگوسلاویہ اور یونان کی شکست	۴۰
۲۹۲	عراق میں انقلاب اور برطانیہ کے لئے نئی مشکلات	۴۱
۳۰۵	امریکن سامان جنگ کو برطانیہ تک پہنچانے کی ضمانت	۴۲
۳۱۰	ناتسی پارٹی میں پہلا رخسہ	۴۳

دیباچہ

پچھلی ربع صدی میں یہ دوسری بڑی جنگ ہے جو یورپ میں لڑی جا رہی ہے حرکات اس جنگ کے بھی وہی ہیں جو پچھلی جنگِ عظیم کے تھے لیکن اپنی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں کے اعتبار سے اس جنگ کو آج تک کی پچھلی کسی جنگ سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔

۱۸۹۱-۱۹۱۴ء کی پہلی بڑی جنگ کے خاتمہ پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ جنگ اپنی ساری ہلاکت آفرینیوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اور مہذب دنیا کو اپنے اختلافات دور کرنے کے لئے آئندہ جنگ کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوگی لیکن یہ دعویٰ محض بے معنی ثابت ہوا، تہذیبِ انسانیت کا ”فردوسی تخیل“ فوج اور مفتوح کی حد فاصل کو مٹا نہ سکا۔ مستقل قیام امن کا ”ملکوتی تصور“ ہوس اقتدار کو زیر کرنے میں ناکام رہا۔

ستائی اور قومی تفوق اور برتری کا احساس پھر نہ ہوا، جہانبانی اور کشور کشائی کا وجد آفریں جذبہ منتقمانہ سیاست کی آغوش میں پرورش پا کر پھر جوان ہوا اور پھر دنیا کو ایک نئی اور ہولناک جنگ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ !

موجودہ جنگ اگر پہلی جنگ عظیم ہی کا نتیجہ ہے لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس سے قطعاً مختلف ایک ہمہ گیر انقلاب کی علمبردار ہے، انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب سیاست کے پرلے نظریوں میں انقلاب معیشت کے دیرینہ اصولوں میں انقلاب معاشرے کے قدیم نظام میں انقلاب۔ حتیٰ کہ مذہبی اور اخلاقی مسلمات میں انقلاب اس کے اولین مقاصد میں داخل ہے !

اگرچہ پُرانی دنیا کو نئے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کوئی نئی نہیں ہر بڑی جنگ کے بعد دنیا کے نقشے اور نظام میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوتی رہی ہے لیکن یہ تبدیلی ہمیشہ فروعات میں رہی اصول تمدن سے کبھی تعرض نہیں ہوا اور اس جنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ موجودہ سوسائٹی کے قدیم مسلمات ہی کو ایک سرے سے بدل کر پُرانی دنیا کو اس درجہ متقلب کرنا چاہتی ہے کہ ”پچھلی روایات“ سے اسکا دور کا بھی کوئی تعلق باقی نہ رہے !

ظاہر ہے کہ یہ انقلابی پروگرام کسی فوری اور اضطراری خیال کا نتیجہ نہیں ہو سکتا اسکی ترتیب میں ایسے حوادث و افکار کا امتزاج ضروری ہے جو انقلاب کے لئے زمین ہموار کریں اور مستقبل کے ”نئے نظام“ کی طرف دنیا کی توجہ پھیر سکیں۔

یہ حوادث و افکار کیا ہیں ؟ ان کا مطالعہ یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں ہو سکتا ! خصوصاً اس اعتبار سے کہ یہی حوادث و افکار دراصل موجودہ جنگ کے اصلی محرک بھی ہیں اور موجودہ جنگ کی نوعیت کو صحیح طور پر ان ہی کی مدد سے سمجھا بھی جاسکتا ہے۔

ہم نے اس مقصد کے لئے دولِ عالم کی انیسویں صدی کی "ڈیپلومیٹک" تاریخ کا سرسری سا خاکہ پیش کر دیا ہے تاکہ اسکی روشنی میں پہلی جنگِ عظیم کے اصلی محرکات اور ان اثراتِ مابعد از جنگ کا صحیح طور پر احاطہ کیا جاسکے جو اس "دوسری جنگِ عظیم" کا باعث ہیں اسی کے ساتھ موجودہ جنگ کا ۱۵ مئی ۱۹۴۱ء تک کاریکارڈ بھی قلم بند کر دیا ہے جو انشاء اللہ جنگ کے ساتھ ساتھ مکمل ہوتا رہیگا۔

توقع ہے کہ ناظرین ان ادراک کو غیر دلچسپ نہ پائیں گے۔

مجتہد مرزا دہلوی

باب جنگ اور انسانیت

جنگ و پیکار عہد وحشت کی یادگار اور اپنے اثرات کے اعتبار سے بربریت کا نشان سمجھا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ جذبہ کچھ اس طرح انسانی فطرت میں رچا ہوا اور انسانیت کے خمیر میں گندھا ہوا ہے کہ ہزاروں برس کے علم و خرد، تحقیق و تجربہ، اور مسلسل اخلاقی اور روحانی ریاض کے بعد یہ آج بھی اسی شدت اور قوت سے دنیا پر مستولی نظر آتا ہے !

تہذیب و تمدن کے اثر سے یہ ضرور ہوا کہ اسباب و بدعات جنگ میں بڑی حد تک اعتدال پیدا ہو گیا۔ علم و تجربہ کے ساتھ ضبط و تحمل بڑھا اور نفرت و حقارت کا جذبہ کمزور ہو گیا۔ اختلاف باہمی کے ساتھ رواداری اور فراخ چلکی پیدا ہوئی اور عصبیت کے قدیم نظریہ کی تلخی کم ہو گئی۔ اخلاقی اور روحانی ریاضتوں سے روحانی قوتوں میں جلا آگئی اور قصاص اور انتقام کی روایتی شدت دور ہو گئی۔

لیکن اس تہذیب نفس کے باوجود جنگ و پیکار کا جذبہ بدستور زندہ اور انسانی فطرت میں اپنی مخصوص جگہ پر اور اضطرابی کیفیتوں کے ساتھ برقرار رہا۔ بلکہ تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ جنگ کی ہولناکیوں، اتباہ کاریوں اور ہلاکت آفرینیوں کا معیار بھی برابر اونچا ہوتا چلا گیا جس کے باعث زمانہ حال اور زمانہ قدیم کی لڑائیوں میں صرف اس قدر مناسبت رہ گئی کہ زمانہ قدیم کی لڑائیوں کو اگر اپنے اثرات کے لحاظ سے مقامی زلزلے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے تو ان کے مقابلہ میں زمانہ حال کی لڑائیاں اپنی ہولناکیوں اور عالمگیر پناہ کاریوں کے اعتبار سے "قیامت صغریٰ" سے

کسی طرح کم نہیں ہوتیں! -

زمانہ حال کے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ ہماری موجودہ دنیا تمدن و تہذیب کے برکات سے اس درجہ بہرہ اندوز ہو چکی ہے کہ آپس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے اسے اب اس وحشیانہ جذبہ سے کام لینے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے۔

یہاں ہیں ان حضرات کی رائے سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ انکی نیت نیک ہے اور زمانہ حال کی لڑائیوں کا انداز اپنی مولنا کیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ انہیں اس درجہ متاثر کر چکا ہے کہ وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لعنت انسانیت کے سر سے دور ہو جائے۔ خدا کو ایسا ہو! کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو بقول ان کے شاید ہمارا تمدن بہت زیادہ حسین اور دلکش بن سکے اور شاید ہماری دنیا جنت کا ہم پلہ ہو سکے!

لیکن یہ ابھی ہمارا تصور ہی تصور ہے، حالات نے ابھی ہمیں یہ موقع نہیں دیا کہ ہم اس وجد آفریں تصور کو اپنے دل و دماغ میں باقاعدہ پرورش کر سکیں اور تہذیب تمدن کی موجودہ رفتار سے حال یا مستقبل قریب میں کسی خوشنما تعبیر کی آس لگا بیٹھیں۔ اس لئے کہ ابتدائی دور تہذیب کی طرح موجودہ دور میں بھی جنگ کی ضرورت اور عدم ضرورت کا فیصلہ صرف ”محرمات جنگ“ کے ہاتھ ہے جب تک یہ قوی اور توانا ہے اس وقت تک ہماری تہذیب غالباً جنگ کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی البتہ اگر ان میں ضعف آجائے تو پھر جنگ کی عدم ضرورت کی گفتگو کا موقع پیدا ہو جاتا ہے۔

محرمات جنگ، تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ ابتدا سے اب تک ہر زمانہ اور ہر دور میں تقریباً یکساں رہے ہیں۔ رفتار تمدن کے ساتھ ساتھ یہ ضرور ہوا کہ اُن کے اظہار کا

پیرایہ زیادہ معتدل اور زیادہ بلین ہوتا چلا گیا لیکن اس ظاہری مناسبت کے پیچھے رُوح ہمیشہ وہی متحرک رہی جو ابتداء کے دور انسانیت میں مشاہدہ کی جا چکی ہے۔ مثلاً خودی اور انسانیت کی ملوث جذبہ نفرت کی تسکین، شوکت و حسمت کی مناسبت مال غنیمت کا لالچ، ملک گیری کی ہوس انسانی یا قومی تفوق اور برتری کا احساس تجارتی اور معاشی منفعت کی طمع وغیرہ غالباً جنگ کے سبب نمایاں محرکات ہیں جو تہذیبانہ شائستگی کی معراج کے باوجود اب تک کسی نہ کسی شکل میں باقی چلے آتے ہیں۔

ان کے علاوہ جنگ کے دو اور مقاصد ہو سکتے ہیں ایک ”مدافعت“ اور دوسرے ”مصلحانہ“۔ مدافعت جنگ وہ کہی جاتی ہے جو اپنی قومی، نسلی یا ملکی وجود کی حفاظت کے لئے کی جاتی ہے یا اپنے اخلاقی، مذہبی اور روایتی عقائد کے تحفظ کی خاطر لڑی جاتی ہے اور ”مصلحانہ“ جنگ وہ ہوتی ہے جو اپنے اخلاقی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی مسلمات کی تبلیغ کی خاطر برپا کی جاتی ہے۔ سب سے اہم پر اپنا استدباب قائم کرنا، ان کے ملکی وسائل پر اپنے مفاد کی خاطر نگرانی کرنا۔ انھیں اپنے تمدن اپنی معاشرت اور اپنے رسم و رواج کا پابند بنانا اس جنگ کا اصلی مقصد ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے کہ محرکات جنگ آج بھی تقریباً وہی ہیں جو تاریخ کے ابتدائی دور میں پائے جاتے تھے البتہ موجودہ تہذیب میں ان محرکات اور مقاصد کو خوشنما الفاظ اور شاندار پیرائے بیان کے پردے ڈال کر ان کی اصلیت کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی نظریں مقاصد جنگ کی سستی پر نہ پڑیں بلکہ الفاظ کی دلفریبی اور خیالات کی باریکی اور نزاکت کے نقود میں محو ہو کر رہ جائیں۔ چنانچہ اس پر دیکھنے کے فن کی دریافت کے بعد یہ بالکل ممکن ہو گیا ہے کہ سب سے سب سے مقاصد جنگ کو بھی مقدس اور متبرک ثابت کیا جاسکے۔ اور حقیقتاً حقیقت

شکایت کو بھی وجہ اشتعال اور محرک جنگ بنایا جاسکے یا یوں سمجھئے کہ جذبہ نفرت کی تسکین کی خاطر، شوکت و شہمت کی مناش کے لئے نسلی یا قومی برتری کے نشہ میں سرشار ہو کر یا تجارتی اور معاشی منفعت کی طمع میں جو جنگیں لڑی جاتی ہیں انہیں اس پروگنڈے کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ مدافعت اور مصلحانہ جنگوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور اس قلب ماہیت کے بعد ظاہر ہے کہ کسی جنگ کی متعلق جائز اور ناجائز اور حق و ناحق کی گفتگو محض بے معنی ہو جاتی ہے اور فیصلہ کن صرف وہی قدیم تدبیر رہ جاتی ہے کہ ”حق کا سہرا قوت کے سر باندھ دیا جائے اور طاقت ہاں کو عین حق“ سمجھ لیا جائے! ————— اور یہی وہ ”سنہرا اصول“ ہے جسکے آگے آج بھی ساری مہذب دنیا سر جھکا جاتی ہے!

طاقت کو حق سمجھنا بہت پُرانا اصول ہے اور دراصل دنیا میں یہی سارے جھگڑے کی بنیاد بھی ہے! ————— ایام جاہلیت میں حق و ناحق کا قضیہ تلوار ہی کے ذریعہ چکا یا جاتا تھا اور آج کی تمدن دنیا بھی حق اور ناحق کا فیصلہ تلواریں پر چھوڑتی ہے۔ لیکن تلوار چونکہ کسی کی میراث نہیں ہوتی اس لئے اسکے فیصلوں میں بھی استقامت نہیں پائی جاتی یہ نہیں ہو سکتا کہ تلوار کا ہر فیصلہ ہر زمانہ اور ہر عہد کے لئے اٹل سمجھ لیا جائے بلکہ حالات اور واقعات کے اعتبار سے اس کے فیصلے برابر بدلتے رہتے ہیں اور اسی تبدیلی کے ساتھ حق و ناحق کے پلے بھی برابر جھولتے رہتے ہیں۔ ————— بات یہ نہیں ہے کہ آج کل کی مہذب دنیا اس اصول کی اس کمزوری اور لغویت کو نہیں جانتی بلکہ حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس اصول کو کمزور ناقص غیر مہذب اور وحشیانہ سمجھنے کے باوجود وہ آج تک اس کو ترک کرنے اور اس

کا کوئی نعم البدل تلاش کرنے پر قادر نہ ہو سکی۔
 کیا فی الحقیقت یہ مسئلہ اس قدر پیچیدہ و گنجلک اور لایعجل ہے کہ ہم اس کے
 حل کرنے پر قاصر نہیں پڑ سکتے؟ اور کیا فی الواقعہ مستقل قیام امن کا کوئی
 تلاش کرنے سے ہماری موجودہ تہذیب عاجز ہے؟

سب سے پہلے ۱۹۴۷ء کی جنگ کے دوران میں یہ سوال پیدا ہوئے تھے اور
 جیسی کہ توقع تھی جنگ کے خاتمہ پر جنگ کے فاتح اور تہذیب جدید کے علمبرداروں (امریکہ
 فرانس اور انگلستان) نے دنیا کے آگے مستقل قیام امن کا ایک مناسب فارمولا
 پیش کر دیا۔ نئے اصولوں کے ماتحت نئی قومیں عالم وجود میں آئیں گی۔ دنیا کے نقشہ کی
 دو بار تقسیم ہوئی۔ سیاسی قوموں کے نئے پیمانے مقرر ہوئے معاشی نظام میں اصلاح
 کی گئی۔ اور عہدِ قوموں کے آپس کے قبضے چکانے کے لئے ایک بین الاقوامی مجلس بھی قائم
 ہو گئی۔ بظاہر دنیا نے اطمینان کا سانس لیا کہ بالآخر مستقل
 قیام امن کی داغ بیل پڑ گئی۔

لیکن دنیا کا یہ اطمینان محض عارضی ثابت ہوا۔ ابھی اس فارمولے کی سیاسی بھی
 خشک نہ ہونے پائی تھی کہ یہ چاک کر دیا گیا اور اس کے پرزے نضائے آسمانی میں بکھر
 گئے۔ دنیا میں پھر بھپکنے کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر اطمینانی اور بے زاری کی نضائیں پیدا ہونے لگی۔
 پھر رشک و رقابت کے بخارات اٹھنے لگے۔ پھر انتقام و قصاص کے غریب بلند ہونے لگے۔
 اور دیکھتے ہی دیکھتے پہلے سے بھی زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ دنیا پر پھر جنگ کی ہیب بادل اٹھ
 لگے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے برسے بھی لگے! ————— مستقل قیام امن
 کا فارمولا نام رہا اور دنیا پھر اپنے اسی قدیم اصول کے آگے جھک گئی۔ طاقت
 حق ہے اور حق طاقت ہے!

مستقل قیام امن کا فارمولا کیوں ناکام رہا؟ — آیا یہ مجوزہ
 فارمولا خود ہی کمزور اور ناقص تھا یا ہماری تہذیب ابھی اس سطح پر نہیں پہنچی کہ اس کو
 قبول کر سکتی؟ —

پہلی جنگ عظیم کی روئداد اور اس فارمولے کے اجزائے ترکیبی میں غالباً ان دلچسپ
 تنقیحات کا مکمل جواب مل سکتا ہے اور اسی جواب سے ہم صحیح طور پر یہ بھی اندازہ کر سکتے
 ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے اصلی محرکات کیا ہیں؟

(باب ۱) پہلی جنگِ عظیم کے محرکات

یورپ کی مہذب اقوام کے درمیان ۱۹۱۴ء میں جس مہیب جنگ کا آغاز ہوا تھا اس کے اغراض و مقاصد خالص "تجارتی" تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ پچھلی دو صدیوں میں یورپ کی بعض چالاک اقوام نے اپنے سیاسی جوڑ توڑ اور فطری چال بازیوں سے ایشیا، افریقہ، اسٹریلیا اور امریکہ کے بعض زرخیز علاقوں میں پہلے تو در خور حاصل کیا اسکے بعد وہاں کی خام پیداوار پر قبضہ کر کے ان میں اپنی مصنوعات کے لئے وسیع پیمانے پر تجارتی منڈیاں قائم کر لی تھیں اور ان منڈیوں کے ذریعہ ان علاقوں کی دولت کھینچ کھینچ کر یورپ میں اپنا معاشی بھرم اور سیاسی اقتدار بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ ان اقوام کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو یورپ کی دوسری قومیں زیادہ دنوں برداشت نہ کر سکیں، ان میں بھینی پیدا ہوئی اور بھینی کے ساتھ ساتھ آپس میں رشک و رقابت بڑھنی شروع ہو گئی نئی قوموں کے اُبھرنے سے پُرانی قوموں کو اپنے مقبوضات کے لئے خطرہ محسوس ہوا اس خطرے کے مقابلہ کے لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کی جھٹابندی شروع کر دی اور اسی جھٹابندی کے باعث وہ جنگ برپا ہوئی جسے ہم پہلی جنگِ عظیم کہتے ہیں۔

۱۹۰۰ء میں جرمنی میں سائنس اور صنعت کا شباب تھا لیکن اس کے قبضہ میں کوئی تجارتی منڈی نہیں تھی اور بحری تجارت کے تمام وسائل پر انگلستان اور فرانس کا تسلط تھا۔ جرمنی نے نہایت تیزی اور سرگرمی سے اپنی بحری قوت بڑھانی شروع کر دی۔ انگلستان اور فرانس دونوں کو جرمنی کی اس تیاری سے خطرہ محسوس ہوا۔

ابتداءً انگلستان نے یہ کوشش بھی کی کہ جرمنی سے اپنا بحری تفوق تسلیم کرائے اور بعض علاقوں میں اُسے بھی تجارتی مراعات بخش دے، لیکن جرمنی نے اسے قبول نہیں کیا۔ وہ معاشی حیثیت سے برطانیہ کے زیر اثر نہیں آنا چاہتا تھا۔ فرانس جرمنی سے اس طرح کی کوئی بات چیت نہیں کر سکتا تھا اسلئے کہ تیس برس پہلے اس کی جرمنی سے جنگ ہو چکی تھی اور اس جنگ میں فرانس اپنے دو صوبوں السیس اور لورین سے جرمنی کے حق میں ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس کو ان دو صوبوں کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا قلق تھا اور اس وقت سے برابر اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح جرمنی کو نیچا دکھا کر یہ دونوں صوبے پھر اس سے واپس جھین لے کہ جرمنی کی طرف سے اسے اس نئے خطرے سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فرانس اور انگلستان افریقہ کے شمالی علاقوں میں اپنے لئے ”تجارتی“ منڈیاں قائم کر رہے تھے۔ انگلستان مصر میں اپنا اقتدار چاہتا تھا، اور فرانس الجزائر اور مراکش کو اپنے تصرف میں لانے پر تلا ہوا تھا، انگریزوں اور فرانسسوں میں قومی منافرت کے ساتھ ساتھ سیاسی اختلافات بھی تھے اسلئے افریقہ کے ان علاقوں پر بھی آپس میں جھگڑا ہونے لگا۔ جرمنی نے جو موقع کی تلاش میں تھا ان دونوں کے جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر مراکش پر اپنے ”تجارتی“ حق کا اعلان کر دیا، اس اعلان سے فرانس اور برطانیہ دونوں چونک پڑے اور انہیں اپنی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ اپنے سیاسی اور قومی اختلافات کو ختم کر کے فوراً متحد ہو جائیں چنانچہ انگلستان اور فرانس کے درمیان پوری طرح صلح صفائی ہو گئی اور شمالی افریقہ کے مال غنیمت کی تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ مصر و سوڈان برطانیہ کے حصہ میں آیا اور مراکش فرانس نے ہتھ لیا۔ یہ معاہدہ انگلستان اور فرانس کے مابین ۱۹۰۴ء میں ہوا۔ لیکن ۱۹۰۵ء میں فیصلہ جرمنی مراکش پہنچا اور وہاں کے سلطان کو ہوا کر کے اُس نے پھر مراکش پر اپنے تجارتی حق کا دعویٰ کر دیا۔ جرمنی کے اس دعوے سے یورپ میں الجھن مچ گئی۔ برطانیہ فرانس کی مہربانی سے مصر معظم کو چکا

تھا اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس معاملہ میں فرانس کا ساتھ دے۔ اٹلی بھی جو اس مال غنیمت کی تقسیم میں بحرِ روم کی ایک طاقت ہونے کے باعث فرانس کو دبا کر لیبیا کا ایک حصہ ہتھیا چکا تھا اس معاملہ میں جرمنی کی مداخلت کو ناپسند کرتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ دولِ یورپ کی کانفرنس جب مراکش کے مسئلہ کو حل کرنے بیٹھی تو جرمنی کو شکست ہوئی۔ اور فرانس برطانیہ اور اٹلی کو اپنے اپنے مقبوضات میں مداخلتِ غیر کا کھٹکا نہ رہا۔

فرانس اور برطانیہ کی صبح صفائی تو توہی چکی تھی اب جرمنی کے بڑھے ہوئے عزائم کو دیکھ کر ان دونوں کو آپس میں سیاسی اور فوجی اتحاد کی ضرورت محسوس ہونے لگی، اس ضرورت کا احساس خصوصاً اس لئے اور بڑھ گیا کہ جرمنی نے شمالی افریقہ کے معاملہ میں مات کھا کر بلقان اور ایشیائے کوچک میں اپنا سیاسی اور معاشی اثر بڑھانے کی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دی تھیں۔ اور ان تدابیر میں آسٹریا بھی اس کا شریک ہو گیا تھا۔ اسلئے کہ بوسینا ہرگز گونیا کو ترکی سے چھین کر وہ اب اس فکر میں تھا کہ کسی طرح بحیرہ اترجین اور بحیرہ ایڈریاتک میں اسے دخل ہو جائے۔ برطانیہ اور فرانس نے جرمنی اور آسٹریا کے اتحاد کا جواب یہ دیا کہ روس کو باسفورس اور دردنیاں کا لالچ دیکر جن پر مدت سے اس کا دانت تھا اسے اپنے جتنے میں شامل کر لیا، روس خود بھی بلقان کو صرف اپنے ہی زیر اثر رکھنا چاہتا تھا اور جرمنی اور آسٹریا کے بڑھتے ہوئے اثر کے باعث اسے بلقان میں پوری طرح اپنے قدم جمالینے کا موقع نہیں مل رہا تھا اس لئے وہ بڑی خوشی سے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ہو گیا۔

البتہ اٹلی کی پوزیشن بہت عجیب تھی اس نے ایک طرف جرمنی سے معاہدہ اتحاد کر رکھا تھا اور دوسری طرف فرانس اور برطانیہ سے بھی اپنے تعلقات قائم رکھے تھے۔

مقصود یہ تھا کہ جس فریق کا پلہ بیماری دیکھے اسی کی طرف کو جھک جائے تاکہ کسی صورت میں بھی اُسے خسارہ نہ اٹھانا پڑے۔

اٹلی کا درہل مدت سے ایک طرف آسٹریا کے دو صوبوں ”ٹراسٹی“ اور ”ٹرنٹو“ پر اردو دوسری طرف فرانس کے شمالی افریقہ والے مقبوضے ”ٹونیشیا“ پر دانت تھا، اسی لئے اس نے دونوں فریقوں کو گمانٹھ رکھا تھا کہ اگر موقع مل جائے تو فرانس کی مدد سے ٹراسٹی اور ٹرنٹو کو منہم کر کے اور آسٹریا اور جرمنی کا پلہ بیماری دیکھے تو ان کی مدد سے ٹونیشیا پر قبضہ جائے۔ لیکن دولِ یورپ میں اٹلی کی فوجی قوت کو چونکہ کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی اسلئے ابتداءً نہ تو آسٹریا اور جرمنی نے اسکو ٹونیشیا کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی اور نہ فرانس اور برطانیہ نے ہی اسے منہم لگایا مگر اٹلی چونکہ بلقان کی مہماید سلطنتوں میں سے ایک سلطنت تھی اور بحیرہ ایڈریاٹک اور بحیرہ روم میں بھی بھڑا بہت اپنا اثر رکھتی تھی اسلئے اسے پوری طرح نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فریقین نے اس کے مسئلہ کو ضرورت اور وقت کے لئے اٹھا رکھا۔

اٹلی کے علاوہ بلقان کی دو چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی اپنی سرحدات کو وسیع کرنے کا خواب دیکھ رہی تھیں۔ رومانیہ، ٹرانسلوینیہ کا علاقہ ہنگری سے اہلسریشیہ کا علاقہ روس سے جھپٹ لینے کی فکر میں تھا اور سربو یا آسٹریا کے سرحدی علاقے بوسینا اور ہرزگوینا ہرپ کر جانا چاہتا تھا۔ یہ مقامی رقابتیں بھی فریقین کے مقصد کے لئے مفید تھیں انہیں زندہ رکھ کر ان سے بھی وقت پر کام لیا جاسکتا تھا۔

باب (۳) پہلی جنگِ عظیم کا آغاز

یورپین قوموں کی یہ جھگڑہ بندی ۱۹۱۴ء سے بہت پہلے مکمل ہو چکی تھی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس جھگڑہ بندی کے ساتھ ساتھ فوجی تیاریاں مکمل نہیں ہوئی تھیں آسٹریا اور جرمنی تو بیشک کیل کانٹے سے لیس تھے اور منتظر تھے کہ ذرا سامو قحطے اور اپنے لشکار پر چھٹ پڑیں، لیکن فرانس برطانیہ اور روس کی تیاریاں ابھی مکمل نہیں ہوئی تھیں بلکہ یہ جھگڑہ اس جنط میں مبتلا تھا کہ آسٹریا اور جرمنی پر ان بڑی بڑی فوجوں کے محض اتحاد ہی کے اعلان سے دھونس جمائی جاسکتی ہے اور ان کے اقدامات کو بے لڑے بھڑے رد کیا جاسکتا ہے چنانچہ برطانیہ اور روس کی طرف سے آسٹریا اور جرمنی کو کورسی دھمکیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ دفعتاً ۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو آسٹریا کے ولی عہد آرش ڈیوک فرانز فریڈرینڈ کے قتل کا حادثہ پیش آگیا، اگرچہ یہ قتل بوسنیا کے شہر سراچو میں ہوا تھا لیکن چونکہ یہ شہر سربو یا کی سرحد سے ملحق تھا اور سربو یا اور آسٹریا میں اسی علاقہ کے لئے مدت سے رقابت چلی آتی تھی، آسٹریا نے اس حادثہ کی ساری ذمہ داری سربو یا پر ڈالی اور اسی کو وجہ بنا کر سربو یا پر چڑھائی شروع کر دی۔

بلقان میں سربو یا ہی پر روس کا سب سے زیادہ اثر تھا اور سربو یا کو اگر آسٹریا ختم کر دیتا تو پھر بلقان سے روس کا انڈھیں ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتا۔ چنانچہ روس اپنی فوجی تیاریوں کی عدم تکمیل کے باوجود فوراً اپنے بلقانی دوست کی

مدد کو لپکا، اور آسٹریا کے خلاف اُس نے بے تکلف اعلان جنگ کر دیا۔
 روس کے اعلان کے ساتھ ہی جرمنی کا طوفانی لشکر اپنے خوفناک آلات حرب کے
 ساتھ آسٹریا کی مدد کے بہانے حرکت میں آ گیا۔

جرمنی کو حرکت میں دیکھ کر فرانس کی جان پر بن گئی اس کے لئے اپنے وجود
 کی حفاظت کی خاطر فوراً میدان جنگ میں آنا ضروری ہو گیا اور فرانس کے ساتھ برطانیہ
 کو بھی جنگ میں کودنا پڑا اس لئے کہ فرانس سے اس کا فوجی معاہدہ بھی تھا اور وہ جرمنی
 کی تیزی سے بڑھتی ہوئی بحری طاقت کو خود اپنے وجود کے لئے بھی خطرناک سمجھتا تھا
 اس طرح ۱۹۱۴ء کے ختم ہونے سے پہلے پہلے یورپ کی پانچ بڑی بڑی طاقتیں ایک
 دوسرے سے گتھ گتھیں اور اس طرح وہ ہولناک جنگ شروع ہوئی جسے تاریخ میں
 ”پہلی جنگ عظیم“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جنگ کا پہلا سال جرمنی کے حق میں فضیل ہوا جرمنی نے ایک طرف کامیابی
 کے ساتھ اپنی شمال مشرقی سرحد پر روس کی یورش کو روک لیا۔ اور دوسری طرف
 نہایت تیزی کے ساتھ بلجیم کو روندتے ہوئے فرانس کے اندر اپنی فوجیں پہنچا دیں
 اور دیکھتے ہی دیکھتے پلہ فرانس پر قبضہ کر لیا۔ جرمنی کی ان زبردست کامیابیوں سے
 یورپ میں متہلکہ پڑ گیا اور برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کی کامیابی کے امکانات متبہ ہو گئے۔
 اس فوج پر پھر سیاسی داؤں بیج شروع ہوئے اور یورپ کے جو ممالک اس
 لڑائی سے بچ رہے تھے ان کی ہمدردیاں حائل کرنے کے لئے طرفین کی درددھوب
 شروع ہو گئی، بلقان کی ریاستوں میں بلغاریہ کو اس جنگ میں جھونکا گیا اور بحیرہ روم
 کی طاقتوں میں اٹلی اور ترکی پر ڈورے پڑنے لگے۔ اٹلی ابھی تک حالات کے مطالعہ میں
 مصروف تھا اور غالباً دیکھ رہا تھا کہ کون سا فریق اسکی منہ بولی قیمت ادا کرتا ہے۔

لیکن ترکی پراس وقت فوجوں پارٹی حکمران تھی اور اس پارٹی کے جو شیپل
لیڈر انور پاشا نے جنگ کے فرائض اور ترکی کی فوجی قوت کا صحیح اندازہ لگا سے بغیر،
نومبر ۱۹۱۴ء میں جرمنی کی حمایت کا اعلان کر دیا اور طرابلس اور بلقان کے معرکوں کی
تھکی ہوئی ترکی فوجوں کو اتحادیوں کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔

برطانیہ اور فرانس کی طرف سے فوراً ترکی کا جواب حاضر کیا گیا، اور اٹلی کو
جو خود اپنی قیمت مقرر کئے بیٹھا تھا ٹرینٹو اور ٹراسٹی کے علاوہ تیرول کے علاقہ کالالچ
دیکر اسے اپنے ساتھ لایا، اٹلی اور برطانیہ کے درمیان یہ خفیہ معاہدہ ۲۶ اپریل ۱۹۱۵ء
کو لندن میں ہوا تھا۔

۶۔ ۱۹۱۵ء میں جنگ کی صورت حال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ مغربی محاذ
پر جرمنی کا دباؤ برابر قائم رہا۔ شمال مشرق کی روسی فوجوں کو جرمنوں نے سیلون اپنی
سرحدیں پیچھے دھکیل دیا۔ ترکوں نے دردنیا میں انگریزی حملے کا منہ توڑ جواب
دیا۔ اطالیوں کے الپس کی فوجوں کے حملوں کو آسٹریا کی فوجوں نے سپا کر دیا۔
اسی کیساتھ بحیرہ شمالی اور بحیرہ اطلانتک میں جرمنی کی آبدوز کشتیوں نے برطانیہ اور
اوراس کے سمیتوں کے تجارتی جہازوں میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ غرض اتحادیوں کے
حق میں یہ سال بھی برابر رہا۔ انھیں کہیں بھی جرمنوں سے جھک کر مقابلہ کرنے کا موقع نہ ملا
لیکن یہ ضرور ہوا کہ جرمنوں کی ان پلے درپلے کامیابیوں سے ان کا حوصلہ نہیں ٹوٹا۔ یہ
برابر ایک مفید کن مقابلہ کی تیاریاں کرتے رہے۔ مصر پر جو سلطان ترکی کے ماتحت تھا
ترکی کی طرف سے اتحادیوں کے خلاف اعلان جنگ کے بعد ہی برطانیہ نے فوجی قبضہ
کر لیا اور یہاں اپنی فوجی چھاؤنی قائم کر کے سلطنت ترکی کے خلاف فوجی اور سیاسی
کارروائیوں کی طرح ڈانڈی۔

شریف ملکہ کو لالچ دیکر ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور عربی فوجوں کی مدد سے فلسطین اور شام کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ برطانیہ کی اس اسکیم میں برطانیہ کے ساحلی روس اور فرانس بھی برابر کے شریک تھے اور اس اسکیم کی کامیابی کی صورت میں شام کا علاقہ فرانس کو اور اناطولیہ کا شمال مشرقی علاقہ روس کو بخشا گیا تھا، اور فلسطین و عراق پر برطانوی اقتدار تسلیم کر لیا گیا تھا۔

اس اسکیم کے سلسلہ میں مزید داریات صرف اس قدر تھیں کہ اسکی کامیابی کے لئے خون عربوں کا بہانا تجویز ہوا تھا اور کامیابی سے متمتع ہونے کا حق اتحادیوں کے لئے مخصوص کر لیا گیا تھا۔ !

۱۹۱۶ء میں آسٹریا اور جرمنی کی سرگرمیوں میں کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے مغربی محاذ پر جرمنوں کے دوہنایت زبردست حملے ناکام رہے اور ان حملوں میں انہیں تقریباً پانچ لاکھ سپاہیوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ دوسری طرف مشرقی محاذ پر ایک منظم روسی حملے نے آسٹریا کی فوجوں کو پسپا کر دیا۔ جنوب میں فلسطین اور شام کی طرف تھکی کے خلاف برطانیہ کو کامیاب پیش قدمی کا موقع مل گیا۔ اسی کے ساتھ یونان جواب تک لڑائی میں غیر جانبدار تھا کچھ دنوں سے آسٹریا اور جرمنی کی طرف جھکنا چاہتا تھا۔ اس اثر کو یونان پر سے دور کرنے کے لئے اتحادیوں نے اس کے چند اہم جزائر پر قبضہ کر لیا اور یونانیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی حکومت کو بدل دیں یا اپنا فوجی اور سیاسی کامیابیوں کے علاوہ جرمنی کے خلاف برطانیہ کی ناکام بندی کے اثرات بھی ظاہر ہونے لگے تھے۔ جرمنی میں خام پیداوار کی کمی محسوس ہونے لگی تھی اس کمی کو دور کرنے کے لئے جرمنی نے رومانیہ کو تاکا۔ روس فوراً رومانیہ کی مدد کو آگیا لیکن جرمنی فوجیں روسی اور رومانیسی دُفٹس کو توڑ کر رومانیہ پر قبضہ

کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔

اس سال جرمنی کی طرف سے اپنی آبدوز کشتیوں کے ذریعہ برطانوی ناکہ بندی کو توڑنے کی بھی سخت کوشش ہوئی تھی اور جرمنی کے جنگی جہازوں نے بحیرہ اٹلانٹک اور بحیرہ شمالی میں غیر جانبدار ممالک کے جہازوں کا لحاظ کئے بغیر ایک برس سے تجارتی جہازوں کو ڈبونا شروع کر دیا۔ ان کاروائیوں کے جواب میں برطانیہ نے جرمنی کی ناکہ بندی میں زیادہ شدت پیدا کر دی اور ان جہازوں کی بھی برطانیہ نے سمندر میں تلاشیاں لینا شروع کر دیں جو فی الحقیقت غیر جانبدار ممالک کے ہوتے تھے۔ برطانیہ کی اس سختی سے غیر جانبدار ممالک کو تنکایت پیدا ہوئی، خصوصاً امریکہ کے کاروبار پر اس کا بہت برا اثر پڑا اور امریکہ کے لوگوں میں جرمنی کی اُس بے اصول بحری جنگ کے خلاف عام طور پر ناراضی پیدا ہو گئی جس کے باعث برطانیہ کو غیر ملکی جہازوں کی تلاشی کا طریقہ جاری کرنا پڑا تھا۔

باب (۴) پہلی جنگِ عظیم کا انجام

جرمنی کو اگرچہ یہ احساس ہو چکا تھا کہ بحیرہ اٹلانٹک میں اس کے جنگی جہازوں کی سرگرمیوں کو غیر جانبدار ممالک اور خاص کر امریکہ میں ”بحری قزاقی“ سے تشبیہ دی جا رہی ہے اور امریکہ دے جرمنی کی ان کاروائیوں سے پریشان ہونے کے بجائے اس سے سخت ناراض ہیں لیکن اس احساس کے باوجود جرمنی نے اپنی بحری سرگرمیوں کا انداز نہ بدلا، بلکہ ۱۹۱۷ء کے شروع ہوتے ہی اسکی آبدوز کشتیوں نے بلا کسی امتیاز کے اور بھی شدت سے تجارتی اور بحری جہازوں کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں۔ اسی کے ساتھ امریکہ کی حکومت کے خلاف انہوں نے میکسیکو سے ساز باز شروع کر دیا۔ جرمنوں نے میکسیکو کی حکومت کو ”ٹکسن“ ”نیو میکسیکو“ اور ”ارٹھروئہ“ کی ریاستوں کا لایچ پور دیکر امریکہ کی حکومت کے خلاف ابھارنا چاہا تھا تاکہ امریکہ خود ایک اٹھن میں گرفتار ہو جائے اور برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا اظہار نہ کر سکے۔ لیکن جرمنی کی یہ چال بہت جلد کھل گئی اور سازش مکمل ہونے سے پہلے ہی امریکہ کے ذمہ دار عہدہ داروں کو اس کا پتہ چل گیا۔ جرمنوں کی اس حرکت کا ثبوت ملتے ہی امریکہ نے جرمنی کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات توڑ لئے اور اس کے فوراً ہی بعد ۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

امریکہ کے اعلان جنگ سے جرمنی کو ایک دھٹکا سا لگا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ جرمنی کو ایک اور زبردست اوتارہ دم دشمن سے مقابلہ کرنا پڑ گیا اور صورتِ حال یہ تھی کہ مسلسل تین برس جنگ کے بعد جرمنی کی بحری اور برسی فوجوں کا نہ پہلا سادَم حم باقی رہا تھا اور نہ جرمن شہریوں کا وہ عزم و حوصلہ برقرار تھا۔ ناکہ بندی کے اثر سے خام اشیاء کا تو جرمنی میں توڑا تھا ہی، امریکہ کے اعلان جنگ کے بعد معمولی کھانے پینے کی چیزوں کا بھی توڑا پڑ گیا، صنعت و تجارت بالکل ختم ہو گئی، بیکاروں اور بے روزگاروں کا مرجعہ بڑھنے لگا۔ فوجوں کے دل ٹوٹنے لگے اور جرمنی کے لیڈروں کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔

ان مشکلات سے مقابلہ کرنے کی جرمنی کے پاس صرف ایک تدبیر باقی رہ گئی تھی۔ کہ ”یو بوٹ“ اور ”آبدوز کشتیوں کی سرگرمیوں کو تیز کر دیا جائے، اور امریکہ کی امداد پہنچنے سے پہلے انگلستان کی بحری طاقت اور بحری طاقت کے ساتھ اُس کے وسائل تجارت کو توڑ کر رکھ دے۔ اور اس طرح انگلستان کو صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دے۔

جرمنی نے یہ آخری داؤں بھی کھیل ڈالا، سمندروں میں تہلکہ مچ گیا، ہر سمت برطانیہ کے تجارتی اور مسافر جہاز ڈوبنے لگے اور وہ سارے راستے مختدوش ہو گئے جو انگلستان کو برطانوی نوآبادیات سے جلاتے تھے۔

ان بحری سرگرمیوں کے ساتھ جرمنی کے دو مشہور جہزوں ہینڈنبرگ اور لیوڈنڈارف نے جرمنی کی بری فوجوں کو سبھالا اُن کی نئے سرے سے تنظیم کی، ان کے حوصلے بڑھائے اور سارے مغربی محاذ پر ایک ساتھ دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ یہ دباؤ اس قدر سخت تھا کہ برطانوی اور فرانسیسی فوجوں نے پچھلے سال اس محاذ پر جو کامیابیاں

کی تھیں وہ برقرار نہ رکھ سکیں اور جگہ جگہ ان کے بچاؤ کی لائنوں میں رخنے پڑنے لگے یہ حال دیکھ کر فرانس اور برطانیہ میں تشویش بڑھی، بے حساب تازہ دم فوجیں مغربی محاذ پر ڈالی گئیں، فوجوں کے گرتے ہوئے حوصلوں کو سنبھالا اور جرمنوں کی زد سے ہٹ کر نئے مورچے ڈال دیے، فرانس اور برطانیہ کو بڑی بے چینی سے امریکہ کی امدادی فوجوں کا انتظار تھا اور امریکہ کی امدادی فوجوں کے میدانِ جنگ میں پہنچنے تک جرمنی کو روکے رکھنا بہت ضروری تھا۔

اس محاذ کے علاوہ اتحادیوں کو اسیس کی وادی میں بھی شکست کھانا پڑی اس محاذ پر اطالوی اور اسٹرمی فوجوں کا مقابلہ ہو رہا تھا اور اطالوی فوجیں حسب معاہدہ ٹراسٹی کی طرف بڑھنا چاہتی تھیں لیکن اسٹرمی فوجوں کے آگے اُن کی ایک بھی پیش نہ گئی اُن کے سب حملے اسٹروں نے بیکار کر دیئے اور آخری حملے میں (”cap some of the“) کے مقام پر اطالویوں کو شکستِ فاش دی۔ اس حملے میں اطالویوں کے تقریباً دو لاکھ سپاہی یا تو ہلاک ہوئے یا گرفتار کر لئے گئے اور اطالوی فوجیں انتہائی بے سرو سامانی کے ساتھ منتشر ہو گئیں۔ اس شکست کا اتحادیوں پر بڑا اثر پڑا اور خود اطالویوں کے دل جھوٹ گئے۔

اسی سال اتحادیوں میں ایک اور کمزوری پیدا ہو گئی، ان کا شریک روس انقلاب کے بھنور میں گر گیا اور روسی محاذِ جنگ پر ہر قسم کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئیں۔

روس میں بہت دنوں سے انقلاب کا خیر تیار ہو رہا تھا اور روس کی مختلف سیاسی پارٹیوں (ہیلسٹس، انارکسٹس، منشو کس اور بالشو کس) نے ملک کے عوض و طول میں موجودہ طرزِ حکومت کے خلاف بے چینی اور بے اطمینانی پیدا کر دی تھی

اس بے چینی اور بے اطمینانی کو جنگ کے دوران میں زار نکولاس کی کمزوریوں اور زائد بینہ اور پارسی رسپوٹن کی درباری چال بازیوں نے اور بڑھا دیا تھا، ابتداً تو صرف روس کے انتہا پسند ہی زار کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے لیکن زار بینہ کی غیر مال اندیشانہ حرکتوں اور زار کی سیاسی حماقتوں کے مسلسل تجربے کے بعد روس کے اعتدال پسند، اور طبقہٴ احرار کے ذمہ دار افراد بھی زار کی موجودہ حکومت کو ختم کر دینے پر متحد ہو گئے۔ اس عام بیزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو زار اپنے لڑکے کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گیا اور روسی پارلیمنٹ (ڈوما) کی ایک کمیٹی مشہزادے لوآد کی صدارت میں روس پر حکومت کرنے کے لئے منتخب ہوئی۔ اس نئی حکومت کا ذمہ دار وزیر اعظم الکزنڈر کولسکی منتخب کیا گیا جو روس کے مستوک پارٹی کا لیڈر تھا۔ اس نئی حکومت کے قیام کے بعد بظاہر روس میں امن قائم ہو گیا اور جنگی سرگرمیوں میں جو ڈھیل پڑ گئی تھی وہ دور ہونے لگی برطانیہ اور فرانس نے بھی کولسکی کی نئی حکومت کو تسلیم کر لیا اس لئے کہ کولسکی کی حکومت نے اس معاہدے کے احترام کا اعلان کر دیا تھا جو زار کی حکومت نے فرانس اور برطانیہ سے کیا تھا۔

✓ لیکن کولسکی کی حکومت کو زیادہ دن برقرار نہنا نصیب نہ ہوا۔ اعتدال پسند اور طبقہٴ احرار کو تو اس کی حکومت پر اعتماد ہو گیا، لیکن باشوک پارٹی جو حکومت کے سارے اختیارات مزدوروں کے ہاتھوں میں کھٹنا چاہتی تھی وہ اس لیاپویتی سے مطمئن نہ ہوئی اور اس نے برابر عوام اور فوجوں میں کولسکی کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھا، باشوک پر دیپنڈ سے عوام میں دوبارہ بے چینی پیدا ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے روس میں دوبارہ انقلاب کے شعلے بھڑکنے لگے۔

✓ اب کہ انقلاب مکمل ہوا، طبقہٴ احرار اور سرمایہ دار پر تباہی آئی کولسکی کا

حکومت پائے تخت چھوڑ کر فرار ہو گئی اور بالشویک پارٹی کے لیڈر ”یولیا تاف“ نے جو اپنی پارٹی میں ”لنن“ کے نام سے مشہور تھا اپنی پارٹی کے ساتھ حکومت پر قبضہ کر لیا۔

یولیا تاف یا لنن کا جرمنی کے ساتھ خفیہ معاہدہ ہو چکا تھا۔ مارچ ۱۹۱۶ء میں جب نازک کلاس نے تخت سے دستبرداری کی لنن سوئٹزر لینڈ میں مقیم تھا۔ وہ فوراً روس پہنچا اس موقع پر اپنی پارٹی کی قیادت کو ناچا ہوتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ روس کے سب راستے بند تھے، ایک راستہ برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کی فوجیں روکے ہوئے تھیں اور دوسرے راستے کو آسٹریا، ترکی اور بلغاریہ کی فوجوں نے گھیر رکھا تھا۔

لنن نے پہلے برطانیہ سے روس جانے کی اجازت مانگی برطانیہ نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد لنن نے جرمنوں سے روسی سرحد تک پہنچنے کی درخواست کی۔ جرمن اس شرط پر راضی ہو گئے کہ اگر لنن کو روس میں دو بارہ انقلاب برپا کرنے میں کامیابی ہو جائے تو روس جرمنی سے اسکی پیش کردہ شرائط پر صلح کر لے گا۔ لنن نے جرمنوں کا یہ مطالبہ مان لیا اور جرمنوں نے اکتوبر ۱۹۱۶ء میں لنن کو روس کی سرحد میں پہنچا دیا۔

نومبر ۱۹۱۶ء میں روس میں بالشویک انقلاب ہوا۔ روس کی حکومت لنن اور اس کی پارٹی کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس نے روسی فوجوں کو محاذ سے ہٹا لیا اور جرمنوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی۔ اس طرح آخر ۱۹۱۶ء تک اتحاد کا ایک ساتھی جنگ سے ہٹ گیا۔

اس سال جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں فرانسیسی روسی اور اطالوی محاذوں پر اتحادیوں کو نیچا دیکھنا پڑا تھا لیکن ایک محاذ پر انہیں کامیابی بھی ہوئی۔ یہ ترکی محاذ تھا۔ عرب میں برطانیہ کے اشارے سے بغاوت پھوٹ پڑی تھی اور خود عربی فوجیں فلسطین اور شام کی طرف پیش قدمی میں مصروف تھیں اسی کے ساتھ انگریزی فوجیں خلیج فارس کے راستے عراق میں درآمدیں اور دونوں طرف سے برابر ترکی فوجوں پر دباؤ ڈالتی جا رہی تھیں۔

ادھر مشرق میں برطانیہ کی یہ سرگرمیاں جاری ہی تھیں کہ امریکہ کی بحری اور بری فوجیں یورپ آن پہنچیں، مغربی محاذ کی گرتی ہوئی دیوار سنبھل گئی، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے حوصلے بڑھ گئے، اور اس محاذ پر جرمنوں کا دباؤ کم ہو گیا۔ امریکہ کی بحری مدد سے برطانیہ کے بحری بیڑے کو بڑی تقویت پہنچی۔ جرمنی کے یو بوٹ اور ابدوز کشتیوں کی گمشدگی شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ اتحادی سمندروں ہنگاموں پر قابو پاتے گئے۔

۱۹۱۸ء کا سال جنگ کا آخری سال ہے، جرمنی، آسٹریا اور ترکی میں کمزوری کے آثار پیدا ہو چکے تھے، اتحادیوں کی سرگرمیاں ہر طرف بڑھ گئی تھیں، سمندروں میں من آبدوزوں کا زور ٹوٹ چکا تھا اور خشکی پر جرمنی کی تہا فوجیں دل شکستہ ہو رہی تھیں لیوڈن آف نے آخری مرتبہ اپنی فوجوں کو اُبھارنے کی کوشش کی لیکن اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں سیگ فرائڈ لائن میں رخنہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئیں۔

”ولٹر لیو وینی ٹو“ کے میدان میں آسٹریا کو انگریزی فرانسیسی اور اطالوی فوجوں سے شکستِ فاش کھانی پڑی۔ ترکی کی قوتِ مدافعت جواب دہ گئی

اور بلغاریہ بالکل ختم ہو گیا۔

جرمنی میں قیصر اور اس کے خاندان کے خلاف سخت شورش پیدا ہو گئی۔ قیصر
 مُلک چھوڑ کر ہالینڈ کی طرف فرار ہو گیا۔ ملک میں جمہوری اصول پر ایک نئی حکومت
 قائم ہو گئی اور اس حکومت نے اتحادیوں کے آگے درخواستِ صلح پیش کر دی۔ جرمنی
 کے ساتھ بلغاریہ، ترکی اور آسٹریا نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ چنانچہ ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء
 کو دن کے گیارہ بجے پہلی جنگِ عظیم ختم ہو گئی اور اس جنگ کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ
 جرمنی، آسٹریا اور ترکی کی باجروت شہنشاہتیں بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں۔

باب (۵)

مالِ غنیمت کی تقسیم اور صلح کے معاہدے

جب جنگ کا بحران دور ہوا تو سیاسی، سماجی، اور معاشی حیثیت سے مفتوحہ ممالک کی تباہی اور بربادی کا عجیب منظر سامنے آیا، انتہائی انتشار اور بے چینی، انتہائی اضطراب اور لامرکزیت اور ان سب پرسترد قحط اور دباؤں کا زور، کالرا، انفلوینزا، پلگ، غرض ان سب بلاؤں کا نسلِ آدم پر ایک ساتھ حملہ ہوا۔ اور جو بادیاں کہ جنگ کے شعلوں میں بھٹنے سے رہ گئی تھیں ان دباؤں کی نذر ہونے لگیں۔ معاشی ابری اور قحط اور دباؤں سے فاتح اور غیر جانبدار ممالک بھی بزرگ سکے اور یورپ ہی نہیں بلکہ ایشیا اور افریقہ کے ایک بڑے حصہ پر بھی ان کا اثر پڑا، غرض تباہی عالمگیر تھی اور اس میں فاتح اور مفتوح کی کوئی قید نہیں رہی تھی۔

یہی عالمگیر معاشی تباہی اور بربادی کا احساس تھا جس نے ان ممالک کے خلاف جو اس جنگ کے اصلی محرک تھے فاتح ممالک میں شدید جذبہ انتقام پیدا کر دیا۔ اور مستقل قیام امن کے لئے یہ اصول طے کر چکے کے باوجود کہ معاہداتِ صلح میں یورپین اقوام کے لئے آپس میں آئندہ رشک و رقابت کی گنجائش نہیں چھوڑی جائے گی، مالی غنیمت کی تقسیم اور صلح کے معاہدات کے وقت یہ جذبہ پوری شدت سے کھڑا رہا۔

پریسڈنٹ وڈروئلن اس کا نفرنس کے صدر تھے جو مالِ غنیمت کی تقسیم اور

- مستقل قیام امن کے معاہدات کی ترتیب کے لئے پیرس میں منعقد ہوئی تھی اور موسیو کلینو اور سٹرلائڈ جارج اُن کے مشیر خاص مقرر ہوئے تھے۔
- پریسڈنٹ نے کانفرنس کو شروع کرنے سے پہلے مستقل صلح کے چند ”بنیادی اصول“ وضع کئے اور یہ طے کیا کہ صلح کی گفت و شنید انہی طے شدہ اصولوں کے ماتحت کی جائے۔ یہ اصول وہ تھے جو پریسڈنٹ وین کے ”چودہ نکات“ کے نام سے آج تک تاریخ میں محفوظ چلے آئے ہیں وہ اصول اختصار کے ساتھ یہ ہیں۔
- (۱) یورپ کی حکومتیں آئندہ خفیہ ساز باز نہیں کریں گی، بلکہ ان کی سیاسی پالیسی صاف سیدھی اور بالکل ظاہر ہو کرے گی۔
- (۲) امن اور جنگ دونوں حالتوں میں سمندر بین الاقوامی تجارتی جہاز رانی کے لئے کھلے رہیں گے۔
- (۳) معاشی فتنہ اور پابندیوں کو جہاں تک ہو سکے گا دور کیا جائیگا۔
- (۴) تحفیف اسلحہ کے سلسلہ میں مناسب طمانیت لی جائے گی۔
- (۵) نوآبادیات کو بالکل غیر جانبدار انداز میں تقسیم کیا جائیگا۔ اور ایسی تقسیم کے وقت اس حکومت کے مقابلہ میں جو کسی نوآبادی کا مطالبہ کرتی ہے خود اس نوآبادی کے بسنے والوں کی اپنی راہ اور مرضی پر بھی پوری توجہ دی جائے گی۔
- (۶) روس کا سارا علاقہ خالی کر دیا جائے گا اور روس کو اپنے علاقہ کی درستی اور اصلاح کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔
- (۷) بلجیم کی حکومت اپنے پورے علاقے کے ساتھ دوبارہ قائم کی جائیگی اور اسے خود مختار شاہی قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی۔
- (۸) فرانس کا سارا علاقہ خالی کر لیا جائے گا اور یردشہا کی حکومت

۱۸۵۷ء میں اس کے ساتھ جو زیادتی کی تھی اس کی اصلاح کی جائیگی۔
 (۹) قومیت کے اصولوں کے ماتحت اٹلی کی سرحدوں کو دوبارہ متعین کیا جائیگا۔
 (۱۰) آسٹریا اور ہنگری کے لوگوں کو خود مختار جمہوری حکومتیں قائم کر لینے کا موقع دیا جائے گا۔

(۱۱) رومانیہ، سرویا اور مونٹی نگر کی ریاستوں کے علاقے خالی کر دئے جائیں گے۔ سرویا کو سمندر کے علاقے دئے جائیں گے اور بلقان کی ریاستوں کے مسئلہ کو قومیت اور آپس کے اتحاد کے اصولوں پر طے کیا جائیگا۔
 (۱۲) سلطنت عثمانیہ کی غیر مسلم آبادی کی سیاسی ترقی کی ضمانت کی جائیگی اور درہ و انبال مستقل طور پر بین الاقوامی جہاز رانی کے لئے کھلا رکھا جائیگا۔
 (۱۳) پولینڈ کی آزاد سلطنت قائم کی جائے گی اور سمندر میں اسے ایک ساحل بھی دیا جائیگا۔

(۱۴) چند مناسب اور دروازہ دار اصولوں کے ماتحت ایک مجلس بنائی جائے گی جو دنیا کی سب سے بڑی سلطنتوں کے وجود کی آپس میں طمانیت کا انتظام کرے گی۔

پریسڈنٹ ولسن ان مجوزہ بنیادی اصولوں کے ماتحت پیرس کی صلح کانفرنس میں شام ہونے سے پہلے سلطنت برطانیہ نے اپنے مقبوضات کی اس امداد کا اعتراف کیا جو جنگ کے موقع پر انہوں نے سلطنت کو دی تھی۔ یہ اعتراف اس قسم کا تھا کہ مقبوضہ کو ایک مستقل اور آزاد قوم کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور اسی حیثیت سے مجوزہ مجلس اقوام میں ان کے داخلہ کا وعدہ کر لیا۔ ڈوینین سٹیٹس کا یہ وعدہ جنوبی افریقہ، کنیڈا، اسٹریلیا اور نیوزی لینڈ سے کیا گیا اور ہندوستان کی جنگی خدمات کے عیوض اسے ”ترقی یافتہ“

اصلاحات کی بشارت دی گئی تو بعد میں مانیٹو چیمس فورڈ ریفرس کے نام سے ہندوستان میں نافذ کی گئیں۔

اصل میں یہ مانیٹو چیمس فورڈ کی اصلاحات، کانگریس اور مسلم لیگ کے اس ميثاق کی بنیاد پر مرتب کی گئی تھیں جو ۱۹۱۶ء میں ان دونوں جماعتوں کے مابین لکھنؤ میں طے پایا تھا، لیکن ان اصلاحات میں اس ميثاق کا بھی پورا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا۔ علاوہ اس کے خود وہ ميثاق بھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے نزدیک مقبول نہ ہو سکا تھا اور مختلف سیاسی تحریکیں جو ایک مدت سے ہوم رول اور سوراہ کے نام سے ملک میں چل رہی تھیں ملک کے انتہا پسندوں کے ہاتھ میں آ گئی تھیں چنانچہ جنگ کے خاتمہ کے بعد حکومت نے جب جدید اصلاحات کا اعلان کیا تو ملک کا انتہا پسند طبقہ ان سے مطمئن نہ ہو سکا اور اس نے اپنی سیاسی سرگرمیوں میں اور شدت پیدا کر دی، اس طرح حکومت برطانیہ کی مجوزہ اصلاحات جو اس نے جنگ میں ہندوستانیوں کی وفاداری اور خدمات کے صلہ میں طے کی تھیں، وہ ہندوستانیوں کی اکثریت کو مطمئن کرنے میں قطعاً ناکام رہیں۔

۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء سے پیرس میں صلح کانفرنس شروع ہوئی یہ کانفرنس کیا تھی ایک طرح کی جمہور پسند ملکوں کی عدالت تھی جس میں پریسڈنٹ کے مجوزہ بنیادی اصولوں کے ماتحت ان مجرموں کے خلاف فیصلے تجویز ہوئے جو اس جنگ عظیم کے اصلی محرک اور بانی تھے۔

سب سے پہلے جرمنی کا مسئلہ تھا۔ عارضی مصالحت کے وقت ہی جرمنی کو اس کے جیسے ہوئے علاقوں سے نکل جانے پر مجبور کیا جا چکا تھا اسکے ہوائی جہازوں، ریلوں اور ریلوں پر اتحادیوں کی نگرانی ہو چکی تھی۔ اور اس کے زبردست بحری

بیڑے کو گھیر کر (SCAPAFL O W) برطانیہ کے شمالی بحری مرکز پر پہنچایا جگا تھا۔ کانفرنس میں طے ہوا کہ ایس اور لورین کے علاقے جو اس نے مشتمل ہیں فرانس سے جیتے تھے وہ فرانس کو واپس کرے، رائین لینڈ میں کسی قسم کی فوجی قلعہ بندی نہ کرے۔ سار کے علاقہ کو پندرہ برس کے لئے بین الاقوامی نگرانی میں دیدے، اسکے بعد سار کے لوگوں کی رائے سے جرمنی یا فرانس کے ساتھ اس کا الحاق عمل میں آئے اس کے علاوہ ”یوپن مالمیڈی“ کا چھوٹا سا علاقہ ملجیم کو دیا گیا ”اپر سلیشا“ اور دہ سار علاقہ جسے جرمن کو ریڈور“ کہتے ہیں مع ”ڈانٹسک“ (۹) DANZ کی بندرگاہ کے جرمنی سے علیحدہ کر کے پولینڈ کی نئی سلطنت سے ملحق کر دیا گیا اور پردیشیا کا شمال مشرقی علاقہ ”میل“ ہانک کی ایک نئی ریاست ”لتھونیا میں ملا دیا گیا۔ اسی کے ساتھ جرمنی کی افریقی نوآبادیات اس سے چھین کر برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے حوالے کر دی گئیں۔

اس فیصلہ میں صرف راہن لینڈ کے معاملہ میں فرانس کے وزیر اعظم موسیو کلینسو اعتراض تھا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ علاقہ بھی جرمنی سے لیکر فرانس کے حوالے کر دیا جائے اور واقعہ یہ ہے کہ فرانس نے جنگ سے پہلے اس علاقہ کے لئے روس سے خفیہ معاہدہ بھی کر رکھا تھا۔ لیکن راہن لینڈ کو فرانس سے ملحق کر دینا جزیرہ برطانیہ اور امریکہ کے مفاد کے خلاف تھا اس لئے برطانیہ اور امریکہ نے بل کر موسیو کلینسو پر دباؤ ڈالا اور انہیں راہن لینڈ کے عوض اس بات پر راضی کر لیا کہ راہن لینڈ میں جرمن قلعہ بندیاں نہیں کریں گے۔ جرمنوں کو ملک کے داخلی انتظام کے لئے صرف ایک لاکھ فوج رکھنے کی اجازت دی جائے گی اور عام لام بندی کا حق ان سے چھین لیا جائے گا۔ اس کے علاوہ برطانیہ اور امریکہ کے سمائڈوں مٹر لائڈ جارج اور پریڈنٹ ولسن نے ایک معاہدہ کے ذریعہ فرانس کے خلاف جرمنی کے جارحانہ اقدامات کی ضمانت

کرنے کا بھی استہرا کیا تھا لیکن یہ معاہدہ بعد کو بعض دلچسپ قسم کے موانعات کے باعث تکمیل نہ پاسکا اور فرانس کو جرمنی کے جارحانہ اقدامات کے متعلق امریکہ اور برطانیہ سے کوئی طمانیت نہ مل سکی۔ اس واقعہ کا ذکر آگے آتا ہے۔ (یہ معاہدہ جو جرمنی کے ساتھ کیا گیا معاہدہ ورسائی کہلاتا ہے)

جرمنی کے بعد آسٹریا ہنگری کی سلطنت کا نمبر تھا، یہی سلطنت جنگ عظیم کی اصلی محرک تھی اور کانفرنس نے سنہ بھی اسے سب سے زیادہ سخت دی، ٹرینٹو، ٹراسٹی اور جنوبی ٹیرول اٹلی سے ملحق کر دیا گیا۔ اور کوریتھ، ڈالمیٹیہ اور بوسنیا، ہنگوینیہ کا بہت بڑا علاقہ سرویا کو دیدیا گیا جس نے ان سب علاقوں کو ملا کر یوگوسلافیہ کے نام اپنی ایک بڑی سلطنت قائم کر لی۔

گلیشیا اور شمالی بیٹھین کا علاقہ جدید سلطنت پولینڈ کے حوالے کیا گیا، بوسنیا اور یوگوسلافیا اور ہنگری کا شمالی حصہ علیحدہ کر کے چیکوسلاویا کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کی گئی اور ہنگری کا مشرقی حصہ مع ٹرانسلونیہ کے رومانیہ کو بخش دیا گیا، عرض آسٹریا ہنگری کی عظیم الشان سلطنت جو اس معاہدہ سے پہلے پانچ کروڑ ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، اس فیصلہ کے بعد صرف ڈیڑھ کروڑ نفوس کی رہ گئی اور پھر اس ڈیڑھ کروڑ کی آبادی کو بھی اس فیصلہ کے ذریعہ دو علیحدہ علیحدہ حکومتوں آسٹریا اور ہنگری پر تقسیم کر دیا گیا آسٹریا کی آبادی ساٹھ لاکھ، پچاس ہزار اور ہنگری کی انسی لاکھ تھی۔ (جو معاہدہ آسٹریا کے ساتھ کیا گیا وہ ”سنت جرمن معاہدہ اور جو ہنگری کے ساتھ ہوا اسے معاہدہ ٹرینٹ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔)

آسٹریا ہنگری کے بعد سلطنت عثمانیہ کا نمبر تھا، اس غریب کا یورپین

ممالک کے درمیان خفیہ معاہدوں کے ذریعہ جنگ سے پہلے ہی تیار پانچا ہو چکا تھا البتہ صلح کانفرنس میں ان خفیہ معاہدوں کی "مباہتہ" کے ساتھ تکمیل ہو گئی۔
 مصر کو برطانیہ جنگ کے دوران ہی میں ترکی سے جدا کر چکا تھا۔ صلح کانفرنس میں عرب کو سلطنت عثمانیہ سے علیحدہ کر کے دوسرا ان عرب کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ شرق اردن اور فلسطین برطانوی انتداب قائم کیا گیا عراق میں انگریزوں کی زیر نگرانی ایک عرب ریاست قائم کی گئی، سمیرنا اور مشرقی تھریس یونان کو بخش دیا گیا، کر دستان کا سارا علاقہ ملیشیا کے جنوب تک آرمینیہ سے ملحق کیا گیا۔ ۱۱ بناؤں پر اتحادیوں کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ سلطنت کے مالیہ پر اتحادیوں کی نگرانی قائم کر دی گئی۔ اور قانون اختیار میں خارج اقوام کے لئے خاص رعایتیں رکھی گئیں۔ ہر قسم کی بحری، بری اور فضائی فوج رکھنے کی ممانعت کر دی گئی اور ملک کے اندرونی انتظام کے لئے صرف پندرہ ہزار پولس رکھنے کی تجویز کی گئی۔

✓ جنگ سے پہلے خفیہ معاہدے میں جو برطانیہ اور روس کے درمیان ہوا تھا اور اس کے بعد جنگ کے دوران میں جو برطانیہ اور فرانس اور روس کے درمیان طے پایا تھا۔ قسطنطنیہ، اردو انیال، اور شمالی مشرقی اناطولیہ کا ایک حصہ روس سے تعلق کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن روس نے بالٹک پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد چونکہ صلح کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تھا اور شہنشاہی روس کے دعوؤں سے دستبرداری کر لی تھی اسلئے قسطنطنیہ پر جو اتحادیوں نے قبضہ کر لیا تھا اور مشرقی اناطولیہ کا علاقہ انھیں سے ملحق کر دیا تھا۔ — ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا یہ فیصلہ "معاہدہ سیدروس" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے لیکن ابھی اس معاہدے کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئے پانی تھی کہ ترکی کے ایک جانبازی سپاہی کمال اتاترک نے اپنی تلوار کی نوک سے اسے پارہ پارہ کر دیا۔ اور اتحادیوں کو ترکوں کے ساتھ "تعلقت" شنیدہ کے بعد ایک باغوت بھرتہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ علیحدہ کی اس تبدیلی کا ذکر آگے کیا جائیگا۔

باب (۶)

نئی ریاستوں کی تشکیل اور مجلس اقوام کا قیام

پیرس کانفرنس نے شکستہ، توزدہ ممالک کے خلاف فیصلے صادر کرنے کے علاوہ بلورڈپ میں جمہوری اصولوں پر چند نئی اور آزاد ریاستوں کی بھی تشکیل کی۔ یہ نئی ریاستیں چیکو سلاویا، پولینڈ، لتھوینیا، لٹویا، استونی اور فن لینڈ تھیں۔ ان میں چیکو سلاویا کا راجہ جو دھن پر پیگنڈ کے دور سے عمل میں آیا تھا اور یہ تقریباً سب کا سب سلطنت آسٹریا دہنگری کا علاقہ تھا اور لتھوینیا، لٹویا، استونی اور فن لینڈ کی ریاستیں (BREST litovsk) "برسٹ لٹو اسک" کے معاہدہ کی رو سے قائم ہوئی تھیں اور جنگ سے پہلے یہ سب کی سب روسی سلطنت میں شامل تھیں۔

۱۹۱۷ء میں جب بالٹک پابلی روسی حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تو جرمنی اور بالٹک پارٹی کے لیڈر لٹن کے خیمہ بھرتے کے مطابق روس جنگ سے علیحدہ ہو گیا اور برٹ لٹو اسک کے مقام پر ایک طرف روس اور دوسری طرف جرمنی، آسٹریا، ترکی اور بلغاریہ کے درمیان ایک محلہ ہوا جس کی روسے روس نے روسی پولینڈ، لتھوینیا، لٹویا، استونی اور بالٹک کے چند جزائر سے جرمنی کے حق میں دست برداری کر لی۔ یوکرین، جارجیا، اور فن لینڈ کی آزادی تسلیم کر لی اور چھار ب سوئے کے مادرشہر جانہ دینے منظور کر لئے۔ اس طرح گویا بالٹک حکومت اس معاہدے کے ذریعہ آثار کے زمانہ روس کی ۳۴ ص ۳۵ فیصدی صنعت و حرفت (باقی صفحہ ۳۵ پر)

اور پولینڈ کی ریاست میں کچھ علاقہ روس کا اور بڑا علاقہ جرمنی اور آسٹریا کا شامل کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ نئی ریاستیں عالم وجود میں آئیں ان کا طرز حکومت جمہوری بھرتیز کیا گیا اور ان سے ان کی حفاظت کی ضمانت کا وعدہ کیا گیا۔

ان نئی ریاستوں کی بنیاد دراصل پریسڈنٹ ولسن کے اس نظریہ پر رکھی گئی تھی کہ "دنیا کی ہر قوم کو اپنی آزاد حکومت قائم کرنے کا حق حاصل ہے" اور مقصد ان کی تشکیل کا یہ تھا کہ وسطی یورپ میں ایک یا دو بڑی سلطنتوں کے قائم کرنے کے بجائے جمہوری اصولوں پر چند ایسی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں قائم کر دی جائیں جن کا مفاد ہمیشہ ایک دوسرے سے ٹکراتا رہے اور رشک و رقابت ان میں آپس میں اتھام نہ پیدا ہونے دے تاکہ یورپ کا امن بحال رہے اور آئندہ جھگڑوں کی جنگ کا اندازہ ہو سکے۔

ان نئی ریاستوں کے قیام کے علاوہ مستقبل میں بحالی امن کے لئے اس کانفرنس نے پریسڈنٹ ولسن کے مجوزہ نکات کے مطابق ایک مجلس اقوام کے قیام کا بھی خاکہ تیار کیا

(بعثتہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور ۹۰ فی صدی کو ملے کی کاؤز سے دست بردار ہو گئی۔ یہ معاہدہ روس اور جرمنی کے درمیان اگرچہ جنگ کے خاتمہ سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور جنگ جرمنی اور اس کے ساتھیوں کی شکست پر ختم ہوئی تھی لیکن روس نے چونکہ صلح کی کانفرنس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے اس علاقہ سے اس نے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا اسلئے صلح کانفرنس کے تجویز نے "برٹن و ورسس" کے معاہدے کو اس جنگ بحال نہ رکھا کہ یہ سادہ علاقہ روس سے علیحدہ کر لیا لیکن اسے جرمنی کے زیر اثر کر دینے کے بجائے علیحدہ علیحدہ آزاد جمہوری ریاستوں کی شکل میں بانٹ دیا

اس طرح بحیرہ بالٹک کے گرد چار ایسی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں عالم وجود میں آگئیں جنکی سیاسی حکمت عملی انکی ہمایہ بڑی بڑی سلطنتوں سے مختلف تھی ۱۲ (مؤلف)

اور اس مجلس کے ماتحت بہت سے شعبے بھی جو بننے کے جو بن الاقوامی حیثیت کے مسائل پر گفت و شنید کے بعد باہرانہ طریقہ سے روشنی ڈال سکیں۔

مثلاً صحت عامہ کا شعبہ، مزدوروں کی اصلاح و درستی کا شعبہ، ریاستوں کی سرحدوں کے جھگڑے چکانے والی عدالت، اقلیتوں کے حقوق پر رائے دینے والا بورڈ، تخفیف اسلحہ پر غور کرنے والی کمیٹی وغیرہ۔

بانیانِ پیرس کانفرنس کا اس مجلس کے قیام سے پہلے اہم مقصد تو یہی تھا کہ جب کبھی دو ریاستوں میں کوئی ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ وہ خود آپس میں حل نہ ہو سکے اسے طے کر سکیں۔ اور ہتھیار اٹھانے کی نوبت آجائے تو ایسا کرنے سے پہلے دونوں ریاستیں اپنی اپنی شکایتیں مجلسِ اقوام میں پیش کریں۔ اور مجلسِ اقوام ان کے حق میں جو بھی فیصلہ کرے اس پر سر جھکا دیں۔ چنانچہ ایسے معاملات میں مجلسِ اقوام کے فیصلہ کو بااثر بنانے کے لئے مجلسِ اقوام کے ”دستور“ میں یہ دغاات بھی رکھی گئی تھیں۔

اگر کوئی ریاست مجلسِ اقوام کا فیصلہ نہ مانے اور دوسری ریاست کے ساتھ زیادتی کرے تو مجلسِ اقوام کے باقی ممبر زیادتی کرنے والی ریاست کا سزاؤ معاشی مقاطعہ کر سکیں گے یا زیادتی کرنے والے کے خلاف متحد ہو کر ہتھیار اٹھا سکیں گے۔

دوسرا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ریاستیں اپنے پاس اس سے زیادہ بری بحری اور فضائی فوج نہ رکھیں جتنی انہیں اندرونِ قیام امن اور بیرونی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ضرورت ہو، یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا، اس مسئلہ کا کامیابی سے اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ مجلسِ اقوام کے سارے ممبروں کو ایک دوسرے پر کامل اعتماد ہو جاتا۔ چنانچہ آپس میں اعتماد کو بڑھانے کی یہ سبیل سوچی گئی تھی کہ بڑی بڑی سلطنتیں بدترج اپنی ذہنی قوت کو کم کرنا شروع کر دیں تاکہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنے وجود کی حفاظت کا یقین ہونا چلا جائے۔

غرض یہ اہم اور بنیادی مقاصد تھے جنہیں لیگ ”مجلس اقوام“ ۱۹۲۰ء میں جنیوا کے آزاد شہر میں عالم وجود میں آئی تھی، برطانیہ نے اسے کامیاب بنانے کی ذمہ داری لی تھی، اور پریسیڈنٹ ولسن نے یقین دلایا تھا کہ امریکہ اس مجلس کا سرگرم کارکن ثابت ہوگا۔ لیکن پریسیڈنٹ ولسن امریکہ کو لیگ اقوام کی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیگ پہلے ہی اجلاس کے بعد امریکہ نہ صرف لیگ سے علیحدہ ہو گیا بلکہ اس نے یورپ کے معاملات سے بھی اپنی بے تعلقی کا اعلان کر دیا۔

امریکہ کی طرف سے لیگ سے علیحدگی اور یورپ کے معاملات سے بے تعلقی کے اعلان کی اصلی وجہ یہ تھی کہ پریسیڈنٹ ولسن ”ڈموکریٹک“ پارٹی کے آدمی تھے اور اس وقت امریکن سنٹ میں ”ریپبلکن پارٹی“ کی اکثریت تھی۔ امریکہ کو جنگ میں دھکیلنے وقت تو پریسیڈنٹ ولسن نے ”ریپبلکن پارٹی“ کو اپنے ساتھ لے لیا تھا لیکن جب پیرس میں صلح کی گفتگو شروع ہوئی تو پریسیڈنٹ نے امریکن سنٹ کے کسی ریپبلکن نمائندے کو اپنے ساتھ نہ رکھا، یہ بات ریپبلکن پارٹی کو ناگوار گذری اور اس نے جواب میں پریسیڈنٹ ولسن کے سارے کئے دھرب پر پانی پھیر دیا۔

اس کے علاوہ امریکہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو اپنے ملک کو یورپ کے جھگڑوں سے بالکل علیحدہ رکھنا چاہتی تھی اس کے نزدیک امریکہ کے لئے یہ بالکل مناسب نہ تھا کہ وہ یورپ کی سلطنتوں میں سے بعض سلطنتوں کا ساتھ دے اور بعض کی مخالف بن جائے۔ یورپ کی کسی ریاست سے امریکہ کی سیاسی لڑائی نہیں تھی اور اس کے اپنے تجارتی مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ یورپ کی ساری چھوٹی بڑی ریاستوں سے یکساں تعلقات قائم رکھے جائیں۔ یہی خیال تھا جس نے امریکہ کے ناجروں کو بھی پریسیڈنٹ ولسن کا مخالف بنا دیا اور ریپبلکن پارٹی نے اسی جماعت کی مدد سے خود امریکہ میں پریسیڈنٹ ووڈرو ولسن کے اقتدار کو ختم کر دیا۔

یورپ کے معاملات سے امریکہ کی علیحدگی کے بعد مجلس اقوام کو چلانے کے مسادمی ذمہ دار سی برطانیہ پر آپڑی، برطانیہ نے اس کام میں فرانس کو اپنا شریک بنالیا۔ ابتداءً سوائے روس کے یورپ اور ایشیا کی قوموں نے اس میں اپنے اپنے نمائندے بھیجے اور کچھ دنوں بعد روس بھی اس مجلس میں لے لیا گیا اور جو لائسنس اس مجلس کے لئے متعین کی گئی تھیں اُن ہی کے ماتحت کام بھی شروع ہو گیا، لیکن، بنیادی مقصد لیگ کا حاصل ہوتا ہوا معلوم نہ ہوا اس لئے کہ جو قومیں اس مجلس میں شامل تھیں خود ان کے دل ابھی تک ایک دوسرے سے صاف نہیں ہوئے تھے اور نہ ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد اگرچہ آپس میں معاہدات ہو چکے تھے لیکن بعض ممالک کو ان معاہدات سے اطمینان نہ ہو سکا تھا۔ جرمنی کو یہ شکایت تھی کہ معاہدہ درساٹی میں اس سے نہایت توہین آمیز سلوک کیا گیا اس کے بہترین اور درخیز ترین علاقے اس سے چھین لئے گئے اس کی نوآبادیات سے اسکو محروم کر دیا گیا، فوجی بھرتی کی ممانعت کر دی گئی اسکی صنعت و تجارت پر پابندیاں عائد کر دی گئیں، اور ان سب پر مستتر اذیہ کہ ہر جانہ کے طور پر ایک خطرہ رقم اسپرڈال دی جس کو ادا کرتے ہوئے وہ اپنی معاشی حالت کو درست نہیں کر سکتا تھا۔

فرانس کو یہ شکایت تھی کہ برطانیہ اور امریکہ نے اُسے راہین لینڈ پر قبضہ نہ کرنے دیا جس کے باعث مستقبل میں جرمنی کے حملے سے محفوظ رہنے کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ اٹلی کو شکایت تھی کہ جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیا سمیت جانی اور مالی نقصان اٹھایا لیکن مال غنیمت میں اتحادیوں نے اُسے وہ حصہ نہیں دیا جس کا وہ حقدار تھا۔

ان شکایتوں کے ساتھ ساتھ خود مجلس اقوام میں پارٹیاں نئی شروع ہو گئیں سیاسی مسائل میں بین الاقوامی نقطہ نظر کے بجائے اپنی پارٹی کا مخصوص زاویہ نظر کام کرنے لگا۔

بعض اہم اور نازک مسائل آپس کی کج بحثی کے نذر ہو گئے، مجلس اقوام ان کے معاملہ میں اپنا دو ٹوک فیصلہ نہ دے سکی۔ سیاست کے بازار میں اس کی ساکھ بگڑ گئی۔ رفتہ رفتہ جرمنی، اٹلی، اور جاپان نے اس سے علیحدہ ہو کر اپنا ایک جتھا بنالیا، اور مجلس اقوام صرف برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کی جماعت رہ گئی۔

باب (۷) ترکی کی حیات نو،

معابدہ "سیورے" کے ذریعہ اتحادی اپنی دانست میں ترکی کو ختم کر چکے تھے۔
مصر، عرب، اور شام و عراق کو ترکی سے علیحدہ کر چکنے کے بعد ترکی کے پاس ایشیا میں
اناطولیہ اور یوروپ میں انبٹول کا صوبہ چھوڑ دیا گیا تھا اور اناطولیہ بھی سارے کا
سارا ترکوں کے قبضہ میں نہیں چھوڑا گیا تھا بلکہ یونان، کروشٹان، اور آرمینیہ کو بھی
اس میں ان کا شریک بنایا گیا تھا، اناطولیہ کا زرخیز ترین علاقہ، سمرنا کا سارا صوبہ
مع بندرگاہ کے برطانوی وزیراعظم مسٹر لاسڈ جارج نے یونان کی اس وفاداری
کے صلے میں جو جنگ عظیم کے دوران اس سے انگریزوں کے حق میں سرزد ہوئی
تھی یونان کو بخش دیا تھا۔

شمالی مشرقی اناطولیہ کا کچھ حصہ آرمینیہ کی عیسائی اقلیت کو دیکر وہاں ان کی
آزاد سلطنت قائم کرادیے کا وعدہ کر لیا تھا اور کردوں کو اس صلہ میں کہ انہوں نے
مومل کا صوبہ حاصل کرنے میں برطانیہ کی مدد کی تھی مشرقی اناطولیہ کی پہاڑیوں کا سلسلہ
عطا کیا گیا تھا۔ اور اس تقسیم کے بعد اناطولیہ کا جو بحر علاقہ بچا وہ ترکوں کے پاس
رہنے دیا گیا۔

اتحادیوں کا خیال تھا کہ جس طرح جرمنی اور آسٹریلے کان دبا کر اتحادیوں کے

فیصلے مان لئے ترکی بھی مان لیگا اور اس کا انہیں شبہ بھی نہیں تھا کہ یہ ”مرد بیمار“ یورپ کے ان پہلوانوں کا حکم ٹال دینے کی جرأت کر سکیگا۔ لیکن ان کی توقعات کے خلاف یورپ کے اس ”مرد بیمار“ ہی نے سب سے پہلے ان کے فیصلے کو چیلنج کیا اور معاہدہ سیوس کو مرتب ہوئے دیر نہ ہوئی تھی کہ اس کے پڑے اس نے فضائے آسمانی میں بکھیر دیے۔

ابتداءً اس نئی ترکی کو سمجھنے میں اتحادیوں کو کچھ دیر لگی وہ اسے چند مقامی ایجنٹوں کا ہنگامہ سمجھے انہوں نے اسے فرد کرنے کے لئے سلطان پر دباؤ ڈالا لیکن جب سلطان اس ہنگامے کو فرد نہ کر سکے تو سٹرلائڈ جانچ نے جو اپنے آپ کو سلطنت عثمانیہ کا واحد مالک سمجھتے تھے ان شورشیں ترکوں کی گوشمالی کا کام یونان کے سپرد کر دیا۔ لیکن یہ لاسٹر جانچ کی غلط فہمی تھی، ترکوں نے زندہ رہے کا تہیہ کر لیا تھا اور اس راہ میں وہ کسی روک کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بالٹویک روس سے قوم پرست ترکوں سے دوستی کر لی، اٹلی ترکی کے معاملے میں اتحادیوں سے لگ ہو گیا اسلئے کہ ان ہی اتحادیوں نے..... اناطولیہ کا علاقہ ایک خفیہ معاہدے کے ذریعہ پہلے اٹلی کو دیا تھا اور اب بجائے اٹلی کے انہوں نے اسے یونان کے حوالے کر دیا، اٹلی کو اتحادیوں کی اس حرکت سے تکلیف پہنچی اور اس نے اس معاملے میں نہ صرف اتحادیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ خفیہ طور پر قوم پرست ترکوں سے دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ فرانس کو اناطولیہ کے جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ جنگ کی وجہ میں مبتلا تھا اور عملاً اس جھگڑے میں دخل نہ دینا چاہتا تھا، لیکن جب قوم پرست ترکوں نے یونانیوں کو شکست پر شکست دیکر اناطولیہ سے مار بھگایا اور پھر سیر پرقبضہ کرنے کے لئے ترکی فوجیں چناق کی طرف بڑھیں تو فرانس کو بڑی پریشانی ہوئی۔ چناق پر انگریزی اور فرانسیسی فوجیں پڑی

ہوئی تھیں اُسے اندیشہ تھا کہ کہیں ترکوں کی ان فوجوں سے مدبیر نہ ہو جائے اگر ایسا ہوا تو ایک اور جنگِ عظیم برپا ہو جائے گی جس میں غالباً روس ترکی کا ساتھ دینگا —
 یہ خطرہ پیدا ہوتے ہی فرانس نے دوڑ دھوپ شروع کر دی، بڑی مشکل سے اس نے انگریزوں کو قوم پرست ترکوں سے صلح کر لینے پر آمادہ کیا۔ اور ترکوں کو یقین دلایا کہ اتحادی خود یونانیوں سے تفرس خالی کر دیں گے اور قسطنطنیہ بھی بہت جلد خالی کر دیں گے۔

یورپ کے اس مرد بیمار کی یہ پہلی شاندار فتح تھی جو اس نے یورپ کے دیومست پہلوانوں پر حاصل کی اور اسی فتح کے بعد پریس کانفرنس کے بانیوں کو یہ احساس ہوا کہ سیورے کا معاہدہ انہیں بدلنا پڑیگا چنانچہ اس نئی ترکی سے گفتگو کرنے کے لئے اتحادیوں نے لوزان میں ایک اور کانفرنس منعقد کی، قوم پرست ترکوں کی طرف سے عصمت پاشا (انوں) اپنے مطالبات منوانے آئے، اتحادیوں نے اس کانفرنس میں بھی سیاسی چالبازیوں سے کام لیا چاہا، لیکن انہیں اپنی ان چالبازیوں میں سخت ناکامی ہوئی اسلئے کہ قوم پرست ترکوں کا محبوب رہنما مصطفیٰ کمال (اتاترک) جس طرح میدانِ جنگ کا مرد تھا اسی طرح سیاسی داؤں گھاتوں کا بھی استاد تھا، اس نے برطانیہ اور فرانس کی ساری چالبازیاں نارعبت کی طرح توڑ کر رکھ دیں اور اس کانفرنس سے وہ سب کچھ منوالیا جو قوم پرست ترک چاہتے تھے۔

لوزان کے معاہدہ کے بعد آرمینیہ کی عیسائی اقلیت ترکی سے غائب کر دی گئی کہ دوں کا درجہ برطانیہ کی شہ پر بہت بڑھ گیا تھا بالکل توڑ دیا گیا اور ترک صحیح معنوں میں اپنی قومی سرحدوں کے اندر آزاد ہو گئے۔

جدید ترکی سرحدوں کے متعلق کمال اتاترک کا نظریہ یہ تھا کہ ”وہ سرزمین جو صدیوں سے ترکوں کا وطن ہے جدید ترکی سمجھی جائے گی ترک نہ اس سرزمین کی ایک انچ زمین کسی کو دیں گے اور نہ ایک انچ زمین کسی کی لیں گے۔“

جدید ترکی کے متعلق کمال اتاترک کی اس پالیسی کے اعلان کے بعد، مغرب شام اور عراق کا مسئلہ خود بہ خود طے ہو گیا اور ان ممالک کو جنہوں نے جنگ عظیم کے دوران میں ترکوں کے ساتھ غدارسی کی تھی حوادث کا مقابلہ کرنے اور خود ہی اتحادیوں سے جھگٹ لینے کے لئے تنہا چھوڑ دیا گیا۔

ترکی کو آزاد کرانے کے بعد کمال اتاترک نے ایک سرے سے اُس کی کاپاپلیٹ کردی، شخصی حکومت ترکی سے رخصت ہوئی اور اس حکومت کے ساتھ دہائی سلاشیوں اور خوشامخیزوں کا قافلہ بھی لڑ گیا جو سلطنت عثمانیہ کو گھن کی طرح کھا چکا تھا، طرز حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ترکوں کے طرز معاشرت میں تبدیلی کی گئی۔ جہالت اور مذہب کے نام پر توہم پرستی کو منک بدر کیا گیا، ملک کی صنعت و تجارت کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا گیا، قدرتی پیداوار سے استفادہ کرنے کے وسائل بہم پہنچائے گئے، ترقی یافتہ علوم و فنون کو عام کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ترکی جمہوریہ کو صفِ اول کی یورپین طاقتوں کے دوش بدوش لا بٹھایا۔

سلطنت عثمانیہ کو یورپین اقوام مردہ ہمارے نام سے یاد کیا کرتے تھے اور یہ واقعہ ہے کہ ایک مدت سے یہ سلطنت بھی تنزل پذیر۔ اُن بہت سے اسباب میں جو سلطنت عثمانیہ کو اندر سے کھوکھلا کر رہے تھے کمال اتاترک کے نزدیک صرف کمزوریاں ایسی تھیں جو بالآخر سلطنت عثمانیہ کی شکست کے باعث ثابت ہوئیں ایک یہ کہ ترکی پر بعض یورپین اقوام کے مہایت گراں سودی قرض کا بار تھا، جو

دم آخر تک اس کے سینہ پر رکھا رہا۔ دوسرے خلافت کا خیالی مسغب تھا جس نے ہمیشہ ترکوں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھا اور انہیں اپنی قومی تنظیم نہ کرنے دی۔

یورپین اقوام کے گراں سودی قرضوں کا اثر یہ تھا کہ ترکی کی خارجہ پالیسی آزاد نہیں رہی تھی، جن اقوام نے اسے قرض دے رکھا تھا انہیں ترکی میں غیر معمولی اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور ترکی میں بیچ کر خود ترکوں کے خلاف سازشیں کرنے اور ترکی حکومت کو کمزور رکھنے کا موقع مل گیا تھا اور خلافت اسے ترکوں کو یہ نقصان پہنچا تھا کہ اس خیالی مسغب کو اپنے سے وابستہ رکھنے کے خاطر ترکوں نے اپنی انفرادیت کو گم کر دیا تھا اور جن ملکوں کو اس مسغب کے ساتھ اپنی حفاظت میں لے لیا تھا وہ اس قدر ترکی کے مزاح سے مختلف واقع ہوئے تھے کہ ترکی کیلئے انہیں ساتھ رکھ کر اپنی اصلاح، تنظیم یا کسی قسم کی سیاسی اور تمدنی ترقی کر لینا ناممکن ہو گیا تھا۔

کمال اتاترک نے اپنی تعمیر کردہ ترکی کو نہایت احتیاط کے ساتھ ان ”کمزوریوں“ سے محفوظ رکھا۔ ترکوں کے دماغی زادیوں کو درست کیا ان کی نظروں کو شاندار ماضی کے بجائے درخشاں مستقبل کی طرف پھیر دیا۔ گرے ہوئے حوصلوں کو ابھارا اور ان میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دی۔

ترکی جمہوریہ کی قومی پالیسی انتہائی مائل اندیشی پر مبنی ہے اسکی بنیاد کمال اتاترک کے اس اعلان پر رکھی گئی ہے کہ ”ترک نہ اپنی ایک انچ زمین کسی کو دیں گے اور نہ کسی کی ایک انچ زمین لیں گے“

اس پالیسی کے ماتحت ترکی جمہوریہ کو یورپ یا ایشیاء میں کسی سے کوئی پرخاش نہیں رہی اور نہ کسی حکومت کو ترکی سے کسی قسم کی شکایت کا کوئی موقع حاصل ہو سکا۔ چنانچہ دولِ یورپ پر ترکی کی اس پالیسی کا یہ اثر پڑا کہ ترکوں کے آئندہ عزائم کے

متعلق اُن کے سارے شہادت رافع ہو گئے اور انہوں نے ترکی کو اطمینان دسکون کے ساتھ اپنی اصلاح اور تنظیم کے لئے اکیلا چھوڑ دیا۔

ترکی جمہوریہ نے اپنی اس حکمت عملی سے نہ صرف اپنے دوستوں کو خوش اور مطمئن رکھا بلکہ اپنے سخت ترین دشمنوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔

روس اور ترکی میں صدیوں سے لڑائی چلی آتی تھی لیکن ترکی جمہوریہ اور سوویٹ روس میں پکی دوستی تھی، یونان اور ترکی کی جنگ کل ہی کی بات تھی ابھی وہ زخم بھی اچھی طرح مندمل نہ ہوئے تھے جو یونان کے ہاتھوں ترکی کو پہنچے تھے لیکن ترکی جمہوریہ اس حادثہ کو بھول چکی تھی، ترکی اور یونان میں کامل اتحاد تھا جنگ عظیم میں عرب اور شام کی غدارسی کے باعث ترکی کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی اور خود اسکی جان کے لئے پروگئے تھے لیکن ترکی جمہوریہ اُنھیں بھی معاف کر چکی تھی اور اپنے معاملات کو سمجھانے کیلئے اُنہیں آزاد چھوڑ دیا تھا۔

بلغقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہمیشہ یورپ کی کسی نہ کسی بڑی طاقت کے زیر اثر چلی آتی تھیں، ترکی جمہوریہ نے ایک بلغقان ہلاک کی طرح دہلی، مقصد یہ تھا کہ ریاستہائے بلغقان ایک رشتہ میں منسلک ہو کر اپنے مفاد کی خود ہی حفاظت کریں اسی طرح مشرقی ریاستوں، عراق، ایران، افغانستان کی لڑی تیار کی کہ خطرے کے وقت یہ سب ایک ہو کر اسکا مقابلہ کر سکیں

برطانیہ سے البتہ ترکی جمہوریہ کو شکایت تھی کہ اس نے ۱۹۱۵ء میں مسلح ہوجانے کے بعد اس کے صوبہ موصل پر قبضہ کیا تھا، ترکی اپنے اس صوبے سے دستبردار نہیں ہوا اور نہ اب تک اس نے موصل پر برطانیہ کا قبضہ تسلیم کیا، لیکن اپنی معیت پالیسی کے باعث وہ اس مسئلہ کو تلوار کے زور سے طے کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوا

خارجی معاملات میں ترکی جمہوریہ کی روش قطعاً آزاد ہے دنیا کی کسی بڑی چھوٹی قوت کی مصالحت اندیشیوں کا اس پر مطلق اثر نہیں ہے، دوسری حکومتوں سے معاہدات صلح و جنگ کا ترکی کے پاس صرف ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ ایسے معاہدات ترکی کی معینہ پالیسی کے ماتحت ترکی جمہوریہ کو تقویت پہنچائیں اور ترکوں میں عزت نفس اور خود اعتمادی پیدا کر دیں۔ محض قدیم روایات کے ماتحت بعض قوموں سے دوستی اور بعضوں سے دشمنی رکھنے کا تخیل ترکوں کے دماغوں سے نکل چکا ہے اور وہ جذبات کے بجائے عقل سلیم سے کام لینے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اپنے قومی مفاد کی خاطر وہ اپنے قدیم دوستوں سے معاہدہ مودت کرنے میں تامل نہیں کرتے اور اگر اپنے قدیم دوستوں سے انہیں اپنے وجود کے لئے خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ ان سے تن جانے میں بھی مطلق پس پیش سے کام نہیں لیتے۔

غرض یہ ترکی ہے جو معاہدہ سیورے کو اناطولیہ کے میدان میں دفن کر کے صفحہ ہستی پر نمودار ہوئی، زبردستی اس نے اپنے لئے یورپین قوتوں کی صفِ اول میں جگہ بنائی اور جو قوتیں اپنے آپ کو یورپ اور ایشیا کی قسموں کا مالک سمجھا کرتی تھیں انہیں اپنے دماغی زادیوں کو درست کرنے پر مجبور کر دیا۔

باب (۸)

ہندوستان اور مشرقِ قریب میں بیچینی

مصر پر یوں تو مدت سے کسی نہ کسی بہانے برطانیہ کا فوجی قبضہ چلا آتا تھا لیکن مصر کا برائے نام رشتہ بہر حال سلطنتِ ترکی سے قائم تھا۔ یہ رشتہ بھی ۱۸۸۱ء میں ترکی کی طرف سے برطانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ کے بعد ٹوٹ گیا اور برطانیہ نے مصر کو اپنا مقبوضہ بنا لیا، قوم پرست مصریوں میں برطانیہ کے اس غاصبانہ قبضہ کے خلاف سخت بیچینی پیدا ہوئی اور استقلالِ مصر کے نام سے ایک سیاسی تحریک برطانیہ کے خلاف زور پکڑ گئی، جنگ کے دوران میں اس تحریک کے باعث انگریزوں کو کافی پریشانی اٹھانی پڑی لیکن مصر کا فوجی قبضہ چونکہ ان کے مشرقی مقبوضات کو قابو میں رکھنے کے لئے ضروری تھا اسلئے مصر پر اپنی گرفت انہوں نے ڈھیلی ہینس کی البتہ جنگِ عظیم کے بعد ان کی غنیمت کی تقسیم کے وقت مصر جب برطانوی انتداب میں شامل کر دیا گیا تو حکومتِ برطانیہ نے مصر کے انتہا پسندوں کو راہنی کرنے کے لئے مصر سے ایک معاہدہ کیا جس میں مصر کو آزاد سلطنت قرار دیا لیکن مصر میں برطانوی ذرائعِ رسل و رسائل کی نگرانی بالواسطہ یا بلاواسطہ غیر ملکی حملوں سے مصر کی مدافعت، مصر کے برطانوی رزیدنٹ اور مصر کی اقلیتوں کی حفاظت اور سوڈان کے مسئلہ کو بالکل اپنے ہاتھ میں رکھا۔ ان پابندیوں کیساتھ ”آزاد سلطنت“ کا اعلان چونکہ محض بے معنی ہو گیا تھا اسلئے انتہا پسند اس سے مطمئن ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھے اور انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے مصر اور سوڈان میں برطانیہ کی مخالفت شروع کر دی، جگہ جگہ بلوے اور فساد ہوئے۔ سوڈان

کا گورنر سرلی اسٹاک“ اور کچھ انگریز بھی مارے گئے، برطانیہ نے ان حادثوں کو ذبح بنا کر مصر کے قوم پرستوں کے خلاف شدید کارروائیاں کیں لیکن آزادی کی تحریک مصر میں جڑ پکڑ چکی تھی اور عوام میں اپنے سیاسی حقوق کے متعلق بیداری پیدا ہو گئی تھی اسلئے برطانیہ اس انتہا پسند عنصر کو ملک میں بے اثر بنانے کے لئے بار بار حکومت مصر سے نئے معاہدات کرنے پر مجبور ہوتی رہی لیکن اب تک کوئی معاہدہ ایسا نہ ہوا جو مصر کے انتہا پسند کو مطمئن کر سکتا۔

عربوں سے ۱۹۱۶ء میں حکومت برطانیہ نے ایک معاہدہ کر لیا تھا جس میں انہوں نے عربوں کو یقین دلایا تھا کہ اگر وہ ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں اور انگریزی فوجوں کے ساتھ مل کر سارا جریرہ مناعوب ترکوں سے خالی کرالیں تو اس علاقہ میں آزاد عرب سلطنت قائم کر دی جائے گی۔ عرب بہت دنوں سے اپنی آزاد سلطنت کا خواب دیکھ رہے تھے برطانیہ کے اس وعدہ میں انہیں اپنے خواب کی بغیر نظر آئی، اور انہوں نے بے تکلف ترکوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اس وقت عرب میں دو با اثر سردار تھے ایک عبدالعزیز ابن سعود دوسرا شریف حسین۔ عبدالعزیز نجد میں اپنا اثر بڑھا رہا تھا اور شریف حسین حجاز میں، انگریزوں نے یہ معاہدہ شریف حسین ہی سے کیا تھا اور لاکھوں پاؤنڈ اور برطانوی ہتھیاروں سے اسکی مدد کی تھی، چنانچہ شریفی فوجیں شریف حسین کے لڑنے کی فصل کی سرکردگی اور برطانوی جاسوس کرنل لارنس کی رہنمائی میں ترکوں کو دبا دی ہوئی شام تک پہنچ گئیں اور شام کے پایہ تخت دمشق کو فتح کر لیا شریف حسین کیساتھ برطانیہ نے ابن سعود کو بھی پانچ ہزار پاؤنڈ ماہوار وظیفہ دیکر اپنی طرف کر لیا تھا، اس سے برطانیہ کو یہ کام لینا منظور تھا کہ نجد میں ترکوں اور جرمنوں کی چالوں کو کامیاب نہ ہونے دے۔ ابن سعود برطانوی روپے، اور

انگریز مشیروں کی مدد سے نہ صرف نجدی ترکوں اور جہرمیوں کے اثر کو دور کرتا رہا بلکہ نجد اور اطراف کے بہت بڑے علاقہ پر قابض اور ایک بڑی طاقت کا مالک بن گیا۔

برطانیہ نے جنگ میں عربوں سے مدد لینے کے لئے عرب آزاد سلطنت کا وعدہ کر لیا تھا لیکن عربوں سے معاہدہ کرنے سے پہلے وہ اس معاہدے کے متعلق فرانس اور روس سے ایک خفیہ معاہدہ (سائیکس پائیکس) کر چکی تھی جسکی رد سے برطانیہ اور فرانس نے فلسطین اور شام کے علاقے آپس میں تقسیم کر لئے تھے اور روس کو اناطولیہ کے شمالی مشرقی علاقے بخش دیئے تھے، اسی کیساتھ اعلان بالفور کے ذریعہ برطانیہ نے فلسطین کو وطن یہود بنادینے کی اپنے سرزمنداری لے لی تھی چنانچہ جب عرب فوجوں نے شام فتح کر لیا تو یہ عقیدہ کھلا کہ برطانیہ نے عربوں سے سامے جزیرہ نما عرب کے متعلق جو وعدہ کر لیا ہے وہ پورا نہیں کیا جاسکتا اس انکشاف سے عربوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی لیکن اب غم و غصہ بے فائدہ تھا، پیرس میں صلح کانفرنس شروع ہو چکی تھی، شریف حسین کے لڑکے فیصل نے اس کانفرنس میں عرب ممالک کی نمائندگی کی، لیکن اس کانفرنس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی کانفرنس نے بیروت کو علیحدہ کے شام میں سرسرائس کے زیر سایہ ایک عرب ریاست قائم کرنے کی منظوری دی، فلسطین کو برطانیہ کے سپرد کر دیا اور عراق کو برطانوی انتداب میں دیدیا لیکن کانفرنس کا یہ فیصلہ بھی بہت جلد ٹوٹ گیا۔ شام میں فیصل کی حکومت قائم ہوئے چھ مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ شام کے دروزی قبائل نے علم آزادی بلند کر دیا اور شام کی حکومت نے اس تحریک کو وجہ بنا کر فیصل کو شام سے نکال باہر کیا۔

فیصل نے شام سے نکل کر پھر برطانیہ سے امداد مانگی، برطانیہ فیصل کی منہن احسان تھی اس نے فیصل کو عراق کا تخت پیش کر دیا اور فیصل کے بھائی عبداللہ کے لئے شام اور عراق کی سرحد پر مشرق اردن کے علاقے میں ایک ریاست قائم کر دی۔ عراق میں

اس وقت خود تحریک آزادی کا زور تھا اور عراقی انگریزوں کو اپنے علاقے پر قابض دیکھ کر اپنا خون پانی ایک کئے دے رہے تھے، برطانیہ کے لئے، اس فیصلے میں خود اپنی بخت کی بھی ایک صورت نکل آئی اور عربوں کی ان شکستوں کا سامان بھی ہو گیا۔

لیکن شریف حسین اب بھی مطمئن نہ تھا وہ برطانیہ سے معاہدہ کے مطابق سارے عرب کی آزادی کا اعلان چاہتا تھا، اسپرٹو یہ ہوا کہ برطانیہ نے عرب کی ایک مشہور بندرگاہ عقبہ پر بھی اپنا فوجی قبضہ قائم کر لیا، شریف حسین کے صبر کا پالہ برطانیہ کی اس آخری حرکت سے چھلک پڑا اور برطانیہ اور شریف حسین کے تعلقات بگڑنے شروع ہو گئے۔

شام میں دروزی تحریک آزادی کا زور تھا، فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کی کشمکش نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی، عراق میں آشوریوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا اور ان سب ہنگاموں کو شریف حسین کے طرز عمل سے تقویت پہنچ رہی تھی۔ برطانیہ نے شریف حسین کا زور توڑنے کے لئے ابن سعود کی طرف ہاتھ بڑھایا، ابن سعود اب سلطان نجد و ملحقات ہو چکے تھے۔ اور ان کا علاقہ براہِ بڑھتا چلا جا رہا تھا شریف حسین کو ابن سعود کی اس جارحانہ پالیسی سے تنہایت پیدا ہو ہی چکی تھی نجد و حجاز کی سرحد پر ایک چھوٹے سے علاقہ (حزامہ) کے لئے ابن سعود اور شریف حسین میں لڑائی چھڑ گئی اور چند ہی دنوں میں ابن سعود نے شریف حسین کو حجاز سے نکال باہر کیا۔ برطانیہ کو چونکہ جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی ابن سعود کی فتح کا یقین ہو چکا تھا اسلئے اس نے ابن سعود سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے برطانیہ نے اُسے نجد و حجاز کا بادشاہ تسلیم کر لیا اور ابن سعود نے برطانیہ کو شام اور فلسطین میں آزادی دیدی

عراق اور شرقِ اردن کی سرحدوں سے ملی ہوئی کچھ زمین سے درست برداری کر لی اور عقبہ کی بندرگاہ پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کر لیا اور شریف حسین کی شکست کے بعد اس معاہدے کی تکمیل ہو گئی۔

اس طرح شریف حسین اور برطانیہ میں جن مسائل پر بحث ہو گئی تھی برطانیہ نے ابنِ سعود سے ان کی صفائی کر لی اور عرب کے اہم مقامات اپنے قبضہ میں لیکر باقی حصہ پر ابنِ سعود کو مختار بنا دیا۔

عرب میں برطانیہ کی ان شاطرانہ چالوں سے بظاہر سکون ہو گیا، لیکن شام اور فلسطین میں براہِ بے چینی باقی رہی اور شام کی طرح الجزائر اور黎凡 میں بھی تحریک آزادی زور پکڑ گئی جس کو دبائے گئے لئے فلسطین میں برطانیہ کو شام اور الجزائر میں سمرانس کو اور黎凡 میں فرانس اور اسپین کو انتہائی تشدد سے کام لینا پڑا۔ مشرقِ قریب کے علاوہ ہندوستان میں بھی سخت بے چینی اور حکومتِ برطانیہ کے خلاف بے اطمینانی کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ پہلی جنگِ عظیم میں ہندوستانیوں نے برطانیہ کا ساتھ دیا تھا اور ہندوستانیوں کی اس مدد کے عوض برطانیہ نے ہندوستان کو جدید اصلاحات دینے کا وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن ۱۹۱۹ء میں حکومتِ برطانیہ نے جن اصلاحات کا خاکہ ہندوستان کے آگے رکھا وہ ہندوستانیوں کی توقعات سے بہت ہی کم درجہ کا تھا، انتہا پسندوں نے اسے ٹھکرا دیا اور برطانیہ کے خلاف ہندوستانی محاذ کو مضبوط کرنے کے لئے اپنی تحریک ”ستیاگرہ“ میں اور زیادہ شدت پیدا کر دی۔ ہندوستان کے مسلمان ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے برطانیہ کی اعلان کردہ جدید اصلاحات سے ناخوش تھے ہی کہ مشرقِ قریب کے اسلامی ممالک کے خلاف حکومتِ برطانیہ نے حضورِ صلی اللہ علیہ وسلم کی اختیار کردہ کبھی تھی اس سے

وہ بالکل بے قابو ہو گئے اور انہوں نے اپنا سارا زور ہندوستان کے انتہا پسندوں کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف صرف کر دیا۔ مملکت میں انتہائی انتشار پیدا ہو گیا مملکت کا معمولی قانون اس انتشار کو دور کرنے میں ناکام ثابت ہوا، نئے نئے وقتی قانون بنائے گئے، مارشل لارڈ کیا گیا اور انتہائی شدت کیساتھ مملکت کے انتہا پسندوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ان استبدادی تدابیر کے باوجود ہندوستان میں سیاسی بیداری کے ساتھ حکومت کے خلاف بے اطمینانی برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔

باب ۹

کمیونزم، فیشلزم اور ناستی ازم

جنگ کے اثرات بالبعد نے کافی عرصہ تک یورپ کے نظام سیاسی کو غیر متوازن رکھا، اس دور انتشار میں مختلف حریف قوتیں ابھریں اور آپس میں ملگرتی رہیں، مختلف تحریکیں اُٹھیں اور ملک کی بے اطمینانی اور بے چینی کو ہوا دیتی رہیں۔

ان تحریکوں میں مزدوروں کی ”کمیونسٹ“ تحریک کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوئی اور وہ روس میں جو ”کمیونزم“ کا اصلی مرکز تھا، انقلاب پیدا کرنے اور بالآخر حکومت پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو گئی۔ کمیونزم کی اس کامیابی سے یورپ کے جمہوریت پسند ممالک کو ایک نئی قسم کی تشویش میں مبتلا ہونا پڑا، اسلئے ان کو ”کمیونزم“ کو نہ صرف اُن کے اقتصادی سلامت سے بنیادی اختلاف تھا بلکہ وہ ان کے قدیم اور صدیوں کے صیقل شدہ سماجی نظام کا بھی دشمن تھا۔

ابتداءً جمہوریت پسندوں کا خیال تھا کہ روس کا کمیونسٹ انقلاب محض عارضی اور وقتی ثابت ہو گا۔ ایک جوابی انقلاب جس کی طرح روس میں بڑھ چکی تھی۔ اسکو ہمیشہ

۱۔ کمیونزم کی ایک شاخ ”سوشلزم“ کہلاتی ہے، سوشلزم اور کمیونزم عقیدے میں بالکل ایک ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ سوشلزم قابلیت اور کام کی مقدار کے لحاظ سے معاوضہ کی تقیم پر مصر ہے اور کمیونزم قابلیت اور کام کی مقدار کے بجائے انسانی ضروریات کے تحت اجروں کی تقیم چاہتا ہے۔ (مورف)

۲۔ بالٹوئیک روس نے جب ”برسٹ لٹوڈسک“ میں ہرمنوں سے علیحدہ صلح کر لی (باقی صفحہ پر)

کے لئے ختم کر دیگا جس کے بعد یورپ میں اس نئے اور سچان انگیز نظام حکومت کے اثرات پر غور کرنے کی ضرورت نہ ہوگی لیکن جمہوریوں کا یہ خیال غلط نکلا ، کیونکہ اس نظام حکومت نہ صرف اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کے باوجود دروس میں کامیاب رہا بلکہ کیونکہ ہم ایک نئے معاشی نظام اور ہمہ گیر سیاسی مسلک کی حیثیت سے یورپ کے دوسرے ممالک میں بھی وبا کی طرح پھیلنے لگا۔

یہ صورت حال مستقبل میں خطرناک نتائج کی حامل تھی جس کو جمہوریتیں خود اپنے وجود کی حفاظت کی خاطر نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں۔ لیکن اس نوبت پر ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ یورپ کے ان ممالک ہر جو اس جنگ میں اوروں سے زیادہ

(نقصاً) تو برطانیہ، فرانس اور امریکا اس سے بچن ہو گئے اس لئے کہ روس اس وقت تک انکا حلیف تھا اور اسے دشمن سے اس قدر بڑے علیحدہ مصالحت کو لینے کا کوئی حق نہ تھا چنانچہ روس کی طرف سے اس بد معاہدگی کے بعد ۲۶ مئی ۱۹۱۹ء کو اتحادیوں نے شاہ پرست روسیوں کے لیڈر ایڈمرل کو کچک سے یہ معاہدہ کر لیا کہ اتحادی بالٹک س کے مقابلے میں انہیں اسلحہ اور سامان رسد سے مدد دینگے اس وعدے کیساتھ برطانیہ اور فرانس نے اپنی کچھ فوجیں بھی پولینڈ اور باکو کے روسی علاقے میں بھیج دی تھیں اور جاپان کو بھی مشرق بعید میں سرخ روس پر باد ڈالنے کا اشارہ کر دیا تھا، لیکن ایڈمرل کو کچک کو بالٹک روس کے مقابلے میں کامیابی نہیں ہوئی اور جاپان کو مشرق بعید میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا البتہ پولینڈ کی فوج مارشل یلوڈسکی کی سرکردگی اور فرانسیسی جنرل دیگن کی مدد سے مغربی اتحاد پر بالٹک روس کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہو گئی اور روس کو آزاد پولینڈ سے صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ برطانیہ اور فرانس نے اس ایک ہی محاذ کی کامیابی کو غنیمت جانا اور چونکہ اس کامیابی کے بعد یہ روپ میں سوشلزم کو قدم بڑھانے سے روک دیا گیا تھا اس لئے برطانوی اور فرانسیسی فوجیں روس کے دوسرے محاذوں کو واپس بلالی گئیں اور روس کو اسکی اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔ (مولف)

پامال ہوئے تھے اپنی قومی ذلت اور بربادی کا شدید احساس پیدا ہونے لگا۔ ان کی غیرت قومی بیدار ہو گئی اور اپنی قومی اور وطنی محبت کا جذبہ ان میں پوری شدت اور قوت کے ساتھ متحرک نظر آنے لگا۔

یہ جذبہ چونکہ بذاتِ خود ”کیونززم“ کے عقیدے کا حریف تھا، بے تکلف کیونززم سے ٹکرا گیا اور اس طرح ایک مرتبہ پھر یورپ کے قدیم سماجی نظام کی محافظ جمہوریتیں خود کیونززم کے مقابل ہونے کی زحمت سے بچ گئیں۔

اگرچہ ”کیونززم“ ایک ”نئے اور منصفانہ“ نظامِ معاشی کی حیثیت سے یورپ کے مزدوروں اور پست طبقوں میں جنگِ عظیم سے پہلے ہی اپنی جگہ بنا چکا تھا اور جمہوریت پسند ممالک کی سیاست میں ایک نئی سیاسی پارٹی کے روپ میں یہ نمود پا چکا تھا، لیکن اس ملک کو تقویتِ روسی انقلاب کے بعد ہی حاصل ہوئی، اور سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کا زور جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد ہی بندھنا شروع ہوا۔

خصوصاً اٹلی اور جرمنی میں اس تحریک کو بڑا اچھا میدان ہاتھ آ گیا، جرمنی جو روس کا ہمساہ ملک تھا، جنگِ عظیم میں اپنی شکست کے بعد، سیاسی اور معاشی حیثیت سے پامال، معاہدہ ورسائی میں جکڑا ہوا، انتہائی بے بسی کے عالم میں پڑا تھا، اور اٹلی اگرچہ جنگِ عظیم میں اتحادیوں کے ساتھ تھا اور فتنہ منکوں میں سمجھا جاتا تھا لیکن جنگ کے اثرات بالبعد سے نہایت خستہ اور بے جان تھا، اسکی تجارت اور صنعت و حرفت تباہ ہو چکی تھی اور ملک میں کھانے پینے کی چیزیں تک کا کال پڑنے لگا تھا۔ ان سب پرستزادیہ کہ اطاویوں کے دل میں یہ احساس جڑ پکڑ گیا تھا کہ جنگ میں سب زیادہ تباہی اُن کے حصہ میں آئی اور مالِ غنیمت دوسروں کے حصہ میں آیا۔

وہ بالکل بے قابو ہو گئے اور انہوں نے اپنا سارا زور ہندوستان کے انتہا پسندوں کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف صرف کر دیا۔ مُلک میں انتہائی انتشار پیدا ہو گیا ملک کا معمولی قانون اس انتشار کو دور کرنے میں ناکام ثابت ہوا، نئے نئے وقتی قانون بنائے گئے، مارشل لا نافذ کیا گیا اور انتہائی شدت کیساتھ ملک کے انتہا پسندوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن ان استبدادی تدابیر کے باوجود ہندوستان میں سیاسی بیداری کے ساتھ حکومت کے خلاف بے اطمینانی برابر بڑھتی ہی چلی گئی۔

باب ۹

کمیونزم، فیشلزم اور ناستی ازم

جنگ کے اثرات بالبعد نے کافی عرصہ تک یورپ کے نظام سیاسی کو غیر متوازن رکھا، اس دور انتشار میں مختلف حریف قوتیں ابھریں اور آپس میں لڑتی رہیں، مختلف تحریکیں اُٹھیں اور ملک کی بے اطمینانی اور بھینسی کو ہوا دیتی رہیں۔ ان تحریکوں میں مزدوروں کی ”کمیونسٹ“ تحریک کو سب سے زیادہ قوت حاصل ہوئی اور وہ دس دس میں جو ”کمیونزم“ کا اصلی مرکز تھا، انقلاب پیدا کرنے اور بالآخر حکومت پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو گئی۔ کمیونزم کی اس کامیابی سے یورپ کے جمہوریت پسند ممالک کو ایک نئی قسم کی تشویش میں مبتلا ہونا پڑا، اسلئے ان کو ”کمیونزم“ کو نہ صرف اُن کے اقتصادی سلامت سے بنیادی اختلاف تھا بلکہ وہ ان کے قدیم اور صدیوں کے صیقل شدہ سماجی نظام کا بھی دشمن تھا۔

ابتداءً جمہوریت پسندوں کا خیال تھا کہ روس کا کمیونسٹ انقلاب محض عارضی اور وقتی ثابت ہو گا۔ ایک جوابی انقلاب جس کی طرح روس میں پڑ چکی تھی۔ اسکو ہمیشہ

۱۔ کمیونزم کی ایک شاخ ”سوشلزم“ کہلاتی ہے، سوشلزم اور کمیونزم عقیدے میں بالکل ایک ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ سوشلزم قابلیت اور کام کی مقدار کے لحاظ سے معاوضہ کی تقیم پر مصر ہے اور کمیونزم قابلیت اور کام کی مقدار کے بجائے انسانی ضروریات کے تحت اجروں کی تقیم چاہتا ہے۔ (مؤلف)

۲۔ بالٹوئیک روس نے جب ”برسٹ لٹوؤسک“ میں ہرمنوں سے علیحدہ صلح کر لی (باقی صفحہ پر)

یہ دریافت کر لیا کہ کمیونزم کی تحریک قطعاً غیر فطری ہے اور اس میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ انسانی فطرت سے وطنی محبت کے جذبہ کو خارج کر سکے یا قومی فتنہ دیوں کے خوشگوار نظیر کو مٹا سکے۔

اس نئی دریافت نے خود اس کے جذبہ حب وطنی کو پوری قوت سے ابھار دیا وہ سوشلزم سے تائب ہو کر جنگ میں شریک ہوا اور جنگ سے واپس آکر اس نے سوشلزم کے مقابلے میں فاشستی تحریک شروع کی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ملک کو وطن پرستی کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔

— اٹلی کی طرح جرمنی میں بھی ایک قومی تحریک نے کمیونزم کا راستہ کاٹا، جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد جب قیصر اور اس کا خاندان جرمنی سے فرار ہو گیا تو جرمنی کے سوشل ڈموکریٹس اور کمیونسٹوں میں ملک کے اقتدار کے لئے ایک شدید ٹکڑ ہوئی جس میں سوشل ڈموکریٹس کامیاب رہے۔ لیکن اس ناکامی کے بعد بھی کمیونسٹوں کا زور بدستور جرمنی میں قائم رہا، جمہوری اصولوں پر جب جرمنی کے لئے ویمر دستور بنا اور اس دستور کے ماتحت جرمنی کے منتخب شدہ نمائندوں نے حکومت سنبھالی تو کمیونسٹوں نے نہایت شدت کیا تھ اس جمہوری حکومت کا مقابلہ کیا، جبکہ جگہ ہڑتالیں کیں اور بوہریا کے پورے صوبے پر قابض ہو بیٹھے۔ جرمنی کی دہلیس جمہوریہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھی، دول یورپ سے اُس کے خارجی تعلقات ابھی استوار نہیں ہوئے تھے، کمیونسٹوں کی طرف وہ پوری توجہ نہ دے سکی۔

اسی زمانہ میں میونخ کے ایک شراب خانہ میں ایک چھوٹی سی مزدور پارٹی قائم ہوئی "ڈیکلر" اس پارٹی کا لیڈر تھا، ابتداءً اس پارٹی کا کوئی مرتبہ لائحہ عمل نہ تھا۔ اور نہ خود میونخ میں اس کا کوئی اثر تھا، سال بھر بعد اس پارٹی میں جان

پڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔ ڈیکٹر کو ہٹا کر اس پارٹی کا ایک ادرمبر اڈولف ہٹلر پارٹی کا لیڈر بنا، اٹلی میں اس وقت فحشت پارٹی کا شباب تھا، ہٹلر نے اس تحریک کا بغور مطالعہ کیا اور ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء کو اس نے اپنی پارٹی کا نام بدل کر ”نیشنل سوشلسٹ پارٹی“ رکھا اور پچیس اصولوں پر مشتمل ایک لائحہ عمل ملک کے آگے پیش کر دیا۔

جرمن درساؤ کے ذلت آمیز معاہدے سے بہت متاثر تھے، جنگ عظیم کے دوران میں اور جنگ کے خاتمہ کے بعد یہودیوں اور کمیونسٹوں نے سازشوں کے ذریعہ ان کے ملک کو جو نقصان پہنچایا اور برا بھنچا رہے تھے اسکا انہیں بہت صدمہ تھا اور معاہدے کے بعد فرانس کی آسے دن کی سختیوں اور زیادتیوں نے ان میں شدید غم و غصہ پیدا کر دیا تھا، ہٹلر نے اپنی پارٹی کے لائحہ عمل میں انہی شکایتوں کا تدارک پیش کیا عوام اس کی پارٹی کی طرف متوجہ ہونے لگے اور رفتہ رفتہ اس کی پارٹی کی قوت بڑھنے لگی۔ ۱۹۲۲ء میں اس نے اپنی پارٹی کے لائحہ عمل کو تقویت پہنچانے کے لئے ”اسٹام ٹرڈپس“ کے نام سے ایک والیٹر کور بنائی، اس کور کی تربیت کے بعد نیشنل سوشلسٹ اور کمیونسٹوں میں باتا علاہ جھڑپیں ہونے لگیں۔ جرمنی کے سرمایہ دار ہٹلر کے مددگار ہو گئے اسلئے کمیونسٹوں نے ان کی تجارت کو تباہ کر رکھا تھا، سرمایہ داروں کے علاوہ جرمنی کے بعض فوجی اور سول عہدہ دار بھی اس پارٹی میں خفیہ دلچسپی لینے لگے۔

۱۹۲۳ء میں جرمنی کے مشہور فوجی لیڈر لڈنارف کو اس پارٹی سے ہمدردی ہو گئی، ہٹلر نے اس ہمدردی سے فائدہ اٹھایا اور اپنے ”اسٹام ٹرڈپس“ کی مدد سے میونخ پر چڑھا لی گر دی لیکن اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔

ویلر جمہوریہ نے اس کے والیٹروں کو منتشر کر دیا اور خود اسے جیل میں بھر دیا۔ ۱۹۲۵ء میں یہ جیل سے باہر آیا نے سرے سے اپنی پارٹی کی تنظیم کی۔ انتخابات میں ہر جگہ کمیونسٹوں

بیچا دکھایا۔ اور ۱۹۳۳ء تک اس نے جرمنی میں ایسی فیضا پیدا کر دی کہ صدر جمہوریہ جرمنی اُسے اپنا چانسلر بنانے پر مجبور ہو گیا۔ ۱۹۳۵ء میں ریشاخ میں آگ لگی یا کٹائی گئی اور اسی کو بہانہ بنا کر اس نے جرمنی کے سارے کمیونسٹوں کو گھیر لیا اور ان کی رہی سہی طاقت کو بھی فنا کر دیا۔

اس طرح یورپ کے ایک اور محاذ پر جو کمیونسٹوں کا سب سے بڑا اور طاقتور محاذ تھا، کمیونزم کو شکستِ فاش ہوئی اور وہ صرف روسی سرحدوں میں پناہ لیے پر مجبور ہو گیا۔

اٹلی اور جرمنی کی طرح کمیونسٹوں نے فرانس اور اسپین میں بھی اپنا ایک ہلاک بنا لیا تھا لیکن خالص سوشلسٹ حکومت قائم کرنے میں روس کے انہیں اور کہیں کامیابی نہ ہوئی۔ انتہا یہ ہے کہ وہ ان نئی ریاستوں کو بھی اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ جو معاہدات صلح کے بعد روس کے پڑوس میں قائم ہو گئی تھیں۔ پولینڈ، چکوسلاویا اور رومانیہ کی ریاستیں جو بالکل سویت روس کے متصل واقع ہیں، حیرت انگیز طور پر کمیونسٹ پروپیگنڈے سے مامون رہیں اسی طرح فنلینڈ، استونی، لٹویا اور لٹویا کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بھی کمیونزم کے قدم نہ جم سکے، کمیونزم کی اس ناکامی کے متعلق عام طور پر کمیونسٹ لیڈروں نے یہ عذر کیلئے کہ یہ ریاستیں کسی نہ کسی حیثیت سے سرمایہ دار ملکوں کے زیر اثر ہیں اور سرمایہ دار ممالک اپنے مفاد کی خاطر انہیں کمیونزم سے دور رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ عذر درست نہیں ہو سکتا۔ اگر فی الحقیقت کمیونزم کو روس میں کامیابی ہوئی ہوتی اور وہاں کے کسان اور سپت طبقے کے لوگ اپنے نظامِ حکومت کی اس تبدیلی سے خوش اور مطمئن ہوتے تو ان پڑوسی ریاستوں میں سرمایہ دار ممالک اس اثر کو بڑھنے سے ہرگز نہ روک سکتے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے

کہ روسی انقلاب سے صرف روسی مزدوروں کو فائدہ اور سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو گیا۔ لیکن زراعت پیشہ طبقہ پر جو پیمائش لٹیس اور حطرح انکی انفرادیت کو مٹا کر انہیں ڈھونڈ نگوں کی صف میں گھرا کر دیا گیا ان سے روس کی ہمایہ ریاستیں چورس کی سادہ سی زراعتی ریاستیں ہیں بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔ اور اسی کے ساتھ ان نئی ریاستوں کے دستور میں چونکہ زراعت پیشہ طبقہ کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا، ان کی انفرادیت کو قائم کرنا تسلیم کیا گیا اور مملکت کے انتظام میں انہیں اور طبقوں کے ساتھ برابر کا حصہ دیا گیا اسلئے ان ریاستوں میں سویٹ روس کی ہمایہ ہونے کے باوجود کمیونزم کا جماؤ نہ ہو سکا۔

بہر حال وجہ چاہے کچھ بھی ہو، پہلی جنگ عظیم کے بعد، کمیونزم کی بین الاقوامی تحریک کو قدیم سرمایہ داری کے علاوہ یورپ کی دوجہ دید قومی تحریکوں فیشنزم اور ناستی ایزم سے مقابل ہونا پڑا جس کے باعث یورپ میں سیاسی اقتدار اور فوقیت کے لئے کشمکش کا ایک نیا اور پیمانی دور شروع ہو گیا۔

باب

فیشنزم اور ناستی ازم کی کامیابی اسباب

فیشنزم اور ناستی ازم کی تحریکیں جن حالات کے ماتحت عالم وجود میں آئیں اول تو ان کا اقتضاء ہی یہ تھا کہ وہ کامیاب ہونیں دوسرے ان کی حمایت میں قسطنطنیہ کے ساتھ کچھ اسباب بھی ایسے پیدا ہوتے چلے گئے جن سے ان تحریکوں کو غیر معمولی تقویت پہنچ گئی، اور وہ حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یورپ کی سیاست پر چھا گئیں۔ اس کامیابی کے بعد وہ محض سیاسی تحریکوں کی حیثیت سے کسی خاص ملک کی سرحدوں میں بند نہیں رہیں بلکہ ”کیونززم“ کی طرح انہیں بھی ایک ہمہ گیر سیاسی عقیدے کا درجہ حاصل ہو گیا اور یورپ اور ایشیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کا اثر محسوس ہونے لگا۔

فیشنزم کو اٹلی میں اور ناستی ازم کو جرمنی میں جن اسباب کے ماتحت قدم جمائے کا موقع مل گیا ان میں سب سے اہم اور سب سے پہلا سبب تو یہ تھا کہ اٹلی اور جرمنی دونوں یورپ کے قدیم نظام سرمایہ داری کے بالکل جدید اور نو آموز رکن تھے ان کی سرمایہ داری کو شکل سے نصف صدی گزری تھی، ابھی یہ سرمایہ دارانہ داؤں گھاٹوں سے بھی اچھی طرح واقف نہ ہوئے تھے اور نہ صحیح معنوں میں ان کی سرمایہ داری کو استقلال نصیب ہوا تھا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

اگر جرمنی نے یہ جنگ شروع ہی اسلئے کی تھی کہ یورپ کے قدیم سرمایہ داروں کے

اس اجارے کو توڑ ڈالے جو انہوں نے دنیا کی تجارت اور سیاسی حیثیت سے
پست ممالک کی خام پیداوار پر مدت سے کر رکھا تھا اور دنیا میں اُن کے مقابل اپنی
سرمایہ دارانہ حیثیت کو مستحکم کر لے اور خود اٹلی بھی اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں اسلئے شامل
ہوا تھا کہ اپنی نوازائیدہ سرمایہ داری کو تقویت پہنچائے اور ان قومی آرزوؤں اور تئناؤں
کی تکمیل کی صورت نکالے جو مدت سے اس کے دل و دماغ میں پرورش پا رہی تھیں۔
لیکن جنگ خلاف توقع طویل کھینچ گئی۔ اور ان ممالک کا سارا اندوختہ اس
نذر ہو گیا۔ اٹلی کہنے کو تختہ ربا لیکن جنگ کے خاتمہ کے بعد اسکی حالت ایک شکست خوردہ
ملک سے زیادہ خستہ تھی۔ اور جرمنی جسے اس جنگ میں شکست فاش ہوئی تھی بالکل
تباہ و برباد ہو چکا تھا۔

اس سیاسی انتشار اور معاشی ادبار کو جو جنگ کے بعد اٹلی اور جرمنی میں پیدا
ہو گیا تھا نظام سرمایہ داری کی مفکر کردہ جمہوری اصولوں کے ماتحت دور کرنا ناممکن تھا۔
ایسے غیر معمولی حالات کے مقابلہ کے لئے کوئی شدید زود اثر اور غیر معمولی تحریک ہی ہو سکتی
تھی جو ملک کی گرتی ہوئی عمارت کو روک پتی اور اہل ملک کے پست حوصلوں کو ابھار دیتی
— فیض نرم اور ناتمی زم میں جو دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں
یہ صلاحیت بدرجہ اولیٰ موجود تھی انہیں پوری کامیابی حاصل ہوئی اور اٹلی اور
جرمنی جس انگاپورا پورا تسلط ہو گیا۔

دوسرا اہم سبب جس نے فیض نرم اور ناتمی ازم کو تقویت پہنچائی، وہ
ان دونوں ممالک کے ساتھ فرانس اور برطانیہ کا طرز عمل تھا، اٹلی کو جنگ میں اپنے ساتھ شامل
مکرتے وقت برطانیہ اور فرانس نے اٹلی کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ اٹلی کو اسٹریا میں سو
مڑول، ٹرینٹو اور ڈیراسٹی دیا جائے گا اور ڈامبیٹ پر اس کا حق تسلیم کیا جائیگا

بحیرہ ایجین میں جزیرے دیئے جائیں گے، اناطولیہ کا ایک ساحلی صوبہ دیاجائیگا، اور جرمی کی نوآبادیات میں حصہ دیا جائے گا لیکن بریس کانفرنس میں دالمیٹہ کا علاقہ سرویا کے حوالے کر دیا گیا۔ بحیرہ ایجین کے کچھ جزیرے یونان کو دیدئے گئے اور اناطولیہ کا ساحلی صوبہ بھی یونان کو بخش دیا گیا اور ان سب پر مستزاد یہ کہ جرمی کی نوآبادیات کو فرانس، برطانیہ اور برطانیہ کے مقبوضات آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور نیوز لینڈ نے آپس میں تقسیم کر لئے اور غریب اٹلی کی اس تقسیم کے وقت بات بھی نہ پوچھی! اگرچہ اٹلی نے ٹرینٹو اور ٹراسٹی کے ساتھ ہنگری کی ایک اہم بندرگاہ ”قوم“ پر بطور خود قبضہ کر لیا لیکن محض ایک بندرگاہ تو جرمی کی نوآبادیات کا بدلہ نہ بن سکتی۔

اٹلی کو یقین ہو گیا کہ اس کانفرنس کے بانی فرانس، برطانیہ اور امریکہ تینوں نے مل کر اس کے ساتھ دغا کی اور جو وعدے انہوں نے اس سے کر لئے تھے جنگ کے خاتمہ کے بعد اسے کمزور دیکھ کر وہ ان سے صاف پھر گئے۔ اگرچہ برطانیہ اور فرانس نے اپنے اس طرز عمل کے متعلق اٹلی کا اطمینان کر دینا چاہا لیکن وہ اپنی پوزیشن اٹلی کے آگے صاف نہ کر سکے، اٹلی کے دیلمس فرانس اور برطانیہ کی یہ حرکت گھر کر گئی اس ان دونوں پر اعتماد کرنے کا تو سوال ہی کہاں باقی تھا اس کے دیلمس ان دونوں کو زک پہنچانے کا خیال بیٹھ گیا۔ اور اسی کے زیر اثر ”فیشرم“ کا اثر ملک میں سرعت کیساتھ بڑھ گیا، اوفیشزم کا ہر قدم اٹلی کو برطانیہ اور فرانس کے اثر سے آزاد کرانا چلا گیا۔

جرمی کے ساتھ اتحادیوں خصوصاً فرانس کا طرز عمل اس سے بھی زیادہ سخت اور مزین آمیز تھا۔ معاہدہ ورسائی کے ذریعہ جرمی کو بالکل بے دست و پا کر چکنے کے باوجود فرانس کا اطمینان نہیں ہوا، اُسے امریکہ اور برطانیہ سے یہ شکایت تھی کہ ان دونوں نے بل کر اُسے راہن لینڈ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ اول تو راہن لینڈ جو

جرمنی کا زرخیز ترین صوبہ ہے فرانس کے لئے بہت نفع بخش ثابت ہوتا۔ دوسرے
 راہیں لینڈ تک اپنی سرحد بڑھا کر ہمتیہ کے لئے فرانس جرمنی کی دوبارہ فوج کشی کے
 دھڑکے سے محفوظ ہو جاتا۔ اس صوبہ کے عوض امریکہ اور برطانیہ نے فرانس کو یہ متحدہ
 طمانیت بھی دی کہ اگر جرمنی دوبارہ فرانس پر حملہ آور ہوگا تو برطانیہ اور امریکہ
 اسکی مدد کریں گے لیکن متحدہ طمانیت کے اس معاہدے کی وقعت ایک ردی کاغذ سے
 زیادہ وزنی نہیں تھی۔ امریکہ یورپ کے معاملات سے بے دخل ہو چکا تھا اور
 اپنے پریسڈنٹ کے اس معاہدہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکا تھا۔ اور امریکہ کو اس
 طرح الگ ہونا دیکھ کر برطانیہ نے بھی اس طمانیت والے معاہدے سے اپنا دامن
 چھڑا لیا تھا۔ فرانس نے اپنے ساتھیوں کی جب یہ روش دیکھی تو راہین لینڈ کے
 قضیہ کو خود ہی سلجھانے کا تہیہ کر لیا۔ معاہدہ دوسائی کی رو سے جرمنی پر تاوان جنگ
 ڈالنے کی بھی تجویز ہوئی تھی، فرانس کی صدارت میں تاوان جنگ مقرر کر نیوالی کمیٹی
 کا اجلاس ہوا، اگرچہ کمیٹی کی رائے تھی کہ جرمنی دو ارب پونڈ سے زیادہ تاوان جنگ
 ادا نہیں کر سکتا لیکن فرانس کے اصرار سے یہ تاوان جنگ چھ ارب ساٹھ کروڑ
 پونڈ قرار پایا اور فرانس کے صدر نے اس رقم کی پہلی قسط کا جرمنی سے فوراً مطالبہ
 کر دیا۔ اور جب جرمنی یہ رقم ادا نہ کر سکے تو فرانس کے صدر پونٹکارے کی ہدایت
 کے بموجب فرانسیسی فوجیں راہین لینڈ میں داخل ہو گئیں اور تاوان ادا نہ کرنا اس
 علاقہ پر قبضہ رکھنے کا اعلان کر دیا۔ فرانس کی یہ کارروائی حاد درجہ غیر آال اندیشانہ
 تھی۔ اس سے نہ صرف جرمنوں کی دل آزاری ہوئی بلکہ جرمنی کی معاشی حالت
 کو جو پہلے ہی سقیم تھی ناقابل برداشت صدمہ پہنچا۔

اس واقعہ کے بعد دراصل جرمنوں کو عام طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ ولیم
 جمہوریہ نہایت بے اثر اور کمزور حکومت ہے یہ نہ جرمنی کو ہمایہ سلطنتوں کی تاحث

بچا سکتی ہے ورنہ دہل یورپ پر اثر ڈال کر ملک کی معاشیات کو مستحکم بنا سکتی ہے۔

اگرچہ راہین لینڈ پر فرانس کا قبضہ زیادہ دنوں نہ رہا، برطانیہ نے بیچ بچاؤ کر کے ایک امریکی ماہر اقتصادیات کی مدد سے جرمنی پر دوجی تاوان جنگ عائد کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنوا دی، فرانس کو کبھی روہر سے فوجی قبضہ اٹھالینے پر آمادہ کر لیا، اور ۱۹۲۵ء میں معاہدہ "لوکارنو" کے ذریعہ جرمنی کی اشک ثنوی بھی کر دی۔ اور اُسے مجلس اقوام کا ممبر بھی منتخب کر لیا۔

لیکن راہین لینڈ پر فرانس کے قبضہ کر لینے کا داغ جرمنوں کے دل سے کسی طرح نہ مٹ سکا خصوصاً نوجوان جرمن اپنی اس قومی ذلت کے تصور سے بہت متاثر تھے اور دیر جمہوریہ کی روادارانہ پالیسی پر سے اُن کا اعتقاد اٹھتا چلا جا رہا تھا۔

جرمنوں کے اس جو شیلے طبقہ کو جرمنی کی نئی سیاسی پارٹی "نیشنل سوشلسٹ" نے اپنی آغوش میں لے لیا اور اپنے ہنگامہ خیز لائحہ عمل سے اُن کے نوجو دماغوں میں بھل چا دی اور یہ نوجوان جو ورسائی کے ذلت آمیز معاہدے سے پہلے ہی سلگ رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح معاہدہ ورسائی کی ذلت دھو دیں۔ اور صحیح معنوں میں اپنے حاکم کو آزاد اور ہر حیثیت سے طاقتور دیکھیں، انکمیں بند کر کے نیشنل سوشلسٹ پارٹی

۱۵۔ برطانیہ کی کوششوں سے ۱۶ نومبر ۱۹۲۵ء کو جرمنی، فرانس، اور بلجیم کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ یہ تینوں ممالک اپنی اپنی موجودہ سرحدات کا احترام کریں گے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے پرہیز کریں گے، جرمنی نے اس معاہدہ کے ذریعہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ راہین لینڈ پر قطع بندی نہ کرے گا۔ اور اٹلی اور برطانیہ نے یہ ضمانت کی تھی ان تینوں میں سے جو ملک دوسرے ملک کی سرحد پر حملہ کرے گا اٹلی اور برطانیہ متحدہ طور پر اس کے خلاف فوجی کارروائی کریں گے، یعنی اگر فرانس جرمنی کی سرحد پار کرے گا تو برطانیہ اور اٹلی جرمنوں کے ساتھ مل کر فرانس سے لڑیں گے (باقی مضمون)

کے ساتھ ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ پارٹی اس قدر مضبوط ہو گئی کہ دیر جمہوریہ کو اسکے لئے جگہ خالی کر دینی پڑی۔

ناتسی ازم کی کامیابی کا ایک اور سبب یہ تھا کہ اس پارٹی کو جرمن سرمایہ داروں کے علاوہ خود برطانوی اور امریکن سرمایہ داروں کی حمایت بھی حاصل ہو گئی۔ ان سرمایہ داروں کا یہ خیال تھا کہ اس پارٹی کی مدد کر کے وہ یورپ میں کمیونزم کا زور توڑ سکتے ہیں، اور اپنے کاروبار کو کمیونزم کے حلوں سے بچا سکتے ہیں، گویا ان سرمایہ داروں نے اپنی طرف سے اس پارٹی کو روسی سرحدوں پر منتزعی مقرر کیا تھا۔ اور اس کے سپرد خدمت یہ کی تھی کہ یورپ میں کمیونزم کو بٹھسنے سے روکے۔ اس خدمت کے عوض ان سرمایہ داروں نے نیشنل سوشلسٹ پارٹی کو روپیہ بھی دیا اور اسلحہ بھی دیے اور یہ پارٹی اس امداد کی بدولت آسانی سے اپنے اخراجات بھی پورے کرتی رہی اور برابر اپنی طاقت بھی بڑھاتی گئی۔

اس پارٹی کی اصلی طاقت اس کے والٹیر (اسٹار ٹرڈپس) تھے ان کی تنظیم بالکل فوجی اصولوں پر کی گئی تھی مگر انہیں فوجی ڈسپلن کا سختی سے عادی بنایا گیا تھا، ابتداءً یہ محض ایک والٹیر گورنمنٹ لیکن برطانیہ اور امریکہ کے سرمایہ داروں کی خفیہ امداد سے یہ بہت جلد ایک مسلح فوج بن گئی جس نے نہ صرف جرمنی کی کمیونسٹ پارٹی سمیت سب سیاسی پارٹیوں کا زور توڑ دیا بلکہ خود دیر جمہوریہ کے لئے بھی اس کا مقابلہ کرنا ممکن ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰) اور اگر جرمنی نے فرانس کی سرحد پار کی تو یہ دونوں فرانس کے ساتھ جرمنی کا مقابلہ کریں گے۔ (مؤلف)

لیکن اٹلی میں فاشسٹ اور جرمنی میں نازسٹ (نیشنل سوشلسٹ) پارٹی کے اس تسلط کے بعد یورپ کی جمہوریوں کے لئے ایک نئی اُلجھن پیدا ہو گئی، انہیں اب یہ طے کرنا تھا کہ یورپ کی ان تہی پارٹیوں کے ساتھ ان کی پالیسی کیا ہوگی، آیا وہ اُنکی مخالفت کریں گی یا حمایت۔ جہاں تک کمیونزم کے خلاف ان پارٹیوں کے لاکھ عمل کا تعلق تھا یورپ کی جمہوریتیں ان کی حمایت پر مجبور تھیں اسلئے کہ وہ خود بھی کمیونزم کو یورپ کے لئے ایک لعنت سمجھتی تھیں لیکن ان پارٹیوں کے ان عزائم کی وہ تائید نہیں کر سکتی تھیں جنہیں سامنے رکھ کر انکی تعلیم کی جارہی تھی۔ اسلئے کہ ان عزائم کی زبردہ راست جمہوریتوں پر پڑتی تھی اور انجمیر جمہوریتوں سے ملکر اُنکی تکمیل ناممکن تھی۔

اس طرح فیشنزم اور نازسٹ ازم سے جہاں جمہوریتوں کو یہ اطمینان ہو گیا کہ کمیونزم کے لئے یورپ میں قدم جمائے کا موقع نہیں رہا دیں یہ دھڑکا بھی لگ گیا کہیں کہیں یہ جدید پارٹیاں اپنے قومی عزائم کی تکمیل میں خود ان کے خلاف صف آراء ہو جائیں ان متضاد نظریات کے باعث یورپ کی جمہوریتوں کو اپنی سیاسی حکمت عملی میں اس طرح کا لونچ پیدا کرنا پڑا کہ یہ پارٹیاں جمہوریتوں کو اپنا دوست سمجھیں، اور بدستور کمیونزم کے خلاف صف آراء بھی رہیں اور اُن کے قومی عزائم کی زد سے بھی یورپ کی جمہوریتیں محفوظ رہیں۔

جمہوریتوں کی اس دورِ حلی حکمت عملی سے یورپ میں سیاست کی بنیادیں ہل گئیں اور وہ اصدل کمزور ہو گئے جن پر پہلی جنگِ عظیم کے بعد پیرس کانفرنس نے یورپ میں جدید جمہوری نظام تعمیر کیا تھا۔

باب

مجلس اقوام کی ناکامی کا راز

کسی تکھیلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاہداتِ صلح کے وقت یورپ کے نئے جمہوری نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے پریسڈنٹ وڈروولسن کی رائے سے ایک مجلس اقوام بھی قائم کی گئی تھی اور سلطنتوں کے جھگڑوں کو چکالنے کا کام اس کے سپرد کیا گیا تھا، چنانچہ ۱۹۲۱ء میں اپنے معینہ مقاصد کے ماتحت یہ مجلس بھی قائم کر دی گئی لیکن اس غریب کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی، پہلے اجلاس کے بعد پریسڈنٹ وڈروولسن کی پالیسی کو امریکہ والوں نے ناپسند کیا، پریسڈنٹ ولسن کا اقتدار ختم ہو گیا، اور سما کے ساتھ امریکہ نے مجلس اقوام میں شرکت کرنے یا یورپ میں معاملات میں دخل دینے سے انکار کر دیا اگرچہ امریکہ کی علیحدگی کے بعد بھی مجلس اقوام بدستور برقرار اور بظاہر اپنے معینہ پروگرام پر چلنے کی کوشش کرتی رہی لیکن ان کوششوں میں کبھی کسی قسم کی سرگرمی دکھائی نہیں دی اور نہ اس مجلس کے ممبروں میں وہ اتحاد خیال نظر آیا جس کے ماتحت اس مجلس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

مجلس اقوام کا سب سے پہلا مقصد تو یہ تھا کہ بعض اوقات معمولی سے معمولی اختلافات کی بنیاد پر دو سلطنتوں میں جس انداز سے لڑائی مٹن جاتی ہے اُسے آئندہ کے لئے روکا جائے۔ اور چند ایسے ٹھوس اصول بنائے جائیں جن کی پیروی میں معمولی سے

معمولی اور بڑے سے بڑے اختلافات بھی بغیر لڑے بھڑے دور ہو سکیں۔ ۱۹۲۷ء میں
سٹر آر تھر ہینڈرسن برطانیہ کے وزیر خدجہ نے ایسے چار اصول وضع کئے جنہیں قبول کر کے
یورپین قومیں آئندہ جنگ کو ناممکن بنا سکتی تھیں۔

پہلا اصول ثالث کے فیصلہ کا تھا، آر تھر ہینڈرسن کی تجویز یہ تھی کہ سلطنتوں
کے ہر قسم کے جھگڑے میں الا قوامی عدالت میں پیش ہونے چاہئیں اور اس عدالت کا بھی
فیصلہ قطعی سمجھا جانا چاہئے، دوسرا اصول یہ تھا کہ اگر کوئی سلطنت اپنے اختلافات میں لاوا
عدالت میں پیش نہ کرے اور بطور خود انہیں تلوار کے زور سے سلجھانے کی کوشش کرے
تو وہ سلطنت ”باغی“ سمجھی جائے گی۔ تیسرا اصول یہ تھا کہ ایسی ”باغی“ سلطنت
کے خلاف مجلس کے سارے ممبر متحد ہو جائیں پہلے اس باغی سلطنت کا معاشی مقابلہ
کریں اور اگر وہ اس پر بھی نہ مانے تو اس کے خلاف سب ممکن فوجی کارروائی کریں
اور چوتھا اصول یہ تھا کہ باغی سلطنت کے خلاف مجلس کے جملہ ممبروں کی متفقہ کارروائی
اسی وقت جائز سمجھی جائے گی جب تخفیف اسلحہ کی کانفرنس میں متفقہ بندی کی ایک
مناسب حد مقرر ہو جائے اور وہ سلطنت جس پر کسی باغی سلطنت نے حملہ کیا ہو تخفیف
اسلحہ کی کانفرنس کے فیصلے کو تسلیم کر چکی ہو۔

یہ چوتھا اصول ہی دراصل بنیادی اصول تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ یورپین
اقوام میں تخفیف اسلحہ کے خیال کو مقبول بنایا جائے اس لئے کہ اسلحہ کی زیادتی ہی
سارے شرف و فساد کی بنیاد بن کر رہی ہے جب اس میں مناسب کمی ہو جائے گی تو شرف
فساد کا خیال خود بخود جاتا رہے گا۔ لیکن اگر اس کے باوجود کوئی قوم یا سلطنت،
تشرارت پر آمادہ ہو جائے اور اپنی ہمسایہ سلطنت کو چھیڑنے لگے تو مجلس کے سارے
ممبر متحد ہو کر اسکی گوشمالی کریں، تاکہ شیطنت کا خیال جو بکرنے سے پہلے ہی فنا ہو جائے
اور یورپ کا امن بحال رہے۔ ان اصولوں کی معقولیت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا؟

چنانچہ مجلس اقوام کے تقریباً سارے ممبران پر متحد ہو گئے اور امید بندھ گئی کہ بالآخر مستقبل میں جنگ کا احتمال دور ہو گیا لیکن عین اسوقت ایک عجیب اور حیرت انگیز واقفیت پیش آیا۔ خود برطانیہ نے ان اصولوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کے وزیر خارجہ آر تھر نیڈرسن نے یہ اصول بنائے تھے!

واقعہ یہ ہوا کہ ۱۹۲۴ء کے آخر میں برطانیہ کی مزدور وزارت کو شکست ہو گئی، مزدور وزارت کے ساتھ اس کے وزیر خارجہ آر تھر منڈرسن بھی محضت ہوئے، اقامت پسند وزارت برطانیہ میں قائم ہو گئی اور اس وزارت میں سراسن جمبر لین نے وزیر خارجہ مقرر ہوئے جنہوں نے اپنے پیش رو آر تھر منڈرسن کے مجوزہ اصولوں کو ماننے سے قطعاً انکار کر دیا۔ اس انکار کے ساتھ تحقیق اسلحہ کی کانفرنس کا کام بھی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا اور مجلس اقوام پھر وہیں کی وہیں آ گئی جہاں سے آر تھر منڈرسن نے اسے دو قدم آگے بڑھا دیا تھا۔

سراسن نے اپنے زمانہ وزارت میں آر تھر منڈرسن کے اصولوں کو ماننے سے انکار کرنے کے علاوہ بھی ایک کام کیا اور یہ معاہدہ ”لوکارنو“ تھا، مجلس اقوام سے علیحدہ یورپ کی پانچ قوتوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا، اس میں جرمنی، فرانس اور بلجیم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گی اور برطانیہ اور اٹلی نے یہ ضمانت کی تھی کہ جو قوت اس معاہدہ کو توڑے گی یہ دونوں اس کے خلاف فوجی کارروائی کریں گے۔

یہ معاہدہ اگرچہ فرانس اور جرمنی کے جھگڑے کو چکانے کے لئے کیا گیا تھا اور اسلئے کیا گیا تھا کہ جرمنی کو یہ یقین دلایا جائے کہ فرانس راہنہ لپڈ غیر قلعہ بند علاقہ پر دوبارہ چڑھائی نہ کرے گا لیکن اصولاً یہ معاہدہ غلط تھا اسلئے کہ جب مجلس اقوام

خود اسی قسم کے جھگڑوں کو فیصل کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی تو اس قضیہ کو بھی اسکے رد و برہ پیش ہونا چاہئے تھا اس مجلس سے علیحدہ بطور خود آپس میں اس قضیہ کو نمٹانے کا تو صرف ایک ہی مفہوم ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ مجلس اقوام محض بے معنی چیز تھی اور خود مجلس کے ممبروں کو اپر اعتماد نہ تھا۔

بہر حال مجلس اقوام کے قیام کے بعد اس کے معینہ اصولوں کے خلاف یورپین طاقتوں کے درمیان یہ پہلا جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ تھا اسی لئے مجلس اقوام کے مقاصد پر یہ پہلی ضرب کاری تھی جس سے مجلس اقوام ڈگمگا گئی اور اس کا توازن بگڑ گیا۔

۱۹۲۶ء میں برطانیہ کی کوششوں سے جرمنی بھی مجلس اقوام کا ممبر بنا لیا گیا اور ۱۹۲۸ء میں مجلس اقوام نے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا ایک عام معاہدہ ”نبریاں کیلوگ پیکٹ“ کے نام سے پیش کیا، یہ گویا اس غلطی کا کفارہ تھا۔ جو معاہدہ لوکارنو کے سلسلہ میں بعض ممبران سے سرزد ہوئی تھی لیکن اس معاہدہ میں یہ ذکر نہیں تھا کہ اگر کوئی ممبر سپر دستخط کرنے کے بعد بھی جنگ کرے تو اس کو کیا سزا دی جائے گی اور نہ اس معاہدے کے ساتھ تخفیف اسلحہ کی کوئی اسکیم وابستہ تھی بہر حال یہ ایک چلتا ہوا معاہدہ تھا جس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔

۱۹۲۹ء میں البتہ مجلس اقوام میں دوبارہ جان پڑتی ہوئی سلام ہوئی، برطانیہ میں پھر مزدہ وزارت بنی اور سٹراٹھم مینڈرسن دوبارہ وزیر خارجہ کے عہدے پر مامور ہوئے۔ تخفیف اسلحہ اور ثالثی فیصلہ کے وہ اصول تازہ کے لگے جو ۱۹۲۴ء میں انہوں نے وضع کئے تھے اور ایک دفعہ پھر صحیح معنوں میں جنگ کے احتمال سے مہذب دنیا کو نجات دلانے کی کوششیں شروع ہوئیں، تخفیف اسلحہ کے سلسلہ میں اٹلی، فرانس اور امریکہ نے

چند مھوس تجا دیز مجلس اقوام کے آگے پیش کیں اور طے پایا کہ فروری ۱۹۳۲ء میں باقاعدہ تخفیف اسلحہ کی کانفرنس شروع ہو جائے۔

لیکن ۱۹۳۲ء کے پہلے چند اہم اور ناخوشگوار واقعات ظہور میں آ گئے، عالمگیر معاشی کساد بازاری کا اثر انگلستان پر بھی پڑا، وہاں ہیکارڈز کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ گئی، مزدور حکومت اسکا علاج نہ کر سکی اسلئے ٹوٹ گئی اور مزدور وزارت کے ساتھ آرٹھر ہنڈرسن بھی گئے، مزدور وزارت کی جگہ برطانیہ میں منشیل حکومت قائم ہو گئی اور سر جان سائمن نے وزیر خارجہ کا عہدہ سنبھال لیا۔

۱۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو بغیر کسی وجہ کے چین کے ایک زر خیز صوبے منچوریا پر حملہ کر دیا، چین اور جاپان دونوں مجلس اقوام کے میرٹھے چین نے جاپان کی اس زیادتی کی مجلس اقوام سے باقاعدہ شکایت کی، معاملہ اہم تھا، مجلس اقوام کی ذمہ داری بڑی تھی، یہ پہلی جنگ تھی جو معاہدہ صلح کے بعد ہوئی تھی اور اس اعتبار سے یہ پہلا مقدمہ تھا جسے مجلس اقوام کے مجوزہ اختیارات کے ماتحت فیصلہ ہونا تھا۔

مجلس اقوام کے تقریباً سارے ممبرم نوٹسے کہ جاپان کو اس حرکت کی سزا دینی چاہیے، فوراً مجلس اقوام کا جلسہ طلب ہوا جلسہ میں صرف برطانیہ کی رہنمائی کا انتظار تھا بالآخر برطانیہ کی طرف سے سر جان سائمن نے بھی رائے ظاہر کر دی یہ رائے کیا تھی؟ جاپانی نمائندے سٹرسڈو کانے سر جان سائمن کی تقریر سن کر کہا تھا۔

”سر جان سائمن نے صرف آدھ گھنٹے کے اندر چند فصیح جملوں میں دہ

بات کہدی جو میں کاہل دس دن سے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں

آپ لوگوں سے کہنے کی کوشش کر رہا تھا،“ (انٹرنیشنل فیئر ۱۹۳۳ء صفحہ ۲۵۲)

برطانیہ کی طرف سے مجلس اقوام پر ایک اور کاری ضرب پڑی، پہلی ہی کڑی آزمائش میں وہ ناکام رہی جاپان کو چین میں آزادی کا پروانہ مل گیا، جنگ کے خلاف جو ملکا سا حصار تھے برسوں میں تیار ہوا تھا وہ پامال ہو گیا۔

مجلس اقوام اگرچہ اس کے بعد بھی قائم رہی لیکن اب اسکا وجود برائے نام تھا فردری ۱۹۳۲ء میں تحفیف اسلحہ کی کانفرنس ہوئی لیکن محض بے نتیجہ، بجائے اس کے کہ اس کانفرنس میں آلات جنگ کو کم کرنے پر بحث ہوتی جرمنی کے اس نئے مطالبہ پر بحث رہی کہ اُسے بھی اردوں کے سادی ہتھیار ہند ہونے کی اجازت ملنی چاہئے۔ جرمنی کا یہ مطالبہ مناسب ہو یا نہ ہو ”باموقع“ ضرور تھا اس سے مجلس اقوام کے اندر تحفیف اسلحہ کے سلسلہ میں جو گوگلو کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اسکا خاتمہ ہو گیا اور اس کے ساتھ خود تحفیف اسلحہ کا خیال بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو گیا۔

مجلس اقوام کے سلسلہ میں برطانیہ کی پالیسی میں یہ نقصان محض اسلئے پیدا ہو گیا تھا کہ برطانوی سیاست داں ذاتی طور پر دگر دہوں میں بٹے ہوئے تھے ان میں سے ایک گروہ پوری طرح مجلس اقوام پر تکیہ کئے ہوئے تھا اور چاہتا تھا کہ مجلس اقوام کے ذریعہ امن پسند ممالک کا ایک متحدہ محاذ قائم کر کے دنیا میں اُسندہ جنگ کو ناممکن بنا دیا جائے لیکن یہ گروہ بہت مختصر سا تھا، اس کے برخلاف دوسرے گروہ کو مجلس اقوام پر چنداں اعتماد نہ تھا وہ سلطنتِ برطانیہ کی سلامتی کے لئے اسکی بحری طاقت کو برقرار رکھنا اور پورے عالم کے معاملات سے حتی الامکان اپنا دامن بچانا ضروری سمجھتا تھا اور اسی گروہ کی برطانوی سیاست میں اکثریت تھی اس آخرا لڈکر گروہ سے ناتنی لازم کو بڑی تعزیت پہنچی اور یہ گروہ خود بھی جرمنی اور اس کے عزائم سے دلچسپی لینے لگا۔

ناتسی ازم کی طرف اس گروہ کے مائل ہونے کا پہلا سبب تو یہ تھا کہ ان کے نزدیک کمیونزم کے خلاف ناتسی ازم بہترین آلہ کار تھا وہ اسے مضبوط بنا کر اپنی تجارت و صنعت و حرفت کو کمیونزم کے متوقع حملے سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ فرانس اور فرانسسوں سے اس گروہ کو کوئی دلچسپی نہیں تھی اور فرانس نے معاہدات صلح کے بعد جرمنی کے خلاف جو طرز عمل جائز رکھا تھا اُسے یہ گروہ قطعاً پسند نہ کرتا تھا اسی نا پسندیدگی کے باعث جرمنی کے نقصانات پر افسوس کرنا اور اسکے عزائم سے ہمدردی کرنا اس گروہ کا فیشن ہو گیا تھا۔

برطانوی سیاست دانوں کے نقطہ نظر کا یہی اختلاف تھا جو مجلس اقوام کے معاملات میں برطانیہ کی پالیسی میں نشیب و فراز پیدا کرتا اور خود مجلس اقوام کے اثر و قار کو پامال کرتا رہا۔

لیکن برطانوی سیاست دانوں کا یہ اختلاف سلطنت برطانیہ کے لئے بہت مہنگا رہا، مجلس اقوام کو بے اثر بنانے میں جب قدر زیادہ برطانیہ کے مصلحت اندیش "سیاست دانوں نے حصہ لیا تھا، اسی قدر زیادہ برطانیہ کو آگے چل کر شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اصل میں "ناتسی" برطانوی رائے عامہ کی اس کمزوری کو بھانپ گئے تھے کہ کمیونزم سے بہت خائف ہے انہوں نے نہایت احتیاط کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کے آگے یہ اوٹ قائم رکھی اور اس اوٹ کے پیچھے وہ نہایت تیزی سے اپنی قومی تنظیم میں مصروف ہو گئے۔ ناتسی پارٹی کا لیڈر اڈولف ہٹلر ۱۹۳۳ء میں برسرِ اقتدار آیا اور برسرِ اقتدار آتے ہی پہلی بات اس نے یہ کہ جرمنی میں جبری بھرتی کا قانون منظور کر ڈالا اور ایک زبردست ہوائی بیڑے کی تعمیر میں مصروف ہو گیا۔ یہ

معادہ و رسائی کی صریح خلاف ورزی تھی، اس معاہدے کی رو سے جرمنی نہ جبری بھرتی کا قانون منظور کر سکتا تھا، نہ ہوائی جہازوں کا بیڑا تعمیر کر سکتا تھا چنانچہ ہٹلر کی اس خلاف معاہدگی پر اعصاب کیا گیا۔ مجلس اقوام کمزور ہو چکی تھی مگر بہر حال اسکا وجود ابھی باقی تھا اسکے ذریعہ ہٹلر سے باز پرس ہوئی ہٹلر نے اس باز پرس کے جواب میں اُس مجلس اقوام پر یہ الزام لگایا کہ اس مجلس نے آج تک ”ہتھیار بندی میں مساوات“ دے کر جرمن مطالبہ پر غور نہیں کیا اسلئے جرمنی ایسی مجلس کا ممبر رہنا پسند نہیں کرتا۔ جو بعض خاص قوتوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنی ہوئی ہے۔

اس کا مجلس اقوام سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور جواب ہو بھی کیا سکتا تھا سوائے جنگ کرنے کے، لیکن مجلس اقوام کے ممبر جرمنی سے جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، بعض دلوں سے جرمنی کے دعوے مساوات کو تسلیم کرتے تھے اور بعض اس جبارت سے سخت ناراض تھے، لیکن اتنے ناراض بہر حال نہیں تھے کہ ہٹلر کے خلاف تلوار اٹھالیتے اسلئے بات یہیں ختم کر دی گئی۔

ہٹلر کا اپنی اس پہلی کامیابی سے حوصلہ بڑھ گیا، مجلس اقوام سے علیحدہ ہونے ہی اُسے گویا آزادی کا پروانہ مل گیا، علانیہ اور پوری تیزی کے ساتھ جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا، ان تیاریوں سے سوئٹ روس کو بڑی تشویش پیدا ہوئی، اور اس تشویش میں جرمنی کے ہمسایہ چکوسلاویکیا اور فرانس بھی شریک ہو گئے، ان تینوں کی کوششوں سے روس مجلس اقوام میں شامل کیا گیا تاکہ جرمنی کے بٹے ہوئے عزائم کو روکنے کی کوئی موثر تدبیر سوچی جائے۔

بظاہر مجلس اقوام میں وہ جگہ پُر ہو گئی جو جرمنی خالی کر گیا تھا، لیکن زندگی اب بھی اس مجلس میں پیدا نہ ہو سکی۔

باب ۳

اڈولف ہٹلر کی جارحانہ سیاست

اڈولف ہٹلر کے اس طویل پروگرام میں جو اس نے جرمن قوم کی تنظیم کے لئے بنایا تھا، جرمن یہودیوں کا استیصال بھی شامل تھا۔ ان جرمن یہودیوں کے خلاف ہٹلر کے پاس اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ لوگ اگرچہ کئی پشتوں سے جرمنی میں رہتے چلے آئے تھے لیکن انکو جرمنی یا جرمنوں سے کبھی کوئی قلبی تعلق پیدا نہیں ہوا۔ انتہائی خود غرضی اس قوم کے رگ ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے، صرف اپنا مفاد اس کے پیش نظر ہے اور اس کے حاصل کرنے میں وہ جرمنوں کے بہترین قومی مفاد کو بھی زک پہنچانے سے نہیں چوکتے، یہ فطرتاً دنی البطبع اور سازشی واقع ہوئے تھے اور اپنے وجود سے جرمن قوم کو کھوکھلا بنا رہے تھے۔ یہودیوں کی حرکتوں کا سب سے زیادہ تلخ تجربہ جرمنوں کو پہلی جنگ عظیم کے بعد ہوا تھا اور جرمن عام طور پر ان سے نفرت کرنے لگے تھے چنانچہ جرمن خود بھی یہودیوں کے استیصال میں ہٹلر کے ساتھ ہو گئے۔

اس دور ہتھکڑی و ملدن میں اس انداز سے کسی قوم سے نفرت کرنا یقیناً انسانیت کے خلاف تھا، یورپ ادا مریک میں ہٹلر کی اس حرکت کے خلاف سختی سے آواز اٹھائی گئی اور سامری دنیا کے یہودی اس کے مقابل صف آراء ہو گئے لیکن اس نے اپنے پروگرام کا یہ روح کسی طرح نہ بدلا۔

جرمنی میں یہودی ہر لائن میں گھسے ہوئے تھے، ملک کے کاروبار میں ان کا بڑا حصہ تھا، جرمن صنعت و حرفت پر ان کا قبضہ تھا، طب اور قانون کی لائن میں ان کا اثر تھا، جرمن تعلیم اور ریاضی کے شعبہ میں ان کا بڑا دخل تھا، ان سب لائنوں سے یہودیوں کو ہٹانے کے معنی یہ تھے کہ جرمن زندگی کا ہر شعبہ کمزور ہو جاتا لیکن ہٹلر نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی، اس کا قول یہ تھا کہ جرمنی صرف آدین نسل کے لئے ہے غیر آدین نسلیں جرمنی کو اپنا وطن نہیں بنا سکتیں اور یہی ناستی جرمنی کا سلوگن ہو گیا۔

یہودیوں کا استیصال ہٹلر کا پہلا اصلاحی قدم تھا اس کے بعد جرمنی کے ہر شعبہ میں اس نے اصلاحی قوانین نافذ کئے اور ان جرمنوں کو بھی جرمن رائٹس میں شامل کر لیا جو دوسرے ممالک میں آباد تھے۔ یہ ہٹلر کی بڑی زبردست جہالت تھی۔ غیر ممالک کے

اس ان اصلاحات کے نفاذ سے پہلے ہٹلر نے خود اپنی پارٹی کی اصلاح کی تھی، اسٹارم ٹروپس جو فی الحقیقت ہٹلر کے عروج کا باعث تھے، اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہٹلر کی مطلق العنانی کی راہ میں عامل ہونے جارہے تھے ہٹلر نے ان کے توڑ دینے کا حکم دیا اس حکم کے خلاف اسٹارم ٹروپس کے کمانڈر کپتان ادہم ادرا کارل ارسنٹ نے بغاوت کی، اس بغاوت کو دھبنا کر ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو ہٹلر نے اسٹارم ٹروپس کے سرعزوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اس طرح سب سے پہلے اس نے اس زینے کو فاکر دیا جبکہ ذریعہ وہ اوپر چڑھ آیا تھا۔ البتہ اس اس گارڈس کو جو ہٹلر کے ماتحت اسکے قریب تر تھے اور جن کی تعداد تین لاکھ تھی باقی رہنے دیا گیا، یہ فوج ہٹلر نے ۱۹۳۴ء میں بنائی تھی اسکا فوجی یونیفارم سیاہ ہوتا تھا اور ہٹلر کی محافظ فوج کے نام سے یاد کیجاتی تھی۔ (مؤلف)

جرمنوں کو یہ یاد کرنا کہ وہ نازی جرمنی کے باشندے ہیں اور ان پر نازی جرمنی کے عقائد اور قوانین کی پیر دی فرض ہے، اطرافِ عالم میں نازی ازم کی بنیاد رکھنے کے معاملہ تھا۔

چنانچہ ہٹلر کی اس پالیسی سے نازی ازم کو روز بروز فروغ حاصل ہونے لگا اور خود جرمنی کے ہمسایہ ممالک میں نازی پارٹی کا اقتدار بڑھ گیا۔ سب سے پہلے نازیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا ثبوت آسٹریا میں ملا، آسٹریا کے لوگ خود کو جرمن کہا کرتے تھے خود ہٹلر بھی آسٹریا کا باشندہ تھا اور وہ آسٹریا کو جرمنی میں شامل کر لینے کے لئے بیتاب تھا، نازیوں نے پہلے آسٹریا میں کیمونسٹوں سے لڑ کر اپنے قدم جما لئے اور حکومت میں داخل حاصل کر لیا اس کے بعد انہوں نے ۲۵ جولائی ۱۹۳۴ء کی تاریخ مقرر کر کے وہاں عام نازی انقلاب برپا کرنا چاہا، آسٹریا کا چانسلر "ڈلفس" بھی اسی انقلاب کے نذر ہو گیا، لیکن نازیوں کو آسٹریا پر قبضہ کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی اسلئے کہ آسٹریا اٹلی کے زیر اثر تھا اور اٹلی کی فوجیں اس واقعہ کے بعد نازیوں سے مقابلہ کے لئے سرحد پر جمع ہونی شروع ہو گئیں۔ ہٹلر اس وقت لڑائی کے لئے تیار نہ تھا اپنی ہار کا اعتراف کر کے آسٹریا سے دستبردار ہو گیا۔

ہمسایہ ممالک میں نازیوں کی یہ پہلی انقلابی کوشش تھی جو ناکام رہی لیکن دولِ یورپ کو ہٹلر کی اس جارحانہ سیاست سے کھٹکا پیدا ہوا اور انہوں نے آئندہ ہمسایہ ممالک میں نازیوں کے اقدامات کو روکنے کی تدابیر سوچنی شروع کر دیں اٹلی کا فاشسٹ لیڈر بنیٹو موسولینی نازیوں کی مخالفت میں پیش پیش تھا وہ اپنی سرحد کے قریب نازی فتنے کو ابھرنے نہیں دینا چاہتا تھا اسی کی دعوت پر اپریل ۱۹۳۵ء میں (Stresa) کافرنس ہوئی جس میں نازیوں کی جارحانہ سیاست کے مقابل برطانیہ، فرانس، اور اٹلی نے ایک متحدہ محاذ بنایا، اس کانفرنس میں ان

تینوں سلطنتوں نے ایک زبان ہو کر مہلر کے جبری بھرتی کے قانون اور جنگی تیاریوں کی مذمت کی تھی اودا سے متنبہ کیا تھا کہ اگر اپنی اس اشتعال انگیز پالیسی کو اس نے نہ چھوڑا تو یہ تینوں ممالک متحد ہو کر اس پر اثر ڈالیں گے۔

لیکن ابھی اس کانفرنس کو مشکل سے دو ہی مہینے گزرے تھے کہ اس کانفرنس کے سب سے بڑے رکن برطانیہ نے جون ۱۹۳۵ء میں جرمنی سے ایک بحری معاہدہ کر لیا جس میں مہلر کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ جرمنی کے لئے برطانوی بحری بیڑے کا ایک تہائی بیڑہ تعمیر کر سکتا ہے، اس معاہدے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ”اسٹریٹ“ کانفرنس کی دھمکی بے معنی ہو گئی اور مہلر کو یقین ہو گیا کہ جرمنی کی طاقت بڑھانے میں خود برطانیہ اس کے ساتھ ہے۔

برطانیہ کی اس حرکت کا اثر اٹلی پر یہ پڑا کہ وہ برطانیہ سے گہرے ہو گیا اور فرانس پر یہ ہوا کہ اس نے برطانوی جرمن دوستی کے جواب میں اٹلی کے ساتھ اپنی ٹانگیں بڑھانی شروع کر دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نیتو موسیقی اپنے ملک کی اندرونی تنظیم مکمل کر کے ”رومن امپائر“ کے خواب دیکھ رہا تھا، مدت سے اسکی نظریں حبش پر تھیں یہ زرخیز علاقہ چونکہ اٹلی کے شمالی اور مشرقی نوآبادیات سے ملا ہوا تھا اسلئے اٹلی کے

۱۵ جنوری ۱۹۳۵ء میں فرانس اور اٹلی کے درمیان ایک ہستی کا معاہدہ ہوا تھا لیکن اس معاہدے میں جان برطانیہ اور جرمنی کے بحری معاہدے کے بعد پڑی، جولائی ۱۹۳۵ء میں فرانس کے کمانڈر انچیف اٹلی کے جنرل ٹاف سے تبادلہ خیال کرنے دم گئے اور ستمبر ۱۹۳۵ء میں اٹلی کے کمانڈر انچیف مارشل بدوگلیو فرانس آئے، یہ ملاقاتیں آئندہ جرمنی کے حملہ کی مداخلت کے سلسلے میں ہوئی تھیں ۱۲

نوابداروں کے مطلب کا تھا، وہ اس قدیم سلطنت کو اپنے زیر اثر لے لینا چاہتا تھا، سلطنتِ اٹلی نے اس سے پہلے بھی حبشہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن غنور حبشیوں نے اطالوی فوجوں کو اڈوا کے میدان میں مار بھٹکایا تھا، اس شکست کا اطالویوں پر بڑا اثر تھا اور وہ اپنی اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے موقع اور وقت کے منتظر تھے، بنٹو موسولینی کی قیادت میں یہ موقع اچھن جلد مل گیا۔

فرانس موسولینی کی طرف متوجہ تھا، موسولینی نے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور حبشہ سے چھپر چھپر شروع کر دی، ابتداً شاہ حبشہ سے موسولینی نے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اٹلی کی قیادت قبول کر لیں اور حبشہ کے اہم شعبے جن میں فینانس، فوج اور محکمہ خارجہ بھی شامل تھا، اٹلی کی نگرانی میں دیدیں، لیکن شاہ حبشہ نے اٹلی کے اس مطالبہ کو منظور نہیں کیا، برطانیہ ان کا دوست تھا اور انہیں یقین تھا کہ اگر اٹلی سے ان کی بگڑ گئی تو برطانیہ ان کی مدد کرے گا، چنانچہ جب شاہ حبشہ کے انکار کو غور بنا کر موسولینی نے ستمبر ۱۹۳۵ء میں حبشہ پر حملہ کر دیا تو شاہ حبشہ نے فوراً مجلسِ اقوام اور برطانیہ سے مدد مانگی لیکن اس وقت صورت حال یہ تھی کہ برطانیہ حبشہ کی فوجی مدد نہیں کر سکتا تھا، البتہ اس نے حبشہ کا معاملہ مجلسِ اقوام میں پیش کر دیا، اور کوشش کی کہ مجلسِ اقوام اٹلی کے اس جارحانہ اقدام کے خلاف مؤثر آواز اٹھائے اور سربراہِ اٹلی کی اقتصاد سی ناکہ بندی کی تجویز منظور کر لے۔

۱۹۳۵ء سے مجلسِ اقوام کا ممبر تھا اور اٹلی ہی کی مدد سے یہ مجلسِ اقوام میں شامل ہوا تھا، اٹلی کا خیال تھا کہ حبشہ حبشہ احسانمند اور اٹلی کے زیر نگرین ہو گا، لیکن جب اٹلی نے دیکھا کہ حبش میں برطانیہ کا اثر بڑھنے لگا تو وہ حبشہ سے بگڑ گیا، اور بالآخر اس چوسہ کر دیا (موقوف)

اس سے قبل بھی مجلس اقوام چین پر جاپان کے غاصبانہ حملے کے جواب میں کوئی مؤثر کارروائی نہیں کر سکی تھی لیکن اب کہ اس نے بڑی رد و دک کے بعد برطانوی اثر کے باعث اٹلی کے خلاف اقتصادى ناکہ بندی کی تجویز کو مان لیا اگر اس کا قدرے اثر بنادیا کہ یہ "ناکہ بندی" اٹلی کے ساتھ ایک مضحکہ خیز قسم کی چھڑ بن کر رہ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی کے پیٹھ پی پر تو اس ناکہ بندی کا مطلق اثر نہ پڑا البتہ اٹلی اور برطانیہ کے تعلقات خراب ہو گئے۔

اگرچہ ناکہ بندی کی تجویز میں بظاہر فرانس بھی برطانیہ کے ساتھ تھا لیکن فرانس نے نہایت ہوشیاری سے اس ناکہ بندی کی تجویز پر دستخط کر دینے کے باوجود اٹلی سے اپنے تعلقات استوار رکھے اور برابر اس کی کوشش کرتا رہا کہ اس ناکہ بندی کا اثر اٹلی کی تجارت اور اقتصادى حالت پر نہ پڑنے پائے۔ فرانس کے اس طرز عمل کے باعث اٹلی کے خلاف ناکہ بندی کی تجویز محض برطانیہ اور اٹلی کی ذاتی چیلنج بن کر رہ گئی اور بعض ذمہ دار فرامیسیوں نے علانیہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ برطانیہ اور اٹلی کی ذاتی لڑائی ہے جس میں فرانس دخل نہیں دینا چاہتا۔

اٹلی کے خلاف اس ناکہ بندی کی تجویز میں برطانیہ نے جرمنی کو بھی اپنے ساتھ ملا نا چاہا تھا اسے خیال تھا کہ ہٹلر جو مسولینی کی اسٹریٹجی کا اردوای سے بگڑا ہوا ہے اس موقع پر بڑی خوشی سے برطانیہ کے ساتھ ہو جائے گا لیکن برطانیہ کا یہ خیال غلط نکلا ہٹلر نے نہ صرف اس موقع پر برطانیہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا بلکہ حبشہ پر اطالوی حملہ کی حمایت کی اور مجلس اقوام کی طرف سے ناکہ بندی کی جو تجویز منظور ہوئی اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔ مسولینی کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ہٹلر کی یہ چال کامیاب رہی۔ اور ہٹلر اور مسولینی کے تعلقات خوشگوار ہو گئے۔

ہٹلر جب سے جرمنی میں برسرِ اقتدار آیا تھا وہ برابر ہٹلر مسولینی سے تعلقات

پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا، اس تنا میں وہ ۱۹۳۷ء میں سولینی سے ملنے اٹلی بھی آیا تھا لیکن سولینی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا تھا وہ ہٹلر کو قابو چھی لیڈر اور سستے قسم کا ایچی ٹیٹر کہا کرتا تھا اور اس سے تعلقات قائم کرنے میں ہمیشہ پر سیر کرتا رہا تھا۔

لیکن ہٹلر سولینی کے اس طرز عمل سے بد دل نہیں ہوا، وہ برابر اس کوشش میں لگا رہا کہ سولینی سے تعلقات بڑھانے کی کوئی مناسب صورت نکالے اسلئے کہ یورپ میں ہٹلر کے جو عزائم تھے ان کی تکمیل میں صرف سولینی ہی اسکی مدد کر سکتا تھا۔ برطانیہ اور فرانس اس معاملہ میں ہرگز ہٹلر کا ساتھ نہ دیتے چنانچہ حبشہ کے معاملہ میں اٹلی کے خلاف جب ناکہ بندی کی تجویز اٹھی تو ہٹلر کو سولینی پر ایک خواہ مخواہ کا احسان کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا اور اس سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

ہٹلر اپنی چال میں پوری طرح کامیاب رہا۔ سولینی برطانیہ سے دل برداشتہ اور فرانس کے طرز عمل سے غیر مطمئن ہو کر جرمنی کی طرف جھکا اور ہٹلر سے تعلقات دوستانہ ہوتے گئے۔ ان دونوں کی اسی دوستی کے بعد یورپ کی تاریخ میں ایک ہنگامہ خیز باب کا اضافہ ہوا اور یورپ میں سیاست میں انقلاب برپا ہو گیا۔

باب ۱۳

روس کے خلاف متحدہ محاذ اور اسپین کی شجستگی

دول یورپ کی آپس کی کھینچا تانی کے باعث اڈولف ہٹلر کی جارحانہ سیاست ہر قدم پر کامیاب تھی اور ہر کامیابی سے اسپین نیا غزم اور حوصلہ پیدا ہوتا جاتا تھا اپنے برسراقتدار آنے کے بعد دو تین ہی برس کے اندر جرمن قوم کی تنظیم سے متعلق اپنے پروگرام کے ایک حصے کی وہ بڑی کامیابی سے تکمیل کر چکا تھا، اور اب وہ اپنے پروگرام کے دوسرے جزو جرمن امپائر کے قیام کی طرف متوجہ تھا، اس مطلب کے لئے وہ جرمنی کی سرحدات کے اندر اور جرمنی سے باہر بھی جہاں جہاں جرمن آباد تھے انہیں جرمن باشندہ قرار دیکر رفتہ رفتہ جرمنی کے نئے قوانین اور ضوابط کا پابند بنانا اور یورپ اور امریکہ میں ناتسی ازم کا جال بچھانا چلا جا رہا تھا۔

ہٹلر کی ان چالوں کو سویٹ روس نہایت اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن وہ اکیلا اس کا تدارک نہیں کر سکتا تھا اور دول یورپ اس معاملہ میں اسکا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھے۔

واقعہ یہ تھا کہ ہٹلر نے نہایت چالاکी سے ناتسی ازم پر کمپوزم کی مخالفت کا پردہ ڈال رکھا تھا تاکہ یورپ کی نظروں میں اس پردے پر جمی رہیں اور اس کے قومی عزائم کی تکمیل میں مانع نہ ہوں۔ اسے اسپین کامیابی ہوئی اور اس کامیابی میں اسکی مدد خود سویٹ روس کے حالات اور اتفاقات نے بھی کی۔ سویٹ روس اس وقت اسٹالن

اور ٹراسکی کے حمایتیوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا اور اسٹالن۔ اپنے نظام حکومت کو بچانے کے لئے سوئٹ روس کے مشہور جنرلوں اور پارٹی کے لیڈروں کو بے تکلف موت کے گھاٹ اتارتا چلا جا رہا تھا۔ اسٹالن کے اس طرز عمل کا دول یوروپ پر بہت بُرا اثر پڑا اور جو ممالک روس کی طرف کچھ متوجہ ہو چلے تھے وہ بھی سوئٹ روس کی اس پالیسی کو دیکھ کر اُس سے برگشتہ ہوتے جاتے تھے۔

سوئٹ روس سے اس عام بیزاری کے بعد ہٹلر کو بے کھٹکے اپنے قومی عزائم کی تکمیل کا موقع مل گیا اور اس نے بے جھجک ہو کر اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا

جنوری ۱۹۳۵ء میں استقواب رائے عامہ کے بعد "سار کا علاقہ جرمنی کو واپس مل چکا تھا۔ مئی ۱۹۳۵ء میں فرانس، چیکو سلواکیا اور روس کے درمیان جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کر لینا معاہدہ ہوا، اگر ہٹلر چاہتا تو فوراً اس معاہدہ کے خلاف آواز اٹھاتا اسلئے کہ اس معاہدہ کی زد بظاہر جرمنی ہی پر پڑتی تھی۔ لیکن وہ موقع اور وقت کے انتظار میں روس اور فرانس کے اس معاہدہ کو طرح دے گیا اسلئے کہ یہ معاہدہ آسٹریا کا نفرنس کے بعد ہوا تھا اور ابھی آسٹریا کے دو اور ممبروں کا خیال اس پر ظاہر نہ ہوا تھا۔

جون ۱۹۳۵ء میں برطانیہ نے جرمنی سے بحری معاہدہ کر لیا۔ آسٹریا کا نفرنس کا رکن اعظم ٹوٹ گیا۔ ستمبر ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے حبشہ پر چڑھائی کی برطانیہ نے اس کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی بجز تیز منظور کرادی۔ اس بجز تیز فرانس نے بھی برطانیہ کا ساتھ دیا۔ اور آسٹریا کا نفرنس کی باقی دو طاقتوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

سہلہ نے جب دیکھا کہ ایک ہی برس کے اندر وہ محاذ ٹوٹ گیا جو آسٹریا میں اس کے خلاف قائم ہوا تھا تو اس نے نہایت چالاکी سے اٹلی کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی کی مخالفت کر کے اپنے ایک قدیم دشمن کو رام کر لیا اور یورپین قوتوں کے اس انتشار سے فائدہ اٹھا کر فوراً ۱۹۳۶ء کو راہین لینڈ پر فوجی قبضہ کر لیا۔ عذریہ تھا کہ فرانس نے جرمنی کے خلاف روس سے معاہدہ کمودت کر لیا ہے۔

راہین لینڈ کے متعلق ابتداءً معاہدہ ور سائی کے ذریعہ اور بعد میں لوکار نو کے معاہدے کی رو سے یہ طے ہوا تھا کہ جرمنی اس علاقہ کو قلعہ بند نہ کرے گا۔ معاہدہ ور سائی کی خلاف ورزی فرانس سے ہوئی جب اس نے ٹاوان جنگ کی وصولی کا عذر کر کے اپنی فوجیں اس علاقہ میں بھیجی تھیں۔ اور لوکار نو کی خلاف ورزی جرمنی نے کی۔ لیکن اس اقدام کے متعلق سہلہ کا عذریہ تھا کہ روس اور فرانس نے جو معاہدہ آپس میں کیا ہے وہ خود لوکار نو کے خلاف تھا اسلئے جرمنی اپنی حفاظت کی خاطر راہین لینڈ پر قبضہ کرنے میں آزاد ہو گیا۔ سہلہ کی اس تاویل کو معاہدہ لوکار نو کے ضمانتی برطانیہ اور اٹلی دونوں نے تسلیم کر لیا اور غریب فرانس دل سوس کر رہ گیا۔

اسی سال یعنی ۱۸ جولائی ۱۹۳۶ء کو اسپین میں خانہ جنگی ہو گئی، ناسی ازم کے بڑھتے ہوئے اثرات کو رد کرنے کی خاطر پہلے فرانس میں (۱۹۳۵ء) ”پاپولر فرنٹ“ کے نام سے مختلف سیاسی پارٹیوں کا جن میں کمیونسٹ بھی شریک تھے ایک متحدہ محاذ تیار ہوا۔

۳۵ جرمنی کی طرف سے معاہدہ لوکار نو کی شکست کے فوراً بعد برطانیہ فرانس اور بلجیم نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا، اس معاہدے سے فرانس کی اننگ ٹری اور بلجیم کی طمانیت ہو گئی تھی۔ (مولف)

اسکے بعد اسپین سے نائنٹی خطرے کو دور رکھنے کی کوششیں شروع ہوئیں، اسپین میں شاہ الفونسو کے فرار (۱۸۰۸ء) کے بعد سے جمہوری طرز کی حکومت قائم ہوئی تھی لیکن مدت تک اس حکومت کو شاہ پرستوں سے دست و گریبان رہنا پڑا تھا، اسلئے اسے پوری طرح استقامت حاصل نہ ہو سکی تھی۔

جنرل فرنیکو ایک شاہ پرست قسمت آرناسپا ہی جمہوریہ اسپین کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا اس نے اسپین میں کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کو بہانہ بنا کر جمہوریہ اسپین کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، سوال عقیدے کا پیدا ہو گیا تھا، ایک طرف ہٹلر اور مولینی دونوں نے جنرل فرنیکو کو فوجی مدد دینی شروع کر دی، اور دوسری طرف جمہوریہ اسپین کو روس سے مدد ملنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسپین دو حریف سیاسی پارٹیوں کا اکھاڑا بن گیا۔

اسپین کی خانہ جنگی کی یہ شکل بالکل غیر متوقع تھی، برطانیہ اور فرانس کو اس سے عالمگیر جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا انہوں نے اس جنگ کے اثرات کو یورپ کے دوسرے ملکوں تک پھیل جانے سے روکنے کے لئے ایک ”نان انٹرفیشن“ کمیٹی بنائی اور اسپین کے دونوں لڑنے والوں کی نگرانی کا کام اس کے سپرد کیا لیکن یہ کمیٹی محض برائے میت تھی، اس کمیٹی نے روس کی امداد پر تو پابندیاں عائد کریں لیکن ہٹلر اور مولینی کی امداد کو وہ نہ روک سکی۔

در اصل اسپین کی اس خانہ جنگی کے متعلق خود برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں اور سرمایہ داروں کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف تھا، برطانوی شہنشاہیت کا مفاد تو اسی میں تھا کہ جنرل فرنیکو کی جیت نہ ہونے پائے اسلئے کہ جنرل فرنیکو کی جیت سے ”جبرالٹر“ کی برطانوی چوکی کو خطرہ تھا اور جبرالٹر کے ساحل برطانیہ کی مشرقی بحری شاہراہ بھی خطرے میں پڑ جاتی تھی، لیکن برطانوی سرمایہ داروں کا فائدہ اسی میں تھا کہ اسپین میں

کمپوزم نہ پھیلنے پائے تاکہ یہاں جو سرمایہ برطانوی سرمایہ داروں کا لگا ہوا ہے وہ محفوظ رہے، بالکل یہی حالت فرانس کی تھی، حکومت فرانس نہیں چاہتی تھی کہ فرینکو کی فوج ہو، لیکن فرانسیسی سرمایہ داروں کا طبقہ دل سے فرینکو کی حیات کا حامی تھا، اسی اندوئی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ "نان انٹرنیشن، کمیٹی محض بے اثر رہی۔ ہٹلر اور مولینی علانیہ فرینکو کو مدد دیتے تھے اور فرینکو برابر جمہوریہ اسپین پر فوج پاتا چلا گیا۔"

اسپین کے مسئلہ پر ہٹلر اور مولینی کا یہ پہلا اتحاد تھا، ہٹلر اس سے آئندہ مستقل طور پر کام لینا چاہتا تھا لیکن مولینی کے مقابل اب تک ہٹلر کی حیثیت دوسرے ممبر کی تھی مولینی سے مساویانہ استحقاق دینے کے لئے یہ ضروری تھا کہ ہٹلر مولینی کو بھی اپنی اہمیت کا احساس دلانا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مشرق بعید میں جاپان سخت اقتصادی مشکلات میں مبتلا تھا اور ان مشکلات کا حل اس کے نزدیک صرف یہ رہ گیا تھا کہ وہ چین پر اپنا اقتصاد

اسپین کی خانہ جنگی کے دوران میں مولینی نے اپنے بحری بیڑے سے بہت کام لیا، بحیرہ روم میں اٹلی کی تباہ کن کشتیوں نے ہنگامہ مچایا، جمہوریہ اسپین کے جہازوں کے علاوہ غیر جانبدار ممالک کے جہازوں کو بھی انہوں نے ڈوبنا شروع کر دیا اسی ہنگامے میں روس کے بھی دو جہاز ڈوب گئے، روس اور اٹلی کے تعلقات میں اس واقعہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی، روس کے جہاز درہ دانیال کے ذریعہ بحر اسود میں تے جلتے تھے اسلئے روس اور اٹلی کی کشیدگی کا اثر ترکی پر بھی پڑا، درہ دانیال ستمبر ۱۹۳۶ء تک آزاد بین الاقوامی گزرگاہ تھی لیکن ستمبر میں کال اتا ترکی نے یورپ کے حالات کے پیش نظر درہ دانیال پر قبضہ کر لیا، چنانچہ "مونٹس" کی کانفرنس میں درہ دانیال پر ترکی کو قبضہ دینا گیا اب جو اٹلی اور روس کی کشیدگی بڑھی تو ترکی نے لڑائی روکنے کے لئے یہ طے کیا تھا کہ درہ دانیال بند کر دے لیکن حالات خود بخود درست ہو گئے اور ترکی کو اس فیصلہ پر عمل کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ (مؤلف)

اثر قائم کر لے لیکن چین اس وقت قوم پرستوں، اور کمیونسٹوں کے درمیان بٹا ہوا تھا، کمیونسٹوں کو روس سے تقویت پہنچ رہی تھی اور ان کا اثر سارے چین پر بڑھتا جا رہا تھا۔ اسکے علاوہ جاپان کی نئی ریاست منچکو سے روس کی مشرقی سرحد ملتی تھی جس سے جاپان کو ہر وقت خطرہ رہتا تھا ان حالات میں جاپان بے تکلف چین پر چڑھائی نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ چین پر چڑھائی کرنے کے معنی یہ ہوتے کہ وہ روس کو اڑائی کی دعوت دیتا۔ اور روس سے مل کر لینے کی وہ اکیلا ہمت نہیں کر سکتا۔

مہلے اس مشکل میں جاپان کا ہاتھ پکڑا، پانچ برس کے لئے جرمنی اور جاپان کے درمیان کمیونزم کے بڑھتے ہوئے اثرات کے خلاف ایک معاہدہ تجویز کیا جسکی رو سے یہ قرار پایا کہ کمیونزم کے اثر کو روکنے میں یہ دونوں ملک آپس میں مل جل کر کام کریں گے۔ اور آپس کے مفاد کی حفاظت کے سلسلہ میں ضرورت پر ایک دوسرے کی پوری پوری مدد کریں گے (یہ معاہدہ جرمنی اور جاپان کے درمیان ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء کو طے پایا)

مہلے اور سیرٹ روس کی دشمنی تو پہلے ہی مسلم تھی اس نئے معاہدے سے جاپان کو بڑی تقویت پہنچی، روس چونکہ پڑا، یورپ کی جمہوریوں کو تشویش ہوئی، مولینی مرعوب ہو گیا، اپنی ایک ہی چال میں مہلے نے یورپ اور ایشیا میں تہلکہ ڈال دیا، جاپان اس کا بندھ بے دام بن گیا اور مولینی جو مہلے کو محض سستا کچی میٹر کہا کرتا تھا اسکی ڈبلومیسی کا دم بھرنے لگا۔

جرمنی اور جاپان کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اٹلی نے خود اپنے مفاد کے پیش نظر اسے پسند کیا ۱۹۳۷ء میں خود مولینی برلن گیا اور انٹی کمونٹرن پیکٹ پر دستخط کرایا۔

اس معاہدے کے بعد مہلے کی پوزیشن مرکزی تھی اور اٹلی اور جاپان اس مرکز کے دوسرے تھے

جاپان کے ساتھ معاہدہ کرنے میں ہٹلر کی ایک مصلحت یہ تھی کہ روس یورپ کی سیاست میں اپنا پورا وزن استعمال نہ کر سکے گا اور دوسری ، مصلحت یہ تھی کہ جاپان کے بحری بیڑے کو وہ مشرقی بحیدر میں برطانیہ ، فرانس اور امریکہ کی نوآبادیوں پر اثر ڈالنے کے لئے استعمال کر سکیگا۔ جاپان کے پاس اگرچہ بری اور فضا کی قوت کی اچھی تعداد موجود تھی ، لیکن جاپان کی اصلی طاقت بحری تھی اور ہٹلر اس طاقت سے اس طرح کام لینا چاہتا تھا کہ برطانیہ اور فرانس کے مفاد کو مشرقی بحیدر میں اس بحری بیڑے سے دھکی دے اور یورپ میں اپنے عزائم کی تکمیل کرتا چلا جائے۔ لیکن ساتھ ہی جاپان کو بھی اس معاہدہ سے فائدہ پہنچتا تھا۔ روس مشرقی بحیدر کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے سکتا تھا اور نہ چین کی پوری طرح مدد کر سکتا تھا۔ روس کی توجہ اس طرح مبٹ جانے سے نہ صرف منچوکو کی سرحد محفوظ ہو جاتی ، بلکہ جاپان کو چین میں

سطح جاپان کی بحری طاقت کو بڑھتا ہوا دیکھ کر برطانیہ نے پانچ بحری قوتوں ، امریکہ ، برطانیہ ، فرانس ، اٹلی اور جاپان کی ایک کانفرنس طلب کی تھی جس میں بڑی طویل گفت و شنید کے بعد جنگی جہازوں کا زیادہ سے زیادہ وزن اور ان پر جو توپیں چڑھائی جاتی ہیں ان کا قطر معین کیا تھا۔ اس کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ جنگی جہازوں کا وزن ۳۵ ہزار ٹن سے زیادہ نہ ہوگا اور توپوں کا قطر ۱۴ انچ نہ رکھا جائیگا۔ چنانچہ امریکہ ، برطانیہ ، فرانس اور اٹلی نے تو اس معاہدہ پر ۲۵ مارچ ۱۹۲۲ء کو دستخط کر دیے لیکن جاپان نے اس معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد میں جب ان قوتوں کو یہ علم ہوا کہ جاپان ۴۰ ہزار ٹن کے جنگی جہاز تیار کر رہا ہے تو ان چاروں قوتوں نے اپنے معاہدے میں جہازوں کے وزن کو بڑھا کر ۳۵ ہزار ٹن کر دیا۔ (مؤلف)

میشقہ می کرنے میں آسانی ہو جاتی جو جاپان کا اصلی مقصد تھا۔
 اور سولینی نے جو اس معاہدے پر دستخط کئے اسکا مقصد صرف یہ تھا کہ برطانیہ
 پر اس معاہدے کا اثر ڈال کر بحیرہ روم اور سوئز میں اٹلی کے لئے مراعات حاصل کرے
 اور فرانس کو دوبارہ بحیرہ روم کے کچھ جزیرے چھین لے اور افریقہ کی نو آبادیوں میں حصہ
 بٹلے، غرض یہ مقاصد تھے جن کے ماتحت ان تینوں کا معاہدہ ہوا تھا لیکن یہ مقاصد
 اب بھی زیر نقاب ہی رکھے گئے، اور ظاہر یہی کیا جاتا رہا کہ ان تینوں قوتوں کا اصلی
 مقصد کمیونزم کے خلاف ایک متحدہ محاذ تیار کرنا ہے !

باب ۱۴

چین پر حملہ، نوآبادیات کی دھمکی، اور اسٹریٹیز قبضہ

جرمن اور جاپان کے معاہدے کا اثر بہت جلد دنیا پر ظاہر ہو گیا۔ ۲۸ جولائی ۱۹۳۷ء کو اس عہد کے ماتحت کہ چینی سپاہیوں کے ایک دستے نے منچکو کی جاپانی چوکی پر گولیاں چلا دیں، جاپان نے شمالی چین پر حملہ کر دیا، یہ حملہ اس قدر سخت اور منظم تھا کہ صرف ایک ہفتہ کے اندر اندر جاپان نے چین کے دو شمالی صوبوں پر قبضہ کر لیا۔ چینی جب اس غیر متوقع جاپانی حملے کے اثر سے بیدار ہوئے اور انہیں احساس ہو گیا کہ اب کے جاپان اُن سے محض شرائط سنائے نہیں چاہتا بلکہ سارے چین پر اپنا تسلط چاہتا ہے تو قوم پرستوں کے لیڈر مارشل چیانگ کاؤ شیو نے ایک طرف چین کے کمیونسٹوں سے جن سے اُن کی ہمیشہ لڑائی رہتی تھی صلح کر لی اور جاپان کے مقابل چینی قوم پرستوں اور کمیونسٹوں کی متحدہ فوج لاڈالی اور دوسری طرف ان ممالک سے مدد کے لئے اپیل کی جنکا مفاد چین سے وابستہ تھا، ان ممالک میں سویٹ روس، برطانیہ، فرانس اور امریکہ شامل تھے، اس کے علاوہ چین نے نام نہاد مجلس اقوام سے بھی شکایت کی لیکن مجلس اقوام آج تک کسی لڑائی میں سچ بچاؤ نہیں کر سکی تھی چین کی کیا مدد کرتی، تاہم اس نے جاپان سے جواب مانگا، جاپان نے مجلس اقوام کی اس تجارت کو عذر بنا کر مجلس اقوام سے استغفیٰ دیدیا۔

البتہ انفرادی طور پر روس، برطانیہ، فرانس اور امریکہ کی طرف سے چیلنگ کی شکل کو روپے اور سلحہ سے مدد ملنے لگی اور اس نے پوری جی داری سے جاپان کا مقابلہ شروع کر دیا ان ممالک کی امداد چونکہ چین کے مقابلہ میں جاپان کو فوجی شکلات میں مبتلا کر رہی تھی اس نے اپنے لیڈر جرمنی کے اشارے سے اسکا جواب یہ دیا کہ چین میں ہر جگہ جہاں اسکا قبضہ ہو گیا اس نے فرانسیسی اور برطانیہ باشندوں سے انتہائی ذلت آمیز سلوک کیا ان کے مقابلہ کو جان جان کر نقصان پہنچایا اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے انہیں بری طرح دق کرنا شروع کر دیا، جاپان کی یہ حرکتیں بہتے فرانسیسیوں اور انگریزوں کے خلاف بعض صورتوں میں اس درجہ ناقابل برداشت ہوتی گئیں کہ برطانیہ کے لئے صرف یہی چارہ کار باقی رہ گیا تھا کہ وہ جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دے۔

اور یہی ہٹلر اور موسولینی چاہتے بھی تھے، مشرق بعید کی طرف برطانیہ کی توجہ ہٹا کر وہ یورپ میں اپنے عزائم کیلئے راستہ صاف کر لینا چاہتے تھے لیکن برطانیہ ان کی اس چال میں نہیں آیا، اس نے جاپان کی حرکتوں کا جواب کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا اور اپنی پوری توجہ یورپ پر مرکوز رکھی جہاں ہٹلر اور موسولینی نئے فتنے جگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہٹلر کا یہ اصول تھا کہ چاہے وہ کسی مسئلہ پر جرمنوں کو مخاطب کرے، کسی نہ کسی پیرایہ میں معاہدہ دسائی کی ذلتوں کا ضرور ذکر کرنا، جرمنی کے ان یورپین علاقوں اور نوآبادیات کی ضرور یاد دلانا جو جنگِ عظیم کے بعد اس سے چھین لی گئی تھیں، اس طرح وہ جرمنوں کی غیرتِ قومی کو برابر حرکت میں رکھتا۔ اور اپنے نئے اہدام کے لئے راستہ صاف کرتا جاتا۔

اس کام میں ڈاکٹر گوٹبلر اسکے پردہ پیگنڈے کا وزیر اسکا مددگار تھا، اس کا کام یہی

تھا کہ سُنئے انداز سے جرمنوں کو گرلے اور دول یورپ کو اپنے پروپیگنڈے سے بے چین رکھے چنانچہ اس وقت بھی جبکہ جاپان مشرق بعید میں برطانیہ اور فرانس کے تجارتی مفاد پر ضرب لگا رہا تھا، ہٹلر کی پروپیگنڈا سٹین جرمنی کے یورپین علاقوں اور جرمن نوآبادیات کے لئے پوری قوت سے حرکت میں آگئی اور عین اس وقت ہٹلر نے بھی جو برطانیہ کی مخالفت کے عسے الرغم حبشہ فتح کر چکا تھا ”بحیرہ روم اور نہر سوئز میں برطانیہ کے سادی اقتدار کا مطالبہ درمیان میں رکھ کر ایک نئے زاویے سے برطانیہ پر شہ ڈالنی شروع کر دی۔

ڈکٹیٹروں کے اس متفقہ حملے کا برطانیہ پر بہت گہرا اثر پڑا، برطانیہ کا وہ سرمایہ دار گروہ جو ہر قیمت پر یورپ میں امن قائم رکھنے پر تیار ہوا تھا، حکومت برطانیہ میں بھی اپنی اکثریت رکھتا تھا اس نے بیٹے کو لیا کہ ان گڑبے ہوئے ڈکٹیٹروں کو کچھ دے دلا کر مناسبتا ہی بہتر ہے، برطانیہ کی اس رائے سے فرانس بھی متفق ہو گیا اور ان دونوں نے متفقہ طور پر ہٹلر اور موسولینی کو علیحدہ علیحدہ منانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر نیو ایل چیمبرلین اس (ایسٹرنٹ) پالیسی کے مصنف تھے، یہ پالیسی اختیار کرنے کے متعلق ان کا عذر یہ تھا کہ یورپ کے موجودہ ”نظامِ توازن“ (Balance of Power) کو توڑنے اور امنِ عالم میں خلل ڈالنے والے کے خلاف متحدہ بین الاقوامی محاذ تیار کرنے کی ساری تدبیریں ناکام رہی تھیں اور انگلستان اور فرانس یعنی یورپ کی سب سے بڑی جمہوریتیں عالمگیر جنگ شروع کرنے کے لئے تیار نہیں تھیں نہ ان کے پاس جو منی اور اٹمی کے مقابلے کے لئے جدید اسلحہ تھے نہ تربیت یافتہ فوجیں تھیں، اور نہ فضائی قوت ان کی اس قدر مضبوط تھی کہ وہ جرمنی سے ٹکر لے سکیں۔ لیکن مسٹر چیمبرلین کی وزارت میں چند ممبر ایسے بھی تھے جو چیمبرلین کی اس پالیسی کے سخت خلاف تھے۔ وہ اس عذر کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ انگلستان اور فرانس لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کا

بیان تھا، کوئی ملک لڑائی سے پہلے تیار نہیں ہوتا، لڑائی کے دوران میں تیار ہوا کرتا ہے اس اعتبار سے انگلستان اگر ان ڈکٹیٹروں کے آئندہ اقدامات کا سدباب کرنا چاہتا ہے تو اس کے پاس ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ان ڈکٹیٹروں کی اینٹ کا جواب پتھر سے دے اس پالیسی کے علم بردار مسٹر اسٹوئی ایڈن تھے اور یہ جمپیر لین کی کینٹ میں وزارت خارجہ کے اہم عہدے پر فائز تھے، ان کی وجہ سے مسٹر جمپیر لین کو اپنی پالیسی پر عمل کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی اور ان ڈکٹیٹروں نے بھی مسٹر ایڈن کی موجودگی میں برطانیہ سے کسی قسم کی گفت و شنید کرنے سے انکار کر دیا، اس وقت جمپیر لین کینٹ میں اکثریت مسٹر جمپیر لین کے ہم خیالوں کی تھی۔ مسٹر ایڈن اور ان کے ہم خیال ساتھیوں کو مجبوراً کینٹ سے مستعفی ہونا پڑا، مسٹر ایڈن کے استعفیٰ سے ڈکٹیٹروں کی بن آئی یہ ایک کاٹا تھا جو ان کی راہ سے دور ہو گیا۔

چنانچہ مسٹر ایڈن کے جانشین لارڈ سیلیفیکس نے وزارت خارجہ کا عہدہ سنبھالتے ہی مٹلر سے اور خود مسٹر جمپیر لین نے مولینی سے گفت و شنید شروع کر دی لیکن ابھی برطانیہ اور ڈکٹیٹروں کے درمیان یہ گفت و شنید کسی نوبت پر نہ پہنچے پائی تھی کہ ۱۹۳۸ء کو ایک عجیب اور سخت حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ مٹلر نے نہایت خاموشی سے خون کا ایک قطرہ بہا کے بغیر اسٹریا پر قبضہ کر لیا۔

مٹلر کا مدت سے آسٹریا پر زبانت تھا، پہلے اس نے ۱۹۳۳ء میں کوشش کی ڈیفنس اسٹریا کا چاند اس کے لئے وزنی دشمن ثابت ہوا اس کے بعد ۱۹۳۴ء میں ڈیفنس کو قتل کر کے آسٹریا پر قبضہ کرنا چاہا، اٹلی فوراً پچ میں کود پڑا اور اسکی فوجیں آسٹریا کی سرحد پر جمع ہو گئیں لیکن اب آسٹریا کو مٹلر کے چٹکل سے کوئی مہینہ بچا سکتا تھا۔

چانسلر ٹونگ کا آسٹریا پر وہ اثر نہیں تھا جو ڈلفس نے حاصل کر لیا تھا، اٹلی
عہدہ سے منٹ چکا تھا لیکن اسپین اور بحیرہ روم میں برسی طرح بھینسا ہوا تھا اس کے
علاوہ اقتصاد کی ناکہ بندی کی مخالفت اور عہدہ کی فتح کو تسلیم کر کے ہٹلر نے موسیٰ کو
اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ دوسرے بھی تک اپنے اندرونی جھگڑوں میں گھرا ہوا تھا، فرانس
میں فاشسمینوں اور کمیونزمین حکومت کے لئے رستہ کشی ہو رہی تھی اور انگلستان مشرق بعید
میں اور بحیرہ روم میں اٹلی کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کی تدابیر سوچنے میں مصروف تھا
اس سے بہتر موقع ہٹلر کو حاصل نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ اس نے اس سے پورا پورا فائدہ
اٹھایا اور آسٹریا کو جرمنی میں شامل کر لیا۔

آسٹریا کو جرمنی میں شامل کرنے سے پہلے ہٹلر کئی مرتبہ آسٹریا کی آزادی کو برقرار رکھنے
کا بھی وعدہ کر چکا تھا۔ ۱۹۳۶ء کو ہٹلر نے آسٹریا کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط
کئے تھے۔ جس میں یہ وعدہ کیا تھا کہ آسٹریا کی آزادی کا احترام کیا جائیگا۔ ۳۰ جنوری
۱۹۳۸ء کو اس نے ریٹائرے کے آگے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ۱۹۳۶ء میں اس نے
آسٹریا سے جو معاہدہ کر لیا ہے وہ اس پر قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہیگا۔ انتہا یہ ہے کہ ۱۲ فروری
۱۹۳۸ء کو بھی اس نے چانسلر ٹونگ کو یہ یقین دلایا تھا کہ بہر حال آسٹریا کی آزادی
برقرار رکھی جائے گی لیکن اس آخری وعدے کو ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ہٹلر کی
فوجیں آسٹریا میں گھس آئیں، چانسلر ٹونگ پہلے مستعفی ہو اس کے بعد گرفتار کر لیا
گیا، آسٹرین فوجوں نے بے لڑے بھڑے ہتھیار ڈال دیے اور جرمن فوجوں نے تین
دن کے اندر اندر سارے آسٹریا پر نہایت سرعت کے ساتھ قبضہ کر لیا۔

آسٹریا پر جرمن قبضہ کی خبر دول یورپ نے سنی لیکن اس طرح کسی کو اس پر ہٹلر سے
باز پرس کرنے کی ہمت نہیں پڑی، برطانیہ کی امن پسند حکومت یہ کہہ کر طرح دے گئی کہ آسٹریا

کے لوگ بہر حال جرمن ہی ہیں انہیں ہر وقت حق حاصل ہے کہ وہ جرمنی کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اٹلی کو بے شک اس خبر سے رنج پہنچا لیکن مولینی پہلے ہی "انٹی کمیونسٹرن پبلیٹ" کے ذریعہ بندھ چکا تھا۔ فرانس کو بھی تنذیر ہوئی اس لئے کہ آسٹریا کو مضحکہ کے جرمنی بہت زیادہ طاقتور ہو چکا تھا اور اس کے لئے طاقتور جرمنی سے منسلک آسان نہیں رہا تھا، اور دوسری اس واقعہ سے سب سے زیادہ اضطراب پیدا ہو گیا اس لئے کہ طاقتور جرمنی خود بالٹک روس کے لئے خطرناک تھا، علاوہ اس کے آسٹریا کے جرمنی میں شامل ہو جانے کے بعد وسطی یورپ کی چھوٹی سی جمہوری ریاست "چکوسلاویا" جرمنی سے گھر گئی تھی اور اسکی سلامتی بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ چونکہ روس اور فرانس دونوں نے بل کر اس ریاست کو یہ ضمانت دی تھی کہ اس پر اگر کسی حکومت کا حملہ ہوا تو یہ دونوں اس کی مدد کریں گے۔ اسلئے یورپ میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ جرمنی نے اگر چکوسلاویا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کہیں روس، فرانس، اور جرمنی میں جنگ نہ چھڑ جائے، کم سے کم روس چکوسلاویا کے لئے لڑائی میں کود پڑنے کو تیار معلوم ہوتا تھا چنانچہ اس نے آسٹریا کی فتح کے ساتھ ہی دول یورپ کی ایک کانفرنس بلانے کی تجویز پیش کر دی تاکہ مہلکوں نے اقدامات سے روکنے کی متفقہ کوشش کی جاسکے لیکن حکومت برطانیہ نے روس کی یہ تجویز ٹھکرا دی، عذر یہ تھا کہ اس تجویز پر عمل کرنے سے یورپ کی طاقتیں دو پارٹیوں میں تقسیم ہو جائیں گی جس سے توازن خواہ یورپ کا اس خطرے میں پڑ جائیگا اور چکوسلاویا کی سلامتی کے متعلق جو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا اسکو برطانیہ کے وزیر اعظم مٹھیمن نے ۲۷ مارچ ۱۹۳۸ء کو دارالعوام میں یہ اعلان کر کے دور کر دیا کہ دو فیملڈ مارشل گورننگ نے ہر مہلک کی طرف سے ارا مارچ کو برلن میں چک وزیروں کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ جرمنی ان کی آزادی کو برقرار رکھے گا، اور ۱۴ مارچ کو جرمنی کے وزیر خارجہ فان لونز نے بھی چک حکومت کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ جرمنی ۱۹۲۵ء کے ثالثی

معاهدے پر قائم رہے گا اور چکو سلاویکیا کی آزادی پر دست درازی نہ کرے گا۔“
 برطانیہ کے اس عزم کے بعد روسی وزیر خارجہ لٹویناف کی یہ تجویز کہ سٹلر کے
 آئندہ اقدامات کو روکنے کے لئے دہلی یورپ کی کانفرنس بلائی جائے پیش ہوتے ہی فضا
 میں تحلیل ہو گئی اور غریب چکو سلاویکیا کو اپنی قسمت پر چھوڑ دیا گیا۔

باب ۱۵

میسونک کا سانحہ

چکوسلاویکیا کی ریاست جو ۱۹۱۸ء کے بعد آسٹریا ہنگری کے صوبوں کو علیحدہ کر کے قائم کی گئی تھی اس میں ایک کروڑ چک اور سلویک تھے تقریباً ۳۲ لاکھ جرمن تھے چھ لاکھ ہنگرین تھے اور تقریباً ۸۲ ہزار پولش تھے۔ چک اور سلویک کے ساتھ یہ فلسطین ۱۹۱۹ء کے بعد سے ۱۹۳۳ء تک نہایت آرام دہ مینان کے ساتھ بسر کرتی رہیں، لیکن ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کے عروج کے بعد سے چکوسلاویکیہ کی جرمن اقلیت میں حرکت پیدا ہوئی اور نازی پروپیگنڈے کی بدولت سوڈین لینڈ میں بھی "سنلن" کی قیادت میں ایک نازی پارٹی بن گئی جس نے سلاویکیا کی جرمن اقلیت کی "جائز شکایتوں" کی نگرانی کا کام اپنے ذمے لیا۔ لیکن جرمن اقلیت کی "جائز شکایتیں" ۱۹۳۸ء تک منظر عام پر نہیں آئیں، البتہ ۱۹۳۸ء میں یکایک سوڈین جرمنوں پر چکوں کی مظالم کی طویل داستانیں فرانسیسی اخباروں میں شائع کرنے لگیں اور برلن کے اخباروں نے چکوسلاویکیا کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں کہ اگر وہ سوڈین جرمنوں کو مطمئن نہ کریں گے تو جرمن راش ان جرمنوں کا حفاظت کا خود انتظام کر لگی۔ جرمنی کے اخباروں کی ان دھمکیوں سے روس اور فرانس کو بڑی تشویش ہوئی، لیکن چکوسلاویکیا کی حکومت نے سوڈین جرمنوں کے مسئلہ کو وقت کے وقت یہ کہہ کر سنبھال لیا کہ اگر وہ چکوسلاویکیا کے اندر ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے رہنا پسند کریں گے تو چکوسلاویکیا کی حکومت ان سے گفت و شنید کرنے کو تیار ہے

لیکن قبل اس کے کہ آپس میں گفتگو شروع ہوتی ۲۲ مئی ۱۹۳۸ء کے الکشن کے موقع پر سوڈین جرمنوں نے سرحدی علاقوں میں شورش پیدا کر دی، چکوسلاویکیا کی حکومت نے سختی سے اس شورش کو دبا یا، جرمنی فوجیں جو سرحد پر پڑی ہوئی تھیں اس شورش کو بہانہ بنا کر حرکت میں آ جانے کے لئے تیار تھیں لیکن چک بھی غافل نہیں تھے، انہوں نے جرمن حملے کو روکنے کی پہلے ہی تیاری کر لی تھی اسلئے جرمنی نے ایسا حملہ ملتوی کر دیا۔

الکشن کے بعد چکوسلاویکیا کی حکومت اور سوڈین جرمنوں میں نئے دستور کے سلسلہ میں گفت و شنید شروع ہو گئی، چکوں نے توقع کے خلاف سوڈین جرمنوں کو چکوسلاویکیا کے اندر اپنا آزادانہ وجود قائم کرنے اور سوڈین جرمنوں کے ذریعہ اسکا انتظام کرنے کی اجازت دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ یہ ظاہر چکوسلاویکیا کی حکومت اور سوڈین جرمنوں میں گفت و شنید امید افزا طریقہ پر جاری تھی کہ سرحدی علاقہ میں سوڈین جرمنوں کے ایک ڈپٹی کا کسی چک انسر سے جھگڑا ہو پڑا اور اس انسر نے جرمن ڈپٹی کے ایک مختصر سید کر دیا یہی مختصر بارود میں چنگاری کا کام دے گیا، سوڈین جرمنوں اور چکوسلاویکیا کی حکومت میں گفت و شنید کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور برلن کے اخباروں نے پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ چکوسلاویکیا کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔

برطانیہ کی حکومت آسٹریا کی طرح چکوسلاویکیا کے معاملہ میں بھی ”بالکل غیر جانبدار“ تھی اس سارے ہنگامے میں جو جرمنوں کی طرف سے چکوسلاویکیہ کے خلاف برپا تھا، برطانیہ نے عملاً کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ روایت ہے کہ برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر جمیلین نے ۱۹۳۸ء کو ایک پنچ کے موقع پر چکوسلاویکیا کے مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔

”برطانیہ فرانس یا روس اگر چاہیں تب بھی چکوں کی حفاظت کے لئے جنگ نہیں لڑ سکتے۔“ ————— چکوسلاویکیا اپنے موجودہ حدود کے ساتھ باقی

نہیں رہ سکتا، سرحدات کی تجدید مناسبت ہے“ (ہٹلر وار ملٹس) لیکن مسٹر چیمبرلین کا یہ بیان انگریز عوام آسانی سے سمجھ نہ کر سکے اس بیان سے پہلی مرتبہ انگریزوں کو اپنی حکومت کی کمزور پالیسی کا احساس ہوا اور خود مسٹر چیمبرلین کو بھی پہلی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ برطانیہ کے عوام ”ایمنسٹ پالیسی“ میں اُن کے ساتھ نہیں ہیں خصوصاً برطانیہ کی مزدور پارٹی نے مسٹر چیمبرلین کی پالیسی کے خلاف سختی سے آواز اٹھائی اور عوام کی حمایت کی وجہ سے اس کی وزیں کافی زور پیدا ہو گیا۔ مسٹر چیمبرلین نے مزدور پارٹی کی اس آواز کو دبائے کے لئے صرف یہ کیا کہ اپنے ایک ماہر اقتصادیات ”لارڈ رنسی“ کو جو اسی زمانہ میں امریکہ سے گفت و شنید کر کے آئے تھے دریافت حال کے لئے چکوسلاویکیا بھیج دیا، لیکن قبل اس کے کہ لارڈ رنسی مین کی رپورٹ پر چیمبرلین کی حکومت کو ”آرام و اطمینان“ سے غور کرنے کا موقع ملتا، حالات نے پلٹا دکھایا چکوسلاویکیا کی سرحد پر جھگڑا ہوا اپنی حکومت سے سوڈین جرمینوں کی گفت و شنید ٹوٹ گئی۔ اور جرمنی اور چکوسلاویکیا کے تعلقات خراب ہو گئے۔

ستمبر میں ہٹلر اپنی فوجوں کے معائنہ کے موقع پر چکوسلاویکیا کے متعلق ایک تقریر کرنے والا تھا، مسٹر چیمبرلین کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو اس تقریر سے یوروپ میں آگ لگ جائے اور روس اور فرانس چکوسلاویکیا کی حمایت میں جنگ میں کود پڑیں۔ کیونکہ اگر روس اور

۵ - روس فرانس اور چکوسلاویکیا کے درمیان ۱۹۳۵ء میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جو معاہدہ طے ہوا تھا اس کی ترتیب میں روسی وزیر خارجہ ام لٹو نیاف نے بڑی دانائی سے یہ دلچسپ نکتہ رکھا تھا کہ اگر چکوسلاویکیا پر کوئی ملک حملہ آور ہو اور فرانس نے چکوسلاویکیہ کی حمایت میں اعلان جنگ کر دیا تو روس بھی چکوسلاویکیا کی مدد کو مہدانِ جنگ میں آجائے گا، اس معاہدہ پر دستخط کرتے وقت یہ نکتہ فرانس کے علم میں ہو یا نہ ہو لیکن اس موقع پر جبکہ چکوسلاویکیا جرمنی کی زد میں آچکا تھا، چکوسلاویکیا کی مدد میں پہل کرنے کی (بقیہ مصلحہ)

فرانس کی جرمنی سے ٹھٹھ گئی تو پھر برطانیہ کو بھی جنگ میں شامل ہونا پڑ گیا اور برطانیہ بھی جنگ کے لئے تیار نہیں تھا۔ !

مسٹر چیمبرلین کے دماغ میں یہ اندیشہ پیدا ہوا ہی تھا کہ انہوں نے خود جرمنی جاکر ہٹلر سے بالمشافہ گفتگو کی ٹھان لی، برطانوی وزیر اعظم کے لئے کسی مسئلہ کو سلجھانے کے سلسلہ میں یہ انوکھا اقدام تھا ! لیکن یوروپ کے امن کو بحال رکھنے میں اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو انہیں اعزاز بھی انوکھا حاصل ہوتا۔ اسلئے مسٹر چیمبرلین ہٹلر سے ملنے پہلی مرتبہ "برک ٹس گے ڈن" (Berchtesgaden) گئے، اس کے کچھ ہی دنوں بعد مکمل گفتگو کے لئے "گارڈن برگ" (Gardenberg) پہنچے اور تیسری مرتبہ انہوں نے فرانسیسی وزیر اعظم "دلا دیر" کی معیت میں "میونخ" کا سفر کیا اور یہیں وہ ساخو پیٹن آیا جو دوسری جنگ عظیم کا اصلی محرک سمجھا جاتا ہے۔ !

مسٹر چیمبرلین اور ہٹلر کی ابتدائی دو ملاقاتوں میں چکوسلاویکیا کے متعلق وہ مسئلے طے ہو گئے جنہیں بنیاد بنا کر میونخ کا فرانس میں گفتگو ہوئی تھی۔ اس کا فرانس میں برطانیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۵) ساری ذمہ داری فرانس پر آ پڑی تھی اور فرانس اگر جرمنی کو دھمکانے کے لئے یہ برابر اعلان کر رہا تھا کہ اگر چکوسلاویکیا کی آزادی پر ہاتھ ڈالا گیا تو وہ میدان جنگ میں کود پڑے گا لیکن فی الحقیقت فرانس اس کے لئے تیار نہ تھا، فرانسیسی وزارت میں نہ تو اتحاد و خیال پایا جاتا تھا اور نہ فرانسیسی فوجوں کی تیاری مکمل تھی یہی وجہ تھی کہ اس معاملہ میں خود پہل کرنے اور روس کو اپنے ساتھ لینے کے بجائے فرانس برطانیہ کے پیچے ہو گیا اور روس کو نظر انداز کر کے ہٹلر سے میونخ میں سمجھوتہ کر آیا۔

(مؤلف)

اور فرانس ایک طرف تھے اور جرمنی اور اطالی دوسری طرف اور عجیب بات یہ تھی کہ اس کانفرنس میں نہ روس کو طلب کیا گیا اور نہ خود چکوسلاویکیا کے نمائندے کو شرکت کی دعوت دی گئی حالانکہ یہ چکوسلاویکیا کا اپنا ذاتی معاملہ تھا اور روس کو اس معاملہ سے اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی فرانس یا برطانیہ کو ہو سکتی تھی، اصل میں ان دونوں ملکوں کو اس کانفرنس میں شریک کرنے کے متعلق اطالی اور جرمنی رضامند نہیں تھے اور برطانیہ اور فرانس نے اس وقت یہی مناسب سمجھا کہ ان دونوں ڈکٹیٹروں کو "بے وجہ" بگڑنے کا موقع نہ دیں۔

بہر حال میونخ کانفرنس ان چاروں کے درمیان بہ خیر و خوبی ختم ہو گئی۔ سوڈٹن لینڈ کا سارا علاقہ چکوسلاویکیا سے علیحدہ کر کے جرمنی کو دیدیا گیا اور اسکے معاوضہ میں ہٹلر اور موسلینی نے یہ تحریر مسٹر چیمبرلین کے حوالے کر دی کہ آئندہ ہر فرقہ کا تصفیہ آپس میں حل ہو کر کیا جائیگا اور کسی اختلاف کو وجہ بنا کر جنگ شروع نہیں کی جائے گی۔

عہ میونخ کانفرنس سے ایک دن پہلے تک جرمن ہائی کمانڈ کو تشویش تھی اسلئے کہ برطانوی بحری بیڑہ بحر شمالی میں جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا اور فرانس اور روس برابر اپنے انداز سے یہ ہی ثابت کر رہے تھے کہ وہ چکوسلاویکیہ کی حمایت میں جنگ شروع کر دیں گے، اور جرمن فوجیں ان تینوں کا مقابلہ کرنے کو تیار نہیں تھیں چنانچہ ایک روایت یہ ہے کہ ۲۸ ستمبر کو مارشل گوٹنبرگ نے ہٹلر سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "کانفرنس میں کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ ہمیں جنگ کرنی پڑے، ہم جنگ کے لئے تیار نہیں ہیں۔" اسکا جواب ہٹلر نے یہ دیا تھا کہ "مجھے صرف دو دن کی مہلت اور دید و چیمبرلین اور دلادیر مجھ سے اس قدر متاثر ہو گئے ہیں کہ وہ میری شرائط تسلیم کر لیں گے لیکن اگر مجھے اپنے شرائط منوانے میں کامی ہوئی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کروں گا" ہٹلر کا انداز صحیح نظر آچیمبرلین، اور دلادیر نے ہٹلر کی شرائط مان لیں اور جرمن ہائی کمانڈ فوری جنگ کے خطرے سے بچ گیا۔ (مولف)

مسٹر چیمبرلین خوش تھے، بالآخر جنگِ عظیم ہمیشہ کے لئے رک گئی، برطانیہ کا امن نپد گردہ سرور تھا کہ بالآخر مسٹر چیمبرلین اپنے انتہائی شریفانہ اور اہم مقصد میں کامیاب ہوئے فرانس نے اطمینان کا سانس لیا کہ آئی بلا ٹل گئی، لیکن چک ملوں تھے کہ برطانیہ اور فرانس نے انہیں ہٹلر کے ہاتھ بیچ دیا اور دوس سحت ناراض تھا کہ میونخ کانفرنس میں اُسے مدعو نہ کر کے یورپ کی جمہوریتوں نے پھر ایک مرتبہ اسکی توہین کی۔

لیکن ابھی یہ مختلف احساسات اچھی طرح نمایاں بھی نہ ہوئے پائے تھے کہ ہٹلر کی فوجیں ”برہاگ“ (چکوسلاویکیا کے پایہ تخت) میں داخل ہو گئیں اور سارے چکوسلاویکیا پر آناٹا میں قبضہ کر لیا۔ عذریہ تھا کہ میونخ کانفرنس میں جوئی سرحدات چکوسلاویکیا کے لئے طے کی گئی تھیں وہ چکوں کی قلعہ بند لائن سے پیچھے تھیں اور چک اپنے قلعہ بند علاقہ سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے تھے۔ !

دافتیرہ ہوا کہ ہٹلر نے ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو چکوسلاویکیا کے پریسیڈنٹ ”ڈاکٹر ہاکا“ اور وزیر خارجہ چاکو دسکی کو برلن طلب کیا اور رسمی باتوں میں وقت ضائع کئے بغیر ایک کاغذ تختوں کے لئے ان کے آگے رکھ دیا۔ جس میں یوہیمیا اور مورویا کو جرمن رائن کی نگرانی میں دیدینے کی تجویز تھی اور سلاویکیا کے چھوٹے سے حصہ کو آزاد چھوڑ دیا گیا تھا، پریسیڈنٹ ہاکا اس غیر متوقع مطالبہ سے بوکھلا گیا، وہ کچھ عذر کرنا چاہتا ہی تھا کہ ہٹلر نے

۵۔ چکوسلاویکیہ سے سنہگرمی اور پولینڈ کا بھی کچھ مطالبہ تھا، ہٹلر نے ان دونوں کی آواز سے ناکہ اٹھایا لیکن جب چکوسلاویکیا پر قابض ہو گیا تو پولینڈ کا کوئی مطالبہ اس نے تسلیم نہیں کیا البتہ سنہگرمی کو مزوٹھینا کا علاقہ اپنی ریاست میں شامل کرنے کی اجازت دے دی۔
(مؤلف)

فیصل کن ایچ میں کہا کہ جو اس تجویز کی مخالفت کر لیا وہ پیروں تلے روند دیا جائیگا، جس دن صبح نو بجے تک پریاگ کو راکھ کا ڈھیر بنادیں گی۔“

پریسڈنٹ نے اب بھی اس کا غرپر دستخط نہیں کئے، ہٹلر بڑا کرکڑے سے چلا گیا اس کے جلنے کے بعد رات بھر سٹہکے ساتھی پریسڈنٹ کو روکے بیٹھے رہے اور طرح طرح سے اسپر دباؤ ڈالتے تھے، ان کی اس زیادتی کے باعث غریب پریسڈنٹ دو مرتبہ بے ہوش ہو ہو گیا، لیکن ہر مرتبہ جس ڈاکٹر جو برابر کے کمرے میں موجود رکھا گیا تھا اُسے ہوش میں لاتا تھا۔

بالآخر جب پریسڈنٹ ہاکا کو یقین ہو گیا کہ جرمن فوجیں چکوسلاویکیا میں داخل ہو گئیں اور اگر وہ اس کا غرپر دستخط نہ کر لیا تو صبح کو ہزاروں بے گناہ چکوں کا خون بہہ جائیگا تو اس نے مجبور ہو کر چکوسلاویکیا کے فرمانِ قضا پر دستخط ثبت کر دیے اور جرمن فوجیں چند ہی دنوں میں سارے چکوسلاویکیا پر قابض ہو گئیں۔

چکوسلاویکیا کی فتح سے جرمنوں کو اسلحہ اور آلاتِ جنگ بے حساب ملا، اسلحہ ڈھالنے والی دو فیکٹریاں ہاتھ آئیں، دو ہزار اعلیٰ درجے کے ہوائی جہاز حاصل ہوئے اور اس سامانِ جنگ کے علاوہ کئی لاکھ پونڈ کا زر و سونا ان کے ہاتھ لگا جرمن فوجیں جو پہلے جدید آلاتِ جنگ سے پوری طرح مسلح نہیں تھیں چیکوسلاویکیا کے ذخیرہ جنگ سے مسلح بنائی گئیں، چکوسلاویکیا کے کارخانے جرمن ضروریات کے تیزی سے ہتھیار ڈھالنے لگے۔ اور جرمن فوج ان سب تیاریوں کے بعد ایک اور جنگِ عظیم کے لئے بالکل تیار ہو گئی۔

میونخ کے سمجھوتے کی ناکامی کے بعد روس یورپ کے معاملات سے دست بردار ہو گیا، اٹلی اور زیادہ جرمنی کی طرف جھک گیا۔ برطانیہ اور فرانس میں

فوجی تیاریاں شروع ہو گئیں کیونکہ چکوسلاویکیا پر قبضہ کرنے کے بعد اب ہٹلر کے آئندہ اقدام کے متعلق اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا تھا۔

مسٹر چیمبرلین کی ”ایگزیکٹو پالیسی“ قطعاً ناکام رہی تھی اور اس ناکامی کے بعد حکومت پر مسٹر چیمبرلین اور ان کے ساتھیوں کی جو گرفت تھی وہ ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ برطانیہ کے عوام اور مزدور پارٹی کے لیڈر جلد سے جلد اور نہایت تیز رفتاری سے جنگی تیاریوں پر مصرعے چیمبرلین کی حکومت نے عوام کے اس مطالبہ سے متاثر ہو کر آلات جنگ کی تیاری کا ایک طویل پروگرام تو ضرور بنا کر تیار کر لیا لیکن اعتقاد ابھی تک اسے ”ایگزیکٹو پالیسی“ پر باقی تھا، اس نے ہٹلر کو چھوڑ کر مولینی کی طرف توجہ کی اور اس کوشش میں مصروف ہو گئی کہ کسی طرح مولینی کو راضی کر کے ہٹلر سے توڑے اور اس طرح ہٹلر کو اکیلا کر کے سب طرف سے گھیرے لیکن مولینی مسٹر چیمبرلین کے لئے بہت زیادہ سیانہ ثابت ہوا وہ ایک طرف برابر مسٹر چیمبرلین کو بہلاتا رہا اور دوسری طرف بحیرہ روم میں فوجی تیاریاں مکمل کرتا رہا، اسلئے کہ اب ہٹلر کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی اور مولینی نہیں چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ ہٹلر سے پیچھے رہ جائے بحیرہ روم سے اٹلی کو قریبی تعلق تھا اور مولینی مدت سے اس پر اپنا اقتدار جمانے کے خواب دیکھ رہا تھا اس خواب کی بہترین تعبیر کا اس سے بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ ادھر ہٹلر چکوسلاویکیا سے فارغ ہو کر میل کی طرف بڑھا اور لتھونیا کی چھوٹی سی ریاست کو یہ دھمکی دیکر کہ اگر فی الفور میٹل جرمینی کے حوالے نہیں کیا گیا تو لتھونیا کا پلہ تخت بوں سے اڑا دیا جائے گا۔ میل پر قابض ہو گیا۔ ادھر مولینی نے اپنی چھوٹی سی مہم یہ ریاست البانیہ پر بغیر کسی وجہ کے فوج کشی کر دی۔ اور اس کے جائز بادشاہ کو ملک سے نکال کر اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ البانیہ کے بعد مولینی کا ارادہ یونان کی طرف پیش قدمی کا ہوا اسلئے کہ مدت سے اس کی نظریں سلونیکا پر جمی ہوئی تھیں۔ سلونیکا نہ صرف زرخیز علاقہ

تھا بلکہ اسکی بندرگاہ اٹلی کا زبردست بحری مرکز بن سکتی تھی۔ جس پر قبضہ کر کے مولینی ایک طرف ترکی کو دھکا سکتا تھا اور دوسری طرف برطانیہ کے بحری اقتدار کو لیجین اور بحر روم میں چیلج کر سکتا تھا لیکن مولینی کی سلونیکا تک پہنچنے کی اسکیم کامیاب نہ ہو سکی اس لئے کہ یونان نے اٹلی کی نیت کو بھانپ کر فوراً فوجی مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اندیونانیوں کے پیچھے مولینی کو برطانیہ کا چہرہ نظر آنے لگا۔ مجبوراً مولینی کو البانیہ ہی پر قناعت کرنی پڑی اور سلونیکا اور یونان کے خیال سے فی الحال اسے دست بردار ہونا پڑا۔

باب

ڈانٹ سک اور کور پڈار کا قبضہ

چکو سلاو کی کیا اور میل پر قبضہ کر چکے کے بعد ہٹلر کے آئندہ ارادوں کا اندازہ لگانا مشکل نہ رہا تھا۔ اس لئے کہ میل پر قبضہ کے ساتھ ہی ہٹلر کی ہوس نے ڈانٹ سک (DANTZIG) اور پوٹس کو ریڈور کے لئے نئے شروع کر دیے تھے، اور دانت سک کا آزاد شہر سلج جرمنوں کا مسکن بننے لگا تھا۔

۱۹۱۸ء ڈانٹ سک بحیرہ بالٹک کی نہایت قدیم بندرگاہ ہے اور صدیوں سے جرمنوں اور پولوں کے درمیان باعث نزاع بنی ہوئی ہے۔ ۱۹۱۴ء میں یہ بندرگاہ پروشیا کے قبضہ میں تھی جنگ کے خاتمہ کے بعد پیرس کانفرنس نے اسے جرمنوں سے میکرو پولوں کی نگہانی میں دیدیا لیکن ڈانٹ سک شہر کو آزاد قرار دیا اور وہاں کی حکومت وہیں کے باشندوں کو سونپ دی، فوجی قلعہ بندی کی ممانعت کر دی تھی اور دوسرے ممالک سے آزاد تعلقات قائم کرنا ناجائز قرار دیا تھا۔ ڈانٹ سک کی جنگی اور ریلوں پر پولینڈ کی نگہانی رکھی تھی، اور بندرگاہ کے انتظام میں بھی ڈانٹ سک کے باشندوں اور پولینڈ کو برابر کے حقوق دئے گئے۔ جس علاقہ کو جرمن کو ریڈور کہتے ہیں، اسکے متعلق بھی جرمنوں اور پولوں کے درمیان نزاع تھی، جرمنوں کا دعویٰ تھا کہ اس علاقہ میں ان کی اکثریت تھی، اور پول دعویٰ کرتے تھے کہ اس جگہ وہ اکثریت میں ہیں، پیرس کانفرنس نے یہ علاقہ پولینڈ کے حوالے کر دیا تھا اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد (باقی صفحہ ۱۱۳ پر)

اگرچہ ڈانٹ سک اور کوریڈو کا معاملہ مجلس اقوم کے فیصلہ کے بعد خود جرمنی اور پولینڈ کے درمیان ۱۹۳۴ء میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے ایک معاہدے کے ذریعہ طے ہو چکا تھا اور ۲۱ مئی ۱۹۳۵ء کو خود ہٹلر نے اس معاہدے کی تجدید کرتے ہوئے یہ اقرار کیا تھا کہ جرمن آزاد شہر ڈانٹ سک اور پول حکومت کے حقوق کا احترام کریں گے۔ اس کے بعد ۲۰ مارچ ۱۹۳۶ء کو اپنی پارٹی کی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے اس شہر کے متعلق ہٹلر نے صاف لفظوں میں یقین دلایا تھا کہ اس کی پارٹی اس آزاد شہر کا احترام کرے گی۔ اور ۲۰ فروری ۱۹۳۸ء کو اس نے ریشاں میں تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ حکومت جرمن اپنے ہمسایہ پولینڈ کے ساتھ جو معاہدہ کر چکی ہے اس کو برقرار رکھے گی، اور آخر میں ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء کو اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے ابھی ابھی اپنی ہمسایہ ریاست پولینڈ سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنا جو معاہدہ کیا تھا اس کی پانچویں سالگرہ منائی ہے اور آج بھی ہم دونوں ملکوں کے درمیان کوئی ایسا اختلاف نہیں پایا جاتا جس سے اس معاہدہ کی قیمت کم ہو سکے۔

لیکن اس آخری اعلان کو پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ہٹلر کی طرف سے ڈانٹ سک اور کوریڈو کا سوال اٹھایا گیا اور اس کو پروپیگنڈے کے ذریعہ اسفندیچہ بنادیا گیا کہ گفت و شنید کے ذریعہ اسکا حل ہو جانا ناممکن ہو گیا۔ یہ صورت ساسے یورپ کے لئے تشویشناک تھی۔ ایک طرف پولش حکومت نے بنایت تیزی سے احتیاطی تدابیر اختیار کر فی شرع کر دیں اور دوسری طرف فرانس اور مجاریہ کی حکومتوں نے جواب ہٹلر کے وعدوں پر اٹھا دینے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ فرما ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۲) پولینڈ نے یہاں کی پول آبادی میں بہت اضافہ کر لیا تھا اب یہ علاقہ پولینڈ کا ایک باقاعدہ صوبہ تھا۔ (موتلف)

اعلان کر دیا جس میں انہوں نے جرمن حملے سے پولینڈ کو بچانے کی، طمانیت پیش کر دی، برطانیہ کی طرف سے یہ اعلان ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہوا اور اسی دن فرانس نے بھی اس کی تائید میں اعلان کر دیا۔

البتہ روس نے ان حالات پر اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ چکوسلاویکیا پر جرمن قبضہ کے بعد روس کی خارجہ پالیسی بد لگئی تھی لٹویین اپنے عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اور اس کے بجائے روس کا وزیر اعظم موسیو مولوٹوف ہی وزیر خارجہ مقرر ہوا تھا اور مولوٹوف نے وزیر خارجہ ہوتے ہی یورپین معاملات میں ہر قسم کی مداخلت بند کر دی تھی۔

برطانیہ اور فرانس کا یہ خیال تھا کہ پولینڈ کو ہٹلر کی دستبرد سے بچانے کے لئے، فرانس اور برطانیہ کی یہ دھمکی کارگر ہوگی اور ہٹلر ایک ذرا سے علاقے کی خاطر ایک اور جنگِ عظیم کی ذمہ داری اپنے سر نہ لیگا۔ لیکن اس اعلان میں ایک اصولی غلطی یہ ہو گئی تھی کہ برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ کو بطور خودیہ طمانیت دی تھی، سویت روس سے اس کے متعلق ان دونوں حکومتوں نے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا، حالانکہ جنگ کی صورت میں جرمنی کے خلاف برطانیہ اور فرانس پولینڈ کی براہِ راست امداد نہیں کر سکتے تھے اگر فوجی مدد پولینڈ کی ہو سکتی تھی تو صرف روس کے ذریعہ ہو سکتی تھی، اس اصولی غلطی کے باعث برطانیہ اور فرانس کا اعلان طمانیت بے اثر ہو گیا۔ اور ہٹلر نہ صرف اسی سرگرمی سے پولینڈ کے خلاف اپنے مطالبہ پر اڑا رہا بلکہ اس نے برطانیہ اور فرانس کے

۱۱۴ اس اعلان کے کچھ ہی دنوں بعد اپریل ۱۹۳۹ء میں برطانیہ نے جرمن حملے کے خلاف اسی طرح کی طمانیت یونان اور رومانیہ کو بھی دیدی، رومانیہ کی طمانیت سے مشرقی اور یونان کی طمانیت سے جنوبی یورپ کو بچانا مقصود تھا جہاں اٹلی کے اتحاد سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ (مولف)

اعلان کا فوراً یہ جواب دیا کہ ۱۹۲۸ء میں برطانیہ اور جرمنی کے درمیان کیلوگ پیکٹ کی روشنی میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا جو معاہدہ ہوا تھا اسکی شکست کا اعلان کر دیا اور اس کے فوراً ہی بعد اپریل ۱۹۳۹ء میں اس نے اٹلی سے ایک جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ طے کر لیا، جسکی رو سے مہلر کی آئندہ سرگرمیوں میں سوئینی بھی برابر کا شریک ہو گیا۔

برطانیہ اور فرانس کے اعلان طمانیت کا اثر الٹا ہوا، جنگ بجائے ٹلنے کے اور زیادہ سرعت سے سر پڑ گئی، اس نوبت پر برطانیہ لحد فرانس کے پاس اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی تیاریاں کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا تھا مجبوراً ان دونوں ملکوں نے ایک طرف نہایت تیزی سے اپنی فوجی تیاریوں کی تکمیل پر توجہ دی اور دوسری طرف پورے ملک کو اپنے جتنے میں شامل کرنے کے لئے درڑھٹوں شرور کر دی، اسی کے ساتھ انہوں نے پولینڈ سے فوجی بات چیت اور پولینڈ کی امداد کے لئے روس سے گفت و شنید بھی شروع کر دی، لیکن بد قسمتی سے نہ پولینڈ کی فوجی بات چیت کا کوئی مفید نتیجہ نکل سکا اور نہ روس سے گفت و شنید میں کامیابی ہو سکی۔ پولینڈ کی فوجی گفتگو جو بے نتیجہ رہی اسکی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ پولینڈ کے پاس مدافعت کے لئے سامان جنگ کافی نہ تھا اس نے سامان جنگ کی خریداری کے لئے برطانیہ سے روپیہ قرض مانگا، برطانیہ سے روپیہ قرض نہ دے سکا اس کا پولینڈ کی حکومت پر ناگوار اثر ہوا، دوسرے پولینڈ کی فوجوں کا کمانڈر انچیف، نہایت نالائق آدمی تھا اس نے برطانیہ کے جنرل اسٹاف کے مشورہ سے پولینڈ کے مدافعت کی کوئی مناسب حکیم تیار کرنے کے بجائے خود اپنی سوچنی ہوئی اسکیم برطانوی جنرل اسٹاف کے آگے رکھ دی اور اپنے نفل کو کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ روس کی فوجی مدد کے امکان پر حیب پولینڈ کی حکومت اور برطانیہ کے جنرل اسٹاف کے

مکان پر سب پولینڈ کی حکومت اور برطانیہ کے جنرل اسٹاف میں بات چیت ہوئی تو پولینڈ کی حکومت اس بات کی رودادار نہ ہوئی کہ روسی فوجیں پولینڈ کی سرحد میں داخل ہو کر جرمنوں کا مقابلہ کریں چنانچہ اس نوبت پر پولینڈ اور برطانوی جنرل اسٹاف کی گفتگو بغیر کسی نتیجہ پر پہنچنے کے ختم ہو گئی۔

بہی شرسوٹ روس اور برطانیہ کی گفت و شنید کا ہوا، برطانیہ اور فرانس کی طرف سے جو مشن گفت و شنید کے لئے ماسکو بھیجا گیا تھا اس سے سوٹ روس کچھ خوش نہیں ہوا اس لئے کہ اس مشن میں برطانیہ اور فرانس کے بہت معمولی افسر شامل تھے جنہیں اس مسئلہ میں ذمہ داری کے ساتھ سوٹ حکومت سے گفتگو کرنے کا اختیار خاص نہ تھا۔ انہیں صرف یہ ہدایت تھی کہ وہ پولینڈ کو اس قسم کی طمانیت کے متعلق سوٹ روس کی شرائط معلوم کر کے اپنی اپنی حکومتوں کو بھیج دیں اور لندن اور پیرس سے جو ہدایتیں اُنہیں بھیجی جائیں ان کی تعمیل کریں۔ چنانچہ اس مشن سے جب ماسکو میں گفت و شنید شروع ہوئی تو اس میں مسلسل قائم رہا، کئی کئی دن کا بیچ میں وقفہ پڑا تاہا اور پھر اس وقفہ کے بعد بھی سوٹ روس کے شرائط کے متعلق جو رویہ لندن اور پیرس نے اختیار کیا اس سے اس گفت و شنید کا کامیابی کے ساتھ جاری رہنا مشکل ہو گیا۔

جمہوریوں کے ساتھ سوٹ روس اپنے فوجی معاہدے کی قیمت میں بحیرہ بالٹک پر اپنا اثر اور ریاستہائے بالٹک پر اپنا اقتدار تسلیم کرنا چاہتا تھا اور بلقان کو بلا مشرکت غیرے اپنے حلقہ اثر میں رکھنے کا خواہشمند تھا، اسی کے ساتھ

وہ جمہوریوں سے یہ طمانیت بھی چاہتا تھا کہ اگر جرمن اسپر یا اسکے زیر اثر کسی ملک پر حملہ آور ہوا تو فرانس اور برطانیہ دونوں ملکر اس کی مدد کریں اس کے علاوہ سوئٹ روس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ روسی فوجیں اپنی سرحدوں میں نالتسی جرمنی کا مقابلہ نہیں کریں گی۔ بلکہ پولینڈ میں آگے بڑھ کر وہ جرمنوں سے لڑیں گی۔ اور پولینڈ اس معاملہ میں سوئٹ روس کو ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائے گا۔

برطانیہ اور فرانس کے نزدیک سوئٹ روس کی یہ شرطیں بہت سخت تھیں جنہیں وہ بحسنہ قبول نہیں کر سکتے تھے لیکن ابھی انہوں نے سوئٹ روس کی شرائط کو رد بھی نہیں کیا تھا۔ اور ان پر برابر غور و خوض اور گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ دفعتاً سوئٹ روس کی پالیسی نے پٹا کھایا، ان ہی دنوں جرمنی کا بھی ایک اقتصادی مشن سوئٹ روس سے گفت و شنید میں مصروف تھا۔ یہ مشن روس سے ایک اقتصادی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس اقتصادی معاہدہ کے دو دن بعد جرمنی کا وزیر خارجہ فان رین ٹروپ ماسکو پہنچا اور اس سے زیادہ بڑی قیمت پر سوئٹ روس نے برطانیہ اور فرانس سے طلب کی تھی صرف جرمنی اور سوئٹ روس کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کے عوض پیش کر دی، یہ اتنی بڑی قیمت تھی کہ سوئٹ روس اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہو کر بھی کبھی حاصل نہیں کر سکتا تھا، اس نے فوراً نالتسی جرمنی کے اس ”سنہرے ہدیہ“ کو قبول کر لیا برطانوی مشن نے بغیر کسی عذر کے گفت و شنید توڑ دی اور سوئٹ روس نے نالتسی جرمنی کیساتھ دس سال کے لیے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔

باب ۱۷

روس اور جرمنی کا معاہدہ اور اُس کے اثرات

۲۳ اگست ۱۹۳۹ء کو سوویت روس اور جرمنی وائٹس کے درمیان حملہ نہ کرنے کے جس معاہدے پر ماسکو میں دستخط ہوئے اسکی دفعات اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں

(۱) دونوں حکومتیں جن کے اس معاہدے پر دستخط ہیں یہ اقرار کرتی ہیں کہ تنہا یا کسی اور حکومت کے ساتھ بلکہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کریں گی

(۲) اگر ان دونوں میں سے کسی فریق پر کوئی تیسری قوت حملہ آور ہو تو فریق ثانی اس حملہ آور فریق کی مدد نہ کرے گا۔

(۳) آئندہ سے دونوں حکومتیں ایسے مسائل میں جن کا مفاد مشترک ہو آپس میں مشورہ کرتی رہیں گی۔

(۴) اس معاہدے کا کوئی فریق دوسری قوتوں کے کسی ایسے حلقے میں شامل نہ ہوگا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ فریق ثانی کے خلاف قائم کیا گیا ہو

(۵) کسی مسئلہ پر اختلاف کی صورت میں دونوں فریق آپس کے مشورے سے اسے دور کریں گے یا اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس مقصد کے لئے ثالث کیٹی بنائی جائیگی۔

(۶) یہ معاہدہ دس برس کے لئے ناطق سمجھا جائے گا لیکن اگر اس معینہ مدت سے ایک برس پہلے کسی فریق نے اسے ختم کر دینے کا نوٹس نہ دیا تو یہ

مزید پانچ برس کے لئے نافذ سمجھا جائیگا۔
 (۷) فریقین اس معاہدہ کی بغیر کسی تاخیر کے تصدیق کریں گے اور فریقین
 کی تصدیق کے ساتھ ہی یہ معاہدہ نافذ قرار دیا جائے گا۔

بطاہر جرمنی اور سوئیٹ روس کے درمیان یہ ”منہایت مخصوصانہ“ معاہدہ
 معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت یہی معاہدہ دوسری جنگِ عظیم کی بنیاد ہے۔ قیصر
 جرمنی کو ۱۹۱۴ء کی جنگ میں محض اسلئے شکست ہوئی تھی کہ جرمن فوجوں کو دو
 محاذوں پر لڑنا پڑا تھا اور نالستی جرمنی پھر اس غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہتی تھی اسلئے
 قرینہ یہ تھا کہ اگر اس موقع پر روس جو سیاسی عقائد کے اعتبار سے ہمیشہ سے نالستی جرمنی کا
 مخالف رہا تھا جرمنی کو اس معاہدے کے ذریعہ مطمئن نہ کرتا تو نہ ہٹلر پولینڈ پر حملے کی
 جرأت کر سکتا اور نہ دوسری جنگِ عظیم کی طرح بڑتی۔ لیکن سوئیٹ روس اور
 جرمن رائٹس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ پر دستخط ہونے کے بعد ہٹلر
 کو دوسرے محاذ پر مقابلہ کا خطرہ جاتا رہا اور اس خطرے کے دور ہوتے کے ساتھ
 ہی اس کے خیال میں اپنی کامیابی کا قرینہ بھی بڑھ گیا جس سے وہ دست بردار نہیں
 ہو سکتا تھا۔

جرمنی اور روس کے اس معاہدے کا ہٹلر کے ان ساتھیوں پر جنہیں اس نے

۱۵ یہ معاہدہ تو ظاہر تھا اسکے علاوہ ایک خفیہ معاہدہ بھی جرمنی اور روس میں ہوا
 تھا جس میں پولینڈ کا نصف حصہ روس کو دیا گیا تھا اور فنلینڈ، ریاستہائے بالٹک، ریاستہائے
 بلقان، وسطی ایشیا اور مشرقِ بعید میں روسی اثر کے احترام کی ضمانت کی گئی تھی چنانچہ بعد کے حالات سے
 اس خفیہ معاہدہ کا پوری طرح ثبوت مل گیا۔ (مولف)

”انٹی کمونٹن پیکٹ“ کے رشتہ میں منسلک کر رکھا تھا یہ اثر پڑا کہ جاپان نے فوراً جرمنی کا ساتھ چھوڑ دیا، بیرن ہرافٹا کی حکومت جو جرمنوں کی طرفدار تھی اور جس نے جرمن اٹالوں پر مشرق بعید میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا، مستعفی ہو گئی اور اس کے بجائے ”تو پوکی ایہ“ کی قدامت پسند حکومت برسر اقتدار آگئی اور حکومت کے اس ادل بدل کیساتھ مشرق بعید میں جاپان کی پالیسی میں یک لخت تبدیلی ہو گئی، انگریزوں اور فرانسیسیوں پر سے ہر قسم کی پابندی اٹھالی گئی اور ان قوتوں سے جاپان پھر دوستانہ تعلقات بڑھانے لگا۔

اسپین پر جو ابھی خانہ جنگی سے فارغ ہوا تھا یہ ہوا کہ جنرل فرنیکو نے اس عذر کو درمیان میں رکھ کر کہ جرمنی نے ان کمیونسٹوں سے معاہدہ کر لیا ہے جن سے وہ ابھی اسپین میں مقابلہ کرتا رہا تھا اس معاہدے کے آئندہ نتائج سے بے تعلقی کا اعلان کر دیا، اپنی فوجوں کو منتشر کر دیا اور فرانس کو یہ اطمینان دلادیا کہ اسپین روس اور جرمنی کے معاہدہ میں اپنے آپ کو شریک نہ کر لے گا۔

البتہ مولینی نے ابتداً روس اور جرمنی کے اس معاہدہ کا سرگرمی سے خیر مقدم کیا، لیکن یہ دیکھ کر کہ اٹلی کا شاہی خاندان اٹلی کو جرمنی کے ساتھ سختی کرنے کا روادار نہیں ہے اور پاپائے روم جبکہ اٹلی میں کافی اثر ہے روسی عقیدے کا مخالف ہے اور خود اطالوی عوام اس معاہدے سے متاثر نہ ہونگے اور ان سب پرستزادیہ کہ برطانیہ اور فرانس اور زیادہ شدت سے جرمنی اور روس دونوں کے خلاف تیاریوں میں مصروف ہیں تو مولینی پر اس پڑ گئی اہم اس نے اپنی غیبت جاتیداری کا اعلان کر دیا۔

برطانیہ اور فرانس پر بھی ابتداً روس اور جرمنی کے معاہدے کا بڑا اثر پڑا لیکن

برطانیہ کا عزم فوراً اس اثر پر غالب آگیا اور بجائے اس کے کہ اس معاہدہ سے ڈکر وہ پولینڈ پر سے اپنا ہاتھ اٹکھالینے جیسی کہ جرمن اور روس کو توقع تھی انہوں نے اعلان کر دیا کہ اس معاہدہ کے بعد بھی وہ پولینڈ کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے اور ساتھ ہی انہوں نے اٹلی کی جرمنی سے نڑٹنے اور ترکی کو اپنے ساتھ بلانے کی کوششیں شروع کر دیں۔

بلقان میں صرف بلغاریہ ہی ایک ایسی ریاست تھی جس نے روس جرمن معاہدہ کا خیر مقدم کیا اس کے نزدیک اس معاہدہ کے باعث اسکا قدیم علاقہ ”دہرجا“ رومانیہ سے واپس لینے کا اسے موقع مل سکتا تھا۔

بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں، استونی، لٹونیہ اور لٹویا کو اس معاہدہ کے بعد اپنی اپنی فکر پڑ گئی تھی، بالٹک کے کنارے کی ان ریاستوں پر جرمن اثر غالب تھا، جرمن سرمایہ یہاں کام کر رہا تھا اور صنعت و حرفت بھی یہاں کی جرمنوں کے ہاتھ میں تھی روس اور جرمن معاہدے کے معنی یہ تھے کہ جرمن ان ریاستوں پر سے اپنا اثر ہٹائے اور روس کو ان علاقوں پر اپنا اثر قائم کرنے میں مدد دے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ پولینڈ جو غریب سب سے پہلے اس معاہدہ کا شکار بننے والا تھا اپنی روایتی حوصلہ مندی کا ثبوت دے رہا تھا جرمن روسی معاہدے کا بظاہر اسپر کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا وہ پوری مستعدی سے اپنے بچاؤ کی تیاریوں میں مصروف تھا البتہ پولینڈ کے بہادروں کو لیڈر اچھے نہیں ملے تھے یہی ان میں کمزوری تھی جو اپنے بچاؤ کے انتظامات کے ساتھ ساتھ برابر بظاہر ہوتی جا رہی تھی۔

خود جرمنی میں اس معاہدے کا شدید رد عمل ہوا جب نائنٹی ازم برسر اقتدار آیا تھا سویت روس کی مخالفت کو اس نے اپنے ”ایمان“ کا ایک جزو بنالیا تھا

لیکن اس موقع پر ناستی جرمنی کی ”بنیادی“ پالیسی نے جس حیرت انگیز طریقہ پر پلٹا
 کھایا یا اس نے خود ناستیوں کی ذہنیوں پر بہت بڑا اثر ڈالا اور ان میں پھوٹے
 کے آثار نظر آنے لگے۔

اسی طرح روس میں بھی اس معاہدہ کا ردِ عمل ہوا وہ کمیونسٹ جہنیں برسوں
 یہ یقین کی جاتی رہی تھی کہ ان کا سب سے بڑا دشمن ناستی جرمنی ہے۔ جب اس کی
 تباہی کا قریب پیدا ہوا تو اس سب سے بڑے دشمن سے مصالحت کر لینے کی ”مصلحت“
 ان کی سمجھ میں نہ آئی۔!

کمیونسٹوں اور ناستیوں کے سیاسی عقائد ہی میں اختلاف نہ تھا بلکہ ان
 دونوں ریاستوں کے ”مطرح نظر میں بھی تضاد پایا جاتا تھا ناستی اپنی سلطنت قائم کرنی
 چاہتے تھے اور اس مقصد کے لئے ملک گیری ان کا مطمح نظر تھا۔ لیکن کمیونسٹوں کا مطمح نظر تو
 یہ تھا کہ نہ اپنی ایک انچ زمین وہ کسی کو دیں گے اور نہ ایک انچ زمین کسی کی لیں گے۔ ناستی
 اربن اور غیر اربن میں فرق کرتے تھے، کمیونسٹ بین الاقوامیت کے قائل تھے، ناستی دوسری
 قوموں کو غلام بنالینا چاہتے تھے۔ کمیونسٹوں کا مطمح نظر غلاموں کو آزاد کرانا تھا۔!

اس قدر متضاد سیاسی عقائد اور اس قدر مختلف مطمح نظر کے باوجود سویت
 روس اور جرمن رائش میں کس طرح سمجھوتہ ہو سکا؟ یہ سوال تھا جس نے کمیونسٹوں
 کی صف میں رخنہ ڈال دیا اور وہ اپنی حکومت کی دانائی اور اصول پرستی کے کچھ
 زیادہ قائل نہیں رہے۔

باب

آخر یہ معص کیا تھا ؟

ناتمی اور کیونسٹ عقائد میں اس تضاد کے قطع نظر جس نے مدت سے ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل صف آرا رکھا تھا، چین پر جاپان کے حملے کے بعد سے سویٹ روس ہمیشہ کمزوروں کی حمایت اور جرمنی اور جاپان اور اٹلی کے جارحانہ اقدامات کی مخالفت کرتا رہا اور یہ مخالفت اس نے اس وقت تک جاری رکھی جب تک برطانیہ اور فرانس ڈکٹیٹروں کو راضی رکھنے کی پالیسی پر عامل رہے لیکن جیسے ہی برطانیہ اور فرانس نے "ایمیزمنٹ" پالیسی کو ترک کر دیا اور ہٹلر کے جارحانہ اقدامات کو جواب پور وپ کے امن کے لئے خطرناک ہوتے جارہے تھے ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کی خاطر جنگ پر آمادگی ظاہر کی، سویٹ روس کی "بینا دیکھا" حکمت عملی میں یک لخت تبدیلی واقع ہو گئی اور دفعتاً اسے کمزور کے بجائے طاقتور سے اور مظلوم کے بجائے ظالم سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ !

سویٹ روس کی حکمت عملی میں اس قدر زبردست انقلاب کیوں ہوا ؟
ایسے کیا حالات پیدا ہو گئے جو سویٹ روس اپنے جانی دشمن کو کھلے لگانے پر مجبور ہو گیا ؟

یقیناً سویٹ روس کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جرمن پولینڈ فتح کر کے سویٹ روس پر چڑھائی کر دے گا اس لئے کہ برطانیہ اور فرانس کے اس اعلان سے

بعد کہ اگر جرمنی پولینڈ پر حملہ کر لے گا تو برطانیہ اور فرانس متحدہ طور پر اس سے جنگ کریں گے، ہٹلر اتنا بے وقوف نہیں ہو سکتا تھا کہ سویٹ روس سے الگ کر دو محاذوں کی جنگ کی مصیبت اپنے سر لیتا، خصوصاً ایسی حالت میں کہ جنگ میں اس کے جیتنے کا فریبہ کبھی اسی وقت پیدا ہو سکتا تھا جب وہ ایک محاذ پر لڑتا!

رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے برطانیہ اور فرانس جرمنی کو محض دھمکا رہے ہوں اس سے لڑنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں اس نوبت پر سلسلےً صحیح نہیں تھا کہ اس شبہ کے بعد کہ فرانس اور برطانیہ اُسے محض دھونس دے رہے ہیں اس سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ٹلر کو سرے سے سویٹ روس سے کسی معاہدہ کی درخواست کرنے ہی کی ضرورت نہیں تھی جس طرح وہ اس سے پہلے بغیر کسی جھجکے رائیمن لینڈ، آسٹریا اور چکوسلاویکیا میں اپنی فوجیں بھیج چکا تھا اسی طرح پولینڈ کو چپ چاپ فتح کر لیتا اور سویٹ روس کی اس ٹی کو بدستور باقی رکھتا جس کی آڑ میں وہ اب تک ٹکرا رکھتا رہا تھا!

علاوہ اس کے اگر فی الحقیقت برطانیہ اور فرانس ہٹلر سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوتے بلکہ ان کا مقصد یہ ہونا کہ ہٹلر کی توجہ مغرب کے بجائے مشرق کی طرف پھر جائے تو انہیں پولینڈ کو کسی قسم کی طمانیت دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی، پولینڈ کو فتح کرنے کے بعد جب ہٹلر مغرب میں ”امن و چین“ پاتا تو قدرتی طور پر اس کی نظریں سویٹ روس کی طرف اٹھ جاتیں، اور ایسی صورت میں جب کہ برطانیہ اور فرانس کی ہمدردیاں بھی اس کے ساتھ ہوتیں روس کو اس کے حملے سے کون بچا سکتا تھا!

اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ سویٹ روس نے جرمنی سے یہ معاہدہ صرف اپنے بچاؤ کے لئے نہیں کیا تھا اور نہ اس معاہدے کے وقت صرف اپنے بچاؤ کا مسئلہ سوئٹ روس کے پیش نظر تھا اسلئے کہ سویٹ روس کو اگر اس موقع پر صرف

اپنی مغربی سرحدات کی حفاظت ہی کا خیال ہوتا تو وہ بجائے جرمنی کے برطانیہ اور فرانس سے سمجھوتہ کر لینا کیونکہ پولینڈ اور رومانیہ کی حفاظت کا وعدہ کر کے برطانیہ اور فرانس نے خود ہی بالواسطہ روس کی مغربی سرحدات کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی تھی اور روس ان کے ساتھ اپنی منوہیت سے اس محاذ کو اور زیادہ مضبوط بنا سکتا تھا۔

بہر حال اس معاہدے کے متعلق یہ ثابت ہو گیا کہ یہ صرف اپنی حفاظت کے لئے نہیں تھا بلکہ اس سے اپنی حفاظت کے علاوہ کبھی کبھار مقصد سوئٹ روس کے پیش نظر تھا اور یہ مقصد سوئے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ برطانیہ اور فرانس کا ہوا دکھا کر جرمنی سے اپنی غیر جانبداری کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کی جائے کیونکہ جس زمانہ میں سوئٹ روس سے برطانیہ اور فرانس کی گفت و شنید ہو رہی تھی اسی زمانہ میں سوئٹ روس اور جرمنی کے نمائندوں میں بھی اس معاہدے کے متعلق گفتگو جاری تھی لیکن فرق یہ تھا کہ فرانس اور برطانیہ سے سوئٹ روس کی گفتگو علانیہ ہو رہی تھی اور جرمن نمائندوں سے بالکل خفیہ طریقہ پر کی جا رہی تھی چنانچہ اس گفتگو کے دوران میں جب ایک مرتبہ برلن سے یہ آواز آئی کہ جرمنی اور سوئٹ روس کے درمیان بہت جلد ایک اہم معاہدہ طے پانے والا ہے تو سوئٹ روس نے اس افواہ کی فوراً تردید کر دی تاکہ برطانیہ کو اس کے متعلق کوئی شبہ نہ ہو جائے اور کہیں بنا بنا پا کھیل نہ بگڑ جائے اظہار ہے کہ محض ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ میں کوئی ایسی بات .. نہیں تھی کہ سوئٹ روس کو اسے برطانیہ سے چھپانے کی ضرورت ہوتی بلکہ اہمیت اس معاہدے کی ان شرائط کو حاصل تھی جنہیں وہ طے ہونے تک برطانیہ سے چھپانا چاہتا تھا، لیکن ساتھ ہی برطانیہ سے جو گفت و شنید

ہو رہی تھی وہ اسے الم نشرح کر دیا کرتا تھا تاکہ جرمنی پر اسکا خاطر خواہ اثر پڑے اور جلد سے جلد اس سے معاملہ طے ہو جائے چنانچہ سوئٹ روس اپنی اس چال میں کامیاب رہا۔ برطانیہ اور فرانس سوئٹ روس کی پیش کردہ شرائط کو غور ہی کرتے رہے اور جرمنی نے اس گفتگو سے گھبرا کر کچھ اختلاف کے ساتھ ان شرائط کو منظور کر کے یہ گفت و شنید کا قصہ ہی ختم کر دیا۔

اصل میں انگلستان اور فرانس کو یہ خیال تھا کہ نازی جرمنی اور سوئٹ روس کے سیاسی عقائد میں اس درجہ تضاد ہے کہ اصولاً یہ "صہدین" بہ حالات موجود بھی ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں گے اس غلط فہمی کا نتیجہ تھا کہ گفتگو کے مصالحت میں جرمن پیش قدمی کی اطلاع کے باوجود انگلستان اور فرانس اس دھوکے میں مبتلا رہے کہ روس اس

سے پہلے بھی سوئٹ روس نے اسی قسم کی حرکت کی تھی، مارچ ۱۹۲۱ء میں سوئٹ روس اور جرمنی کے درمیان ایک تجارتی معاہدے کے لئے گفت و شنید شروع ہوئی، اس گفت و شنید کے دوران ہی میں سوئٹ منسڈون نے سٹرلائڈ جارج دزیرام برطانیہ سے جینا (املی) کے مقام پر جہاں وہ "بین الاقوامی اقتصادی کانفرنس" میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے خفیہ طور پر گفتگو شروع کر دی اس توقع میں شاید برطانیہ ان سے اچھے شرائط پر معاملہ کرے اور جرمنی سے گفتگو روکنے کی لیکن جب برطانیہ کا وزیر اعظم معاملہ میں جرمنوں سے زیادہ سخت ثابت ہوا تو سوئٹ روس پھر جرمنی کی طرف متوجہ ہوا اور خلاف توقع انہیں پھلی شرائط پر جو جرمنوں نے سوئٹ کے آگے پیش کی تھیں۔ نومبر ۱۹۲۱ء کو ایک تجارتی اور دوستانہ معاہدے پر دستخط کر کے یہ معاہدہ تاریخ میں "معاہدہ رپالو" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(مؤلف)

”مقصود مشترک“ کی خاطر یورپ کے جمہور پسندوں کی طرف جھکے پر مجبور ہے اور اُسے نالتیوں کے خلاف جمہور پسندوں کی پیش کردہ شرائط پر جنگ میں لایا جاسکتا ہے۔ سویت روس اور نالتی جرمنی کے سیاسی تعلقات کی متعلق انگلستان اور فرانس کو یہ معاملہ بے وجہ نہیں تھا نالتی تحریک کی بنیاد ہی سوشلسٹ طرز حکومت کی مخالفت پر تھی اور جب سے نالتی جرمنی میں برسرِ اقتدار آئے تھے سویت روس کے خلاف خفیہ اور علانیہ سازشوں کا حال بھیجے گئے ہیں مصروف تھے اور خود سویت روس نالتیوں کی ان سازشوں سے مقابلہ کے لئے اندر دینی اصلاح اور حربی اہتمام میں لگا ہوا تھا۔

مختصر یہ کہ سویت روس کے لئے یورپ میں سب سے بڑا خطرہ نالتی جرمنی تھا جس نے مدت سے روس کو سیکل بنا رکھا تھا اور اس خطرے کو دور کرنا سویت روس کے وجود کی ضمانت کے لئے اُس ضروری ہو گیا تھا اور دراصل یہی وہ بے نقاب حقیقت تھی جو برطانیہ اور فرانس کے اس یقین کی وجہ بن گئی تھی کہ سویت روس اپنے سب سے بڑے دشمن کو پامال کر دینے کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ دیکھا اور بغیر کسی حیل و حجت کے جمہور پسندوں کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔

بادی النظر میں جمہور پسندوں کا یہ خیال غلط نہیں کہا جاسکتا اس خطرے کے مقابلہ میں جو نالتی جرمنی کی طرف سے سویت روس کو لاحق تھا، روس کا اس موقع سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہو جانا بالکل قدرتی امر ہو سکتا تھا لیکن اسٹالن اس کھلے ہوئے نتیجہ سے گریز کر گیا، جمہوریتوں سے درمیان ہی میں گفتگو توڑ دی اور اپنے سیاسی حریف اور دشمن نالتی جرمنی سے نیا رشتہ جوڑ لیا۔

اس معاملہ میں اسٹالن کا رویہ نظر بہت دلچسپ، وہ نالتی جرمنی کو بینک

ایجادِ دشمن سمجھتا ہے لیکن جمہوریوں کو بھی وہ اپنا دوست نہیں سمجھتا، ناستی خطرہ ہر وقت اس کے دل و دماغ پرستولی رہتا ہے لیکن مطلقاً وہ جمہوریوں کی حکمتِ عملی سے بھی نہیں ہو سکتا اسلئے کہ اگر ناستی روس کو اپنی فوجی طاقت سے کچلنا چاہتے ہیں تو جمہوریتیں اپنی ”سیاسی تدبیروں“ سے روس کے سوشلسٹ طرزِ حکومت کے درپے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ناستی اور جمہوریتیں دونوں سوشلسٹ طرزِ حکومت کی مخالف ہیں اور ان میں سے کوئی بھی سویٹ روس کا صحیح منوں میں دوست نہیں ہو سکتا۔

اس وقت اتفاق سے یہ دونوں یورپ میں سیاسی اور اقتصادی اثر و اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں فتح ان میں سے چاہے کسی کی ہو سویٹ روس کو اس فتح سے براہِ راست کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا، اس اعتبار سے اس لڑائی میں کسی خاص فریق کی طرف سے حصہ لینے کے یہ معنی ہوتے کہ سویٹ روس اپنے ایک دشمن کے مقابلہ میں دوسرے کو ترجیح دے اور اُسے تقویت پہنچائے۔

اسٹالن اپنے کسی دشمن کو اس نوبت پر ترجیح نہیں دینا چاہتا تھا لیکن وہ اس شہرے موقع کو بھی ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں تھا جو اسکے دونوں دشمنوں کے آپس میں کچھ جاتے کے باعث اُسے حاصل ہو گیا تھا۔

سویٹ روس کے استحکام اور مستقبل میں ناستی یا جمہوریوں کے امکانی حملوں سے روسی سرحدات کی حفاظت کا مسئلہ مدت سے اُس کے پیشِ نظر تھا اور اس اہم مقصد کو حاصل کرنے کا اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ اسٹالن نے فریقین کے اُگلے بے تکلف اپنی ”قیمت“ کا اعلان کر دیا۔

برطانیہ اور فرانس اس کو سن کر جھجکے جرمنی فی الفور ”یہ قیمت“ ادا کرنے پر تیار ہو گیا۔

اسٹالن اپنے اندازے میں کامیاب رہا اس کی ایک ہی چال میں نالتسی جرمنی اور یورپ کی جمہوریوں دونوں کو شکست ہوئی اور آئندہ جنگ میں بے لڑے بھڑے زیادہ سے زیادہ مالی غنیمت سوئٹ روس کے حصہ میں آنے کی مکمل ضمانت ہو گئی۔

نالتسی جرمنی سے فی الفور مصالحت کر لینے میں روس کا فائدہ ہی فائدہ تھا، اور فرانس اور برطانیہ سے سمجھوتہ کرنے میں نقصان کا اندیشہ زیادہ تھا اور کسی خاص فائدے کی توقع کم تھی اسلئے کہ برطانیہ اور فرانس جنگ میں سوئٹ روس سے مدد چاہتے تھے اور جرمنی صرف یہ چاہتا تھا کہ روس اس کو خام اشیاء سے مدد دیتا رہے اور لڑائی کے معاملہ میں بالکل غیر جانبدار ہو جائے۔ اور سوئٹ روس کی اس غیر جانبداری کے عوض جرمنی کچھ بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں روس کا اثر تسلیم کرنے کو تیار تھا فن لینڈ، پولینڈ اور پوکریں کا وہ حصہ جو ”برسٹ لٹووسک“ کے معاہدے کی رو سے مارچ ۱۹۱۸ء میں روس سے چھین لیا گیا تھا سوئٹ کو واپس دینے پر آمادہ تھا۔

جنوب مشرق میں ایران افغانستان تک روس کا اثر مان لینے کو تیار تھا۔ بلقان میں روس کے بڑھتے ہوئے اثر کی ضمانت کو لی تھی اور ساتھ ہی روس اور جاپان میں عارضی مصالحت کر دینے کی بھی حامی بھر لی تھی۔

محض غیر جانب داری کی اتنی بڑی قیمت اسٹالن کس طرح چھوڑ سکتا تھا؟ خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ برطانیہ اور فرانس سوئٹ روس کو اپنے ساتھ جنگ میں شامل کرنے کے بعد بھی اسے اس سے آدھی قیمت بھی دینے کو تیار نہیں تھے !

رہ اصول کا سوال، کمیونسٹوں کے اطمینان کے لئے یہ عذر اسٹالن کے پاس موجود تھا کہ اس نے جرمن کے ساتھ شریک ہو کر جمہوریوں سے

جنگ کرے گا معاہدہ نہیں کیا ہے بلکہ ان دونوں سرمایہ دار ملکوں کی کشمکش سے "علیحدہ
 رہنے" کی قیمت وصول کی ہو۔
 اور موقع ملنے پر سرمایہ دار ملکوں پر اس طرح کی ضرب لگانا کمیونزم کا بنیادی
 عقیدہ ہے۔ !

باب ۱۹

اتمامِ محبت

سوئٹ روس اور ناستی جرمنی کے معاہدے کے بعد ناستی پریس پوری شدت اور قوت کے ساتھ حرکت میں آگیا روزانہ نئے نئے انداز سے ناستیوں پر پولوں کے مظالم کی داستانیں گھڑی جانے لگیں اور طرح طرح سے پولوں کو اپنے ”مظالم“ کے عواقب اور نتائج سے ڈرایا جانے لگا۔

یہ ناستیوں کی پُرانی چال تھی وہ چڑھائی کرنے سے پہلے ہمیشہ اپنے شکار کو پروں گینڈے کے زور سے ادھموا کر دیا کرتے تھے، آسٹریا اور چکوسلاویا کے ساتھ بھی انہوں نے یہی کیا تھا اور پولینڈ کے خلاف بھی وہ اپنے اسی حربے سے کام لے رہے تھے ظاہر ہے کہ اس نوبت پر جرمنی اور برطانیہ کے درمیان پولینڈ کے معاملے میں کسی قسم کی سمجھوتہ کا امکان نہیں ہو سکتا تھا لیکن برطانیہ اب بھی مایوس نہیں تھا اس کی کوششیں اب بھی یہی تھیں کہ جرمنی اور پولینڈ کے اختلافات جنگ کے بجائے گفت و شنید ہی سے طے کر دیئے جائیں۔

لیکن ہٹلر اب ”گفت و شنید“ کے لئے تیار نہیں تھا وہ پولینڈ کو اب صرف اس صورت میں بخش سکتا تھا کہ پولینڈ اس کے ”مجوزہ شرائط پر بے حیل و حجت دستخط کر دے اور اپنے آپ کو ناستی جرمن کے حوالے کر دے چنانچہ برطانیہ کے اصرار پر ہٹلر نے یہ تجویز پیش کی کہ پولینڈ کا وزیر خارجہ کرنل بک توڈرلن آئے اور ہٹلر کے مجوزہ شرائط پر دستخط

کر جائے لیکن یہ توہین آمیز تجویز نہ پولینڈ منظور کر سکتا تھا اور نہ برطانیہ اُسے منظور کرنے کا مشورہ دے سکتا تھا۔ جب ہٹلر کی یہ تجویز رد کر دی گئی تو اس نے اس ناکامی کا الزام بھی برطانیہ پر لگایا کہ پولینڈ نے اس تجویز کو محض برطانیہ ہی کے بل پر ٹھکرا دیا، ورنہ وہ آسانی سے ہٹلر کی شرطیں منظور کر کے جنگ سے اپنے آپ کو بچا سکتا تھا۔

پولینڈ نے ہٹلر کی تجویز کو رد کرتے ہوئے اپنی طرف سے جو تجویز پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ اختلافی مسائل ایک ثالثی بورڈ کے سپرد کر دیے جائیں اور یہ بورڈ جو فیصلہ کرے پولینڈ اور جرمنی دونوں اس کو تسلیم کر لیں۔ پولینڈ کی تجویز یقیناً معقول تھی لیکن ہٹلر اس نوبت پر جبکہ پولینڈ پر حملے کی ساری تیاریاں مکمل کر چکا تھا ایسی معقول تجاویز پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، اس کی فوجیں پولینڈ میں داخل ہونے سے صرف اس طرح روکی جاسکتی تھیں کہ پولینڈ بلا کسی شرط کے خود بخود اپنے آپ کو ناسیتوں کے حوالے کرے اور یہ پولینڈ کر نہیں سکتا تھا۔

بہر حال اسی معاہدے کے بعد کامل ایک ہفتہ جرمنی اور پولینڈ کے درمیان یہی کشمکش رہی اور برطانیہ اس دوران میں برابر اپنے سفیر سر نورکل ہنڈرسن کے ذریعہ ہٹلر کو متنبہ کرتا رہا کہ اگر اس نے گفت و شنید کے بجائے پولینڈ پر حملہ کرنا پسند کیا تو برطانیہ اور فرانس قطعی طور پر اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے اور جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ یہ اطلاع سر نورکل ہنڈرسن نے اس ایک ہفتہ میں اتنی مرتبہ خود ہٹلر کو بالمشافہ دی تھی اور سر جیمز لین اور لارڈ ہیلنیکیس نے سرکاری اعلانات کے ذریعہ اس تک پہنچائی تھی کہ اسے برطانیہ اور فرانس کے ارادوں کے متعلق ہر گز کوئی شبہ نہیں رہا تھا لیکن ہٹلر اس مرتبہ فی الواقع جنگ کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے برطانیہ کے اس مشورے کی کوئی پروا نہ بنیں کی اور بڑے ہیما نہ پر اپنی فوجی

تیاریاں جاری رکھیں ۱۵

۱۳ اگست ۱۹۳۹ء کو دنیا کے دکھانے کے لئے ہٹلر نے ایک نئی چال چلی (۱۶) دفعت پر شکل ایک معاہدے کا سودہ بطور تمام حجت براؤ کا سٹ کر دیا اور اس سودہ کی ایک کاپی اس ہدایت کے ساتھ پولینڈ کے سفیر متعینہ برلن کے حوالے کر دی کہ آجرات کے بارہ بجے تک پولینڈ اس سودے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کرے یا اختتام کے ساتھ وہ ۱۶ دفعت بھٹیں۔

(۱) ڈاٹ سک کا آزاد شہر فوراجمنی میں شامل کر دیا جائے۔

(۲) کوریڈور کا فیصلہ استعصواب رائے عامہ پر رکھا جائے۔

(۳) ۱۹۱۸ء سے جو جرمن اس علاقے میں رہتے ہیں پولوں کے ساتھ اس علاقے کے لئے رائے دیں اگر یہ رائے جرمنی کے حق میں ہوں تو فوراً یہ علاقہ جرمنی میں شامل کر دیا جائے۔ اس اطمینان کے لئے کہ استعصواب رائے عامہ صحیح طریقہ پر ہو رہا ہے، اٹلی، سویٹ روس، برطانیہ اور فرانس کی ایک کمیٹی نگرانی کے لئے مقرر کی جائے۔

(۴) اس علاقہ کی پولش بندرگاہ ”گڈینیہ“ *Gdynia* کا مسئلہ جرمنی اور پولینڈ میں گفتگو سے طے ہو سکتا ہے اور اگر ضرورت ہوئی تو اسے

۱۵ اس موقع پر ہٹلر سے صلح اور آشتی کی اپنی طرف برطانیہ ہی نے ہتھیں کی بلکہ امریکہ کے پریسڈنٹ روم کے پوپ اعظم کے علاوہ اٹلی، بلجیم، ڈنمارک، ناروے اور سوئیڈن کے حکمرانوں نے ایک ایک کر کے ہٹلر سے اپیل کی کہ اس اختلاف کو وجہ بنا کر جنگ شروع نہ کرے اور سب آخروں میں میڈمولینی نے اس تفسیر کو بین الاقوامی کمیشن کے ذریعے طے کر دینے کی ذمہ داری لی لیکن یہ ساری کوششیں بیکار گئیں ہٹلر نے جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ اپنا فیصلہ بدلنا نہیں چاہتا تھا۔ (مولف)

بین الاقوامی ثالثی کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔

(۵) کوریڈور کے متعلق اسقواب رائے عامہ اس معاہدے سے بارہ مہینے بعد شروع ہوگا

(۶) اس دوران میں جرمنی کو اس علاقہ سے گذر کر اپنے علاقہ میں جانے کے لئے سڑکیں اور ریلیں بنانے کی اجازت دیدی جائے گی۔

(۷) رائے عامہ کی اکثریت کا فیصلہ محض رائے شماری سے کیا جائے گا۔

(۸) اگر رائے عامہ کا نتیجہ جرمنی کے خلاف ہو تو جرمنی کی ان سڑکوں کی جو ڈانٹ سک اور پریشیا کو ملانی ہے حفاظت کی ضمانت کی جائے گی اور اگر

جرمنی کے حق میں ہو تو جرمنی اور سڑکیں بنائے گا لیکن اس کی تعمیر میں اس بات کا خیال رکھا جائیگا کہ ان سے پو لینڈ کے مفاد کو نقصان نہ پہنچے

(۹) کوریڈور اگر جرمنی کو مل گیا تو پو لینڈ کے مشورے سے حتی الامکان جرمن امد پول آبادی کا تباد ل کر لیا جائیگا۔

(۱۰) ڈانٹ سک میں پولوں کے گڈ نیہ میں جرمنوں کے خاص حقوق، آپس میں گفتگو سے طے کئے جائیں گے۔

(۱۱) ڈانٹ سک اور گڈ نیہ صرف تجارتی مرکز رہیں گے یہاں قلع نہیں بنائے جائیں گے۔ اور نہ فوجیں رکھی جائیں گی۔

(۱۲) ڈانٹ سک اور گڈ نیہ ہی نہیں بلکہ وہ سارا علاقہ جس میں یہ دونوں بندرگاہیں واقع ہیں غیر قلعہ بند رہیگا۔

(۱۳) جرمنی کو پو لینڈ سے اور پو لینڈ کو جرمنی سے بہت سی شکایتیں ہیں۔

یہ شکایتیں بین الاقوامی کمیشن کے آگے پیش ہونگی اور ۱۹۱۸ء سے اب تک کے حالات کا جائزہ لیکر کمیشن جس سے جو نقصان دلائے گی قبول کر لیا جائیگا

(۱۴) جرمنی میں رہنے والے پولوں کی اور پولینڈ میں رہنے والے
جرمنوں کے قومی حقوق کے حفاظت کی ضمانت کی جائے گی اور جنگ کی
صورت میں انہیں انکی مرضی کے خلاف جبراً فوج میں بھرتی نہیں کیا
جائے گا۔

(۱۵) ان تجاویز کو طرفین جیسے ہی اصولاً تسلیم کر لیں گے دونوں طرف
سے فوجیں ہٹالی جائیں گی۔

(۱۶) اس معاہدے کے نفاذ کے سلسلہ میں اور جو تدابیر مناسب معلوم
ہوں گی وہ آپس کے مشورے سے طے کر لی جائیں گی۔

معاہدہ کا یہ مسودہ مختار ہٹلر کی طرف سے ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء کی شام کو برلن
ہوا اور اسی وقت پولینڈ کے سفیر مقیم برلن کے حوالے کیا گیا اور اسے ہدایت کی گئی کہ
اسپر پولینڈ کی رضا مندی آج ہی رات بارہ بجے تک حاصل ہوتی چاہئے
اس مسودے کی کوئی نقل برطانیہ کو نہیں دی گئی اور نہ نشر کرنے سے پہلے اس
مسودے کی برطانیہ کو اطلاع ہونے پائی۔

پولش سفیر اس الٹی میٹم کو سن کر گھبرا گیا اور اسی وقت اس نے ٹیلیفون
پر اپنی حکومت سے گفتگو کرنی چاہی۔ لیکن معلوم ہوا کہ جرمنی اور پولینڈ کے درمیان
سارے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیئے گئے نہیں اور پولش سفیر کا کوئی پیغام اس کی
حکومت تک نہیں پہنچ سکتا۔

پہلی ستمبر کی صبح کو پولینڈ ہی جرمن فوجیں پولینڈ کی سرحد میں داخل
ہو گئیں اور اسی دن ہٹلر نے برلن میں ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ بتلایا
گیا تھا کہ:-

”جب تک کو روکنے کے لئے انتہائی روادارانہ شرائط جرمنی نے پولینڈ کے آگے پیش کیں لیکن پولینڈ نے انہیں منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اس پاگل پن کا علاج ہمارے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ قوت کا جواب قوت سے دیں۔“

سہلکر نے پولینڈ پر چڑھائی کر دی، اب برطانیہ اور فرانس کو بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی تھیں۔ برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے اپنے اپنے سفیروں کی مدد سے سہلکر کو یہ آخری نوٹ بھیج دیا کہ:-

”جرمن چانسلر کے اعلان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جرمنی پولینڈ پر حملہ کرنے والا ہے۔ جرمنی کی یہ حرکت پولینڈ کے خلاف صریح زیادتی تھی اور اس سے برطانیہ اور فرانس پر وہ ذمہ داریاں عائد ہو جائیں گی جو پولینڈ کی آزادی کی حفاظت کے لئے قبول کی گئی تھیں۔ تاؤ فلنک جرمن حکومت پولینڈ میں اپنی جارحانہ پیش قدمی نہ روکے۔ اور اپنی فوجوں کو واپس نہ بلائے۔ برطانیہ اور فرانس سبے تامل پولینڈ کی مدد کا اعلان کر دیں گے۔“

اس نوٹ کا بھی جیسا کہ یقین تھا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جرمن حکومت نے اس پر مطلق وقفہ نہیں دی، برطانیہ اور فرانس کے سفیروں نے اپنی اپنی حکومتوں کی ہدایت کے بموجب جرمن حکومت سے اپنی رخصت کا پروانہ طلب کر لیا اور ادھر وزیر اعظم برطانیہ نے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو دارالعوام میں سہلکر کی امن سوز حرکتوں کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے پولینڈ کے خلاف اس کی نازہ یورش کا ذکر کیا، اور پولینڈ کی

حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔
 اسی دن فرانسیسی حکومت نے بھی پولینڈ کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اس
 طرح پچیس برس کے اندر دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

باب

پولینڈ پر جرمنی اور روس کا حملہ اور بال غنیمت کی تقسیم

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو سورج نکلنے سے پہلے پہلے پولینڈ پر جرمنوں کا حملہ شروع ہو گیا۔ جرمن بمباروں نے آگے بڑھ کر بڑے بڑے شہروں پر بم برسائے اور جرمنوں کی موٹر سوار فوج اور ٹینکوں کے دستوں نے اکٹھے پانچ مقامات سے پولینڈ کی سرحدوں میں داخل ہو کر ایک ساتھ نہایت تیزی سے دارسا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

پولینڈ کے سپاہی اپنی فطری حی داری سے ہر محاذ پر جرمنوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور وہ دن تک جرمنوں کو سرحدی مورچوں سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ ستمبر کو انہیں یہ اطلاع ملی کہ برطانیہ اور فرانس نے ان کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے۔ اس خبر نے ان کے حوصلے اور بڑے عادیے لیکن اپنے سے کئی گنے زیادہ جرمن ہڈی دلی کو جو لوہے اور فولاد کے سیلاب کی طرح سب طرف سے ان پر اُمنڈنا چلا آ رہا تھا محض اپنی بہادری کے بل پر زیادہ عرصہ تک روکے رکھنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا اور وہ دارسا کی طرف پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

پولینڈ کے پاس سامان جنگ کی بہت کمی تھی، نہ اس کے پاس قابل ذکر تعداد میں ہوائی جہاز تھے اور نہ ٹینک ٹرک تو ہیں تھیں نہ موٹر سوار فوجی دے تھے اور نہ مسلح گاڑیاں اس قدر تعداد میں تھیں کہ دشمن کی پیش قدمی کو روک سکیں

پولوں کے پاس صرف ان کی روائتی بہادری تھی لیکن نہتی بہادری اور تباہ کن اسلحہ کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نتیجہ اس لڑائی کا وہی ہوا جس کا خطرہ تھا، بہادر پول لڑتے ہوئے سپاہیوں نے سپاہیوں نے سپاہیوں نے پولوں کے گرد نہایت تیزی سے اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا۔ پولوں کا خیال تھا کہ وہ پیچھے ہٹ کر پولینڈ کے مشرقی میدانوں میں دریا و سچلہ کے کنارے اپنا بیامور چھبائیں گے اور یہاں اپنے قدم جما کر جرمنوں کا مقابلہ کریں گے لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ جرمنی کی ”میکانائزڈ فوجیں“ اس قدر تیزی سے پولوں کے گرد اپنا حصار تنگ کر لی تھیں کہ پولش فوجوں کو اپنی تنظیم قائم رکھنی مشکل ہو گئی۔ سپاہیوں نے پولش دستے اپنے مرکز سے جدا ہو گئے اور انہیں اسکا بھی پتہ نہ رہا کہ ان کا ہائی کمانڈ کس جگہ ہے اور ان سوالات میں اس کی ہدایات کیا ہیں۔

جنگ شروع ہونے کے صرف پندرہ دن کے اندر اندر دارسا گھر چکا تھا پولینڈ کی حکومت دارسا سے فرار ہو کر رومانیہ کی سرحد پر ایک قصبے ”کیوٹی“ میں پناہ گزیں تھی، پولش ہائی کمانڈ بے انز ہو چکا تھا، اول تو اس کے احکام پولش فوجوں تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے اور جو پہنچ بھی جلتے تھے تو پول ان کی تعمیل نہیں کر سکتے تھے۔ غرض حالات نہایت تیزی سے بگڑ رہے تھے اور پول ان کے علاج سے معذور نظر آ رہے تھے جب پولینڈ کی حکومت نے دیکھا کہ اس کی فوجیں سب طرف سے گھر گئیں، اور ملک میں اس درجہ انتشار بڑھ گیا ہے کہ وہ کسی طرح اسے دور نہیں کر سکتیں تو ۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کی صبح کو حکومت پولینڈ کے بہت سے افسر جن میں پولینڈ کا کمانڈر انچیف ”جنرل اسمگلر“ بھی شامل تھا ”کیوٹی“ سے

بھاگ کر رومانیہ کی سرحد میں داخل ہو گئے اور رومانیہ نے انہیں نظر بند کر دیا۔ پولینڈ کے حکومت کے فرار ہونے ہی پولش فوجوں کی مدافعت کا خاتمہ ہو گیا، بہت سے فوجی افسر بھی پولینڈ چھوڑ چھوڑ کر ہمایہ ملکوں میں بھاگ گئے اور پولش فوجوں نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا۔ عین اسی وقت مشرق سے روس نے پولینڈ پر حملہ کر دیا اور کچی کچی ریزرو پولش فوجوں نے بھی اس تازہ دم دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دیے۔

پولینڈ پر روس کا حملہ غیر متوقع نہیں تھا، ۲۳ اگست ۱۹۳۹ء کو جرمن روسی معاہدے کے بعد ہی یہ اندازہ کر لیا گیا تھا کہ پولینڈ کے مال غنیمت میں روس بھی جرمنی کا برابر کا شریک ہو گا۔ چنانچہ یکم ستمبر کو جب جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کیا تو روس نے اس حملہ پر اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی اور ۱۶ ستمبر کو جب پولینڈ کی مدافعت کی لائن لوٹ گئی تو سوویت روس کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ موسیو مولوٹوف نے پولینڈ کے سفیر کو طلب کر کے یہ تحریر اس کے حوالے کر دی:۔

”جرمن پولش جنگ میں پولینڈ کی حکومت ہر اعتبار سے دیوالیہ ہو چکی ہے دارس اب پایہ سخت باقی نہیں رہا اور نہ موجودہ پولینڈ کی حکومت ملک میں باقی ہے اسلئے پولینڈ نے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا جو معاہدہ (۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء کو) کر رکھا تھا وہ ساقط ہو گیا۔“

روس ان حالات میں پولوں کو جنگ کی آگ سے باہر نکالنے اور روسیوں کی مدد کے لئے جو تجاویز مناسب سمجھے گا اختیار کر لگا۔ پولینڈ کے سفیر نے موسیو مولوٹوف کی یہ تحریر قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس سے سوویت روس کے ارادوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دوسرے دن صبح سویرے یعنی

۱۷ ستمبر ۱۹۳۹ء کو روسی فوجوں کا ڈی دل لاکھوں کی تعداد میں پولینڈ کی سرحد میں داخل ہو گیا اور ۲۱ ستمبر ۱۹۳۹ء تک اس نے پولینڈ کا اس سے زیادہ مشرقی علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا جو ۱۹۱۸ء میں برسٹ لوڈسک کے معاہدے کی رو سے اُسے چھوڑنا پڑا تھا۔

۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اسی برسٹ لوڈسک میں جہاں ۲۱ برس پہلے جرمنوں اور روسیوں میں معاہدہ ہوا تھا ایک نیا معاہدہ روس اور جرمنی کے درمیان طے ہوا جس میں روسی اور جرمن سرحدوں کا تعین کیا گیا، لیکن سرحدوں کے اس تعین میں چونکہ جرمنی کو کافی نقصان رہا تھا اور روس آدھے سے زیادہ پولینڈ پر مع اس کے زرخیز علاقوں کے شامل ہو گیا تھا اسلئے ۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء کو اس معاہدہ پر دوبارہ غور کیا گیا اور دوبارہ کسی قدر رد و بدل کے ساتھ نئی سرحدیں متعین کی گئیں اس معاہدے کی رو سے پولینڈ کو تقریباً نصف نصف کر دیا گیا آدھا جرمنی کے حصہ میں آیا اور آدھے پر روس نے قبضہ کر لیا۔

اس سلسلہ میں دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ پولینڈ کی قوتِ مدافعت کو توڑنے میں جرمنی کو تو بہت کچھ جانی اور مالی قربانیاں کرنی بھی پڑیں لیکن سویٹ روس نے اپنے کا ایک قطرہ بہا کے بغیر آرام سے مالِ غنیمت میں آدھے کا شریک ہو گیا !
یہ اس معاہدے کی قیمت میں ”پہلی قسط“ تھی جو سہلے نے اسٹالن کو ادا کی۔

جرمن روسی معاہدہ کی نوعیت کے متعلق اگر کوئی شبہ باقی رہ گیا تھا تو پولینڈ پر روسی حملے اور مالی غنیمت میں نصف کی شرکت کے بعد وہ بھی رفع ہو گیا، اور یہ ظاہر ہو گیا کہ ملک گیرمی کی ہوس میں سویٹ روس اور نازی جرمنی برابر کے شریک ہیں۔ اپنا یہ اصول جسکا سویٹ روس نے بڑا چرچا کیا تھا کہ ”نہ ایک انچ زمین

اپنی دیں گے نہ ایک انچہ زمین کسی کی لیں گے، محض ایک نقاب تھی جو موقع اور وقت کے انتظار تک سویٹ روس نے اپنے چہرہ پر ڈال رکھی تھی !

بہر حال سویٹ روس کے اس اقدام سے دنیا کے غیر جانبدار ممالک کو جن میں امریکہ بھی شامل تھا ایک دھکسا ضرور لگا لیکن اس سے برطانیہ اور فرانس کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ سب سے پہلے برطانیہ کے وزیراعظم پیٹرک پیرس نے درالوہ میں اس حادثہ کا ذکر اور یہ اعلان کر دیا کہ برطانیہ اب بھی اپنی بات پر قائم ہے اور برطانیہ اس نے پولینڈ کو دی تھی۔ وہ اُسے بہر حال پورا کرنے کو تیار ہے۔

یہاں یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ پولینڈ کا وجود تو باقی نہ رہے لیکن اس کا وجود کی "طمانیت" بدستور باقی رہے ! لیکن فی الحقیقت یہ بات اس قدر عجیب اور ناقابل فہم نہیں ہے۔

برطانیہ اور فرانس نے دراصل فوجی قوت کے بل پر اپنے اختلافات کو طے کرنے کے اصول کو لے کر لے کر انکار کیا تھا اور یہی طمانیت پولینڈ کو دی تھی کہ اگر جرمنی نے گفت و شنید کے ذریعہ اپنے اختلافات کو دور کرنے سے گریز کیا اور پولینڈ پر اپنی فوجی سے حملہ کر دیا تو برطانیہ اور فرانس جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ اس اعتبار سے چاہے پولینڈ باقی رہے یا نہ رہے لیکن فوجی قوت کے بل پر اپنے اختلافات کو طے کر لینے کا اصول بدستور باقی تھا اور جب تک یہ باقی رہے برطانیہ اور فرانس اصولاً اپنی زبان سے نہیں پھر سکتے تھے۔ !

باب ۲

دوسری جنگِ عظیم کا آغاز اور ہنگری کی درخواستِ صلح

۳۱ ستمبر ۱۹۳۹ء کو پہلے برطانیہ نے اور اس کے بعد فرانس نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، اٹلی اور اسپین کی ہمدردیاں اگرچہ جرمنی کے ساتھ تھیں، لیکن بمصاحمتاً ان قیوں نے جنگ میں حصہ لینے سے گریز کیا، ہنگری یوگوسلاویہ اور رومانیہ سے جرمنی کے تجارتی معاہدات تھے لیکن ان ممالک نے بالکل غیر جانب دار رہنے کا فیصلہ کیا، اسی طرح بلجیم، ہالینڈ، ڈنمارک، ناروے، سویڈن اور فن لینڈ نے بھی اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا، البتہ ترکی کی ہمدردیاں برطانیہ اور فرانس کے ساتھ تھیں اور اس سے ایک جارحانہ اور مداخلتہ سبھوتے کی گفت و شنید ہو رہی تھی۔

برطانیہ کے ساتھ اس کی ساری نو آبادیات، کنیڈا، جزیریہ افریقہ، آسٹریلیا نیوزی لینڈ اور ہندوستان نے اور فرانس کے ساتھ اسکی نو آبادیات مراکش، الجزائر و وسطی افریقہ اور انڈوچائنا وغیرہ نے بھی جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس طرح یہ جنگ شروع ہوئی جس میں ایک گروہ برطانیہ اور فرانس اور ان کے متعلقین کا تھا اور دوسرا جرمنی، اس کے ہمدرد اور دسائگی جنگ کا۔ امریکہ کی قطعی رائے کا ابھی اظہار نہ ہو سکا تھا وہاں یورپین جنگ سے علیحدہ رہنے کا خیال

جڑا پکڑ گیا تھا اور امریکہ کے لوگ اس کے لئے بالکل آمادہ نہیں تھے کہ کسی یورپین گروہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہو جائیں۔ البتہ برطانیہ اور فرانس کے ساتھ محض اسلحہ انہیں ہمدردی تھی کہ یورپ کی یہ دونوں سلطنتیں طرہ حکومت کے اعتبار سے امریکہ سے قریب تر تھیں۔ اور ان سلطنتوں اور ان کے مقبوضات سے امریکہ کے نہایت اچھے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

اعلان کے ساتھ ہی برطانیہ اور فرانس کی طرف سے جرمنی کے خلاف فوراً کوئی فوجی کارروائی کا آغاز نہیں ہوا اسلئے کہ برطانیہ اور فرانس جارحانہ پیش قدمی کے بجائے مدافعانہ جنگ لڑنی چاہتے تھے۔ چنانچہ فرانسیسی فوجوں کے کمانڈر اچھٹ "جنرل گلان" نے اسی اصول کے پیش نظر اپنی فوجیں "مارن لائن" پر اکٹھی کرنی شروع کر دیں اور اپنی طرف سے صرف جرمنی کی "میگنڈ لائن" کے کمزور مقامات کی تلاش میں کچھ فرانسیسی دستے گشت کے لئے بھیجے رہے پر اکتفا کر لیا۔ لیکن جرمنی کی طرف سے اس قدر ڈھیل نہیں دی گئی۔ جرمنی کی سب میرین اور یو ب وٹ کشتیاں جو اعلان جنگ سے پہلے ہی بڑی تعداد میں بحیرہ شمالی اور بحیرہ اٹلانٹک میں موقع بہ موقع متعین کر دی گئی تھیں۔ اعلان جنگ کے فوراً ہی بعد برطانیہ کے تجارتی اور غیر تجارتی جہازوں کے خلاف حرکت میں آ گئیں ان کشتیوں کا پہلا ہی شکار ایک مسافر جہاز "اتھنیا" بنا جو اعلان جنگ کے صرف آٹھ گھنٹہ بعد ایک ہزار ایک سو چار مسافروں کو لیکر (جو زیادہ تر امریکن تھے) کنیڈا جا رہا تھا، یہ جہاز آئر لینڈ سے صرف ڈھائی سو میل کے فاصلہ پر تھا جب جرمن سب میرین نے تار پیڈ مار کر اسے ڈبو دیا اس حادثہ میں اس جہاز کے (۱۱۲) مسافر کام آئے باقی مسافروں کو برطانیہ کے جہازوں نے جو فوراً موقع پر پہنچ گئے تھے بچا لیا۔

اس حادثہ سے جرمنی اور برطانیہ کے درمیان بحری جنگ کا آغاز ہوا
جرمن یو بٹ اور سب میرن کشتیوں کے خلاف برطانوی بحری بیڑے نے سرگرمی
دیکھائی شروع کر دی اور برطانوی تجارتی جہازوں کی سلامتی کا نیا اور موثر طریقہ
اختیار کیا جانے لگا۔

برطانیہ نے یو بٹ کے حملوں کی روک تھام کے علاوہ جرمنی کی بحری ناکہ بندی
کا بھی اعلان کر دیا اور ان سب جہازوں کو جو اٹلانٹک اور بحیرہ شمالی سے گزریں اپنی
تلاشی دینے پر مجبور کر دیا اس کے جواب میں جرمنی نے سمندر کے بعض خاص راستوں اور
بندرگاہوں پر بارود کی سرنگیں بھجانی شروع کر دیں ان سرنگوں سے بہت سے تجارتی
جہاز جن میں غیر جانب دار ملکوں کے جہاز زیادہ ہوتے تھے ٹکرانے لگے اور غرق ہونے لگے۔
بہ صورت حال غیر جانب دار ملکوں کے لئے بہت تکلیف دہ اور نقصان رساں
تھی ان کی تجارت پر اس بحری ”داروگیر“ کا بہت اثر پڑ رہا تھا ان ملکوں نے برطانیہ
اور جرمنی دونوں سے اسکی شکایت کی لیکن یہ شکایتیں بے نتیجہ تھیں نہ برطانیہ اپنی بحری
ناکہ بندی سے دست بردار ہو سکتا تھا اور نہ جرمنی اس ناکہ بندی کو توڑنے کی تدابیر
سے باز آ سکتا تھا۔

جس طرح بحری بیڑے کے مقابلے میں برطانیہ کی روش مدافعتی تھی اسی طرح

۱۵ جرمن جنگی جہاز آباد رزکشتیوں اور یو بٹوں میں جنہیں برطانیہ کے بحری بیڑے نے پناہ نہ
بنایا ”گرافن ہاپل“ جرمنی کا سب سے بڑا جہاز تھا اس کو برطانیہ کے چار جہازوں نے جزو بنی
امریکہ کی ایک بندرگاہ ”مونٹی ویڈا“ میں گھیر لیا جب اس کا نکل بھاگنا ناممکن ہو گیا تو اس
جہاز نے ہنٹر کے حکم سے ”خودکشی“ کر لی۔ (مولف)

فرانس کے محاذ پر بھی فرانسیسی اور انگریز فوجیں مدافعتانہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

اگرچہ بعض فرانسیسی دستوں نے ”ماژولائسن“ سے قدرے آگے قدم بڑھا کر جرمنی کی سرحد پار اپنے مورچے قائم کر لئے تھے اور جرمنی کے ایک سرحدی شہر، ”ساربروکن“ کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا تھا لیکن اس کے باوجود فرانسیسی فوجیں سرگرمی کے ساتھ جرمنی میں اپنی پیش قدمی جاری رکھنے پر مائل نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ ”ماژولائسن“ سے آگے بڑھ کر نئے مورچے بھی انہوں نے محض اپنی حفاظت کے لئے بنائے تھے ورنہ حملے میں وہ پہل نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

فرانسیسی ہائی کمانڈ کی اس پالیسی کے باعث کئی دن تک فرانسیسی فوجیں اپنے نئے مورچوں پر ”سناٹا“ رہیں اور میکفریڈ لائن کی جرمن فوجیں صرف انہیں روکے رکھنے کے کام میں مصروف رہیں۔ مہلک اس دوران میں پولینڈ کی جنگ کو مہابت تیزی اور کامیابی کے ساتھ ختم کر کے پلٹا اور انہیں جرمن فوجوں کو جنہوں نے پولینڈ فتح کیا تھا فرانسیسی محاذ پر بھیج دیا۔

اصل میں فرانسیسی کمانڈر انچیف جنرل گلان کو یہ غلط فہمی تھی کہ جرمنی کا انداز جنگ وہی ہوگا جو ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں اس نے اختیار کیا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنی فوجوں کو اسی اصول پر تدفعت کے لئے تیار کیا تھا اور نئے مورچوں پر اپنی فوجیں ڈالکر اس اطمینان سے ہو بیٹھے تھے کہ پولینڈ کی فوجیں کم سے کم چھ مہینے تک جرمنوں سے بھگتتی رہیں گی اور اس عرصہ میں فرانسیسی فوجیں ”میکفریڈ لائن“ میں کوئی رخسہ دریافت کر کے جرمنی پر حملہ کر دیں گی۔ لیکن جس تیزی سے جرمنوں نے پولش فوجوں کے گرد حلقہ ڈال دیا اور اپنے ہوائی جہاز اور ٹینکوں کی مدد سے پولش تدفعت کو روند دیا۔

اس سے فرانسیسی ہائی کمانڈر جرمنوں کا نیا انداز جنگ ظاہر ہوا جس کی مدافعت کے لئے جنرل گلان کو اپنی فوجی ترقیت پر نظر ثانی کرنی پڑی۔

بہر حال پولینڈ فتح ہونے کے بعد برطانیہ اور فرانس سے جرمنی کا براہ راست مقابلہ تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نہ جرمنی فی الفور فرانسیسی محاذ پر حملہ کرنا چاہتا ہے اور نہ برطانیہ اور فرانس کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی پہل کرنے پر آمادہ تھے، اطفین اپنے اپنے مورچوں کی درستی اور مدافعت میں مصروف رہے اور ان کی میسر و فیت برابر کئی مہینے جاری رہی۔

اسی دوران میں پولینڈ کی فتح کے بعد ہٹلر کی طرف سے برطانیہ اور فرانس کے آگے صلح کی ایک تجویز بھی پیش کی گئی جس میں ہٹلر نے یہ اعلان کیا تھا کہ آئندہ وہ یورپ میں کوئی اقدام نہیں کرے گا اسکا آخری مطالبہ جو ڈانٹ سک اور کوریڈور کے متعلق تھا وہ پورا ہو گیا اب وہ امن و امان کے ساتھ جرمنوں کی اصلاح و ترقی کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ یہ تجویز پیش کرے ہوئے ہٹلر کی دلیل یہ تھی کہ برطانیہ اور فرانس نے بس ریاست کے تحفظ کی ضمانت کی تھی وہ ریاست ہی چونکہ باقی نہیں رہی اسلئے برطانیہ اور فرانس کے پاس جرمنی کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا بظاہر کوئی سبب نہیں رہا۔ اگر پولینڈ کی موجودہ تقسیم کو برطانیہ تسلیم کرے تو پھر برطانیہ اور جرمنی، اور فرانس اور جرمنی میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی، ہٹلر کی اس تجویز کی اسٹالن کی طرف سے بھی تائید ہوئی تھی اور اسٹالن یہ ضمانت دیے کو بھی تیار تھا کہ اگر پولینڈ کی تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تو ہٹلر یورپ میں کوئی نیا اقدام نہ کرے گا۔ لیکن برطانیہ اور فرانس نے نہ ہٹلر کی پیش کردہ تجویز صلح پر کوئی توجہ دی اور نہ اسٹالن کی ضمانت سے وہ متاثر ہو سکے۔ ان کا غرض یہ تھا کہ ہٹلر اتنی مرتبہ اپنے معاہدوں سے پھر چکا ہے کہ اب نہ

سرمے سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، دوسرے نالستی ازم کی بنیاد ہی جارحانہ سیاست پر رکھی گئی ہے جب تک یہ جرمنی میں باقی ہے اُس وقت تک ہٹلر جیسا ہے تب بھی یورپ میں کسی نئے اقدام سے باز نہیں آسکتا اس کے علاوہ پولینڈ کی تقسیم محض قوت کے بل پر عمل میں آئی ہے اس تقسیم کو تسلیم کر لینے کے معنی ہونگے کہ آئندہ یورپ کی چھوٹی بڑی ریاستوں کے متعلق یہ اصول منظرِ بجائے اور ان ساری ریاستوں کا وجود خطرے میں پڑ جائے جنہیں "نالستی فلسفہ" سے کوئی لگاؤ یا دلچسپی نہیں ہے۔

رہی سویت روس کی یہ طمانیت کہ یورپ میں آئندہ امن و امان قائم رکھا جائے گا اس لئے درخواریاں نہیں کہ سویت روس خود قوت کے بل پر پولینڈ کی تقسیم کے معاملہ میں ایک طرفتی ہے جرمنی کے ساتھ مل کر ایک چھوٹی مٹی ریاست کے وجود کو ختم کرے پس اسکا بھی حصہ ہے اور برطانیہ اور فرانس کے نزدیک پولینڈ کے معاملہ میں وہ بھی اصولاً قوت کی نمائش کا اسی قدر مجرم ہے جیسے جرمنی، اس اعتبار سے اسکی اس طمانیت کا برطانیہ اور فرانس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ ایسی طمانیت کی دنیا کی نظروں میں کوئی وقعت سمجھ سکتی ہے۔

برطانیہ اور فرانس کی طرف سے ہٹلر کی اس درخواست کے رد ہونے کے بعد جرمنی کے اخباروں نے یک زبان ہو کر برطانیہ اور فرانس کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا جس آئندہ جنگِ عظیم کا سارا الزام برطانیہ اور اسکے ساتھی فرانس کے سر ڈالا گیا اور دنیا پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی کہ جرمنی اور سویت روس دونوں اس پسندِ ملک ہیں وہ خود برطانیہ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے لیکن برطانیہ خواہ مخواہ پولینڈ کا غدار درمیان میں رکھ کر جرمنی اور سویت روس سے لڑنا چاہتا ہے حالانکہ پولینڈ سے اُسے کسی اعتبار سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی، نہ پولینڈ کے وجود کا وہ تنہا ذمہ دار تھا، اور نہ پولینڈ کی

تقسیم سے براہ راست اسپر کوئی اثر پڑ سکتا ہے ۱۵

اسی کے ساتھ ہٹلر نے ایک اور چال بھی چلی، فرانس اور برطانیہ کے اتحاد کو توڑنے کی خاطر اس نے پہلے برطانیہ کو لالچ دیا کہ اگر وہ اس موقع پر فرانس کو چھوڑ کر علیحدہ کھڑا ہو جائے تو اسکی سلطنت پر کوئی ایجنج نہ آنے دی جائے گی لیکن جب برطانیہ نے ہٹلر کی پیشکش بھی ٹھکرا دی تو اس نے فرانس کو یہ کہہ کر برطانیہ سے برگشتہ کرنا شروع کر دیا کہ جرمنی اور فرانس کی کوئی لڑائی نہیں ہے جرمنی کا اصل دشمن صرف برطانیہ ہے اگر فرانس جرمنی کے راستہ سے ہٹ جائے اور اسے تنہا برطانیہ ہی سے منٹ لینے دے تو جرمنی فرانس کی اور اس کے مقبوضات کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری لینے کو تیار ہے۔ لیکن جب برطانیہ کی طرح فرانس بھی ہٹلر کی اس چال میں نہ آیا تو اس نے یورپ کے غیر جانب دار ممالک اور امریکہ کو اپنے پروپیگنڈے سے متاثر کرنے کی کوشش شروع کر دی لیکن ہٹلر کو اس معاملہ میں بھی ناکامی ہوئی یورپ کے دوسرے غیر جانبدار ممالک ایک طرف تو ڈاٹلی بھی جرمنی کے اس پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو سکا پولینڈ کا سفیر دستوراً ٹلی میں موجود رہا اور ڈاٹلی کی حکومت بدستور اسے جائز حکومت کا نمائندہ سمجھتی رہی ۱۵

۱۵۔ واقعہ یہ تھا کہ پولینڈ کی تعینم کے بعد اپنے حصہ کو ہضم کرنے کی خاطر روس بہت زیادہ جرمنی کی طرف جھکا ہوا معلوم ہوتا تھا اور برطانیہ اور فرانس کے خلاف پروپیگنڈے میں بھی روس کا پریس جرمنی کا ساتھ دیر ہاتھا ہٹلر نے اس سے فائدہ اٹھایا اور سوئٹ روس کا ہوا دکھا کر برطانیہ اور فرانس کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن جب ہٹلر کو اپنے پروپیگنڈے میں ناکامی ہوئی اور جنگ کسی طرح ٹلتی ہوئی نہ معلوم ہوئی تو اس نے سوئٹ روس کی کامل غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اور ہٹلر کو تنہا برطانیہ اور فرانس کے مقابل آنا پڑا۔ (مولف)۔ ۱۵ پولینڈ کی حکومت اپنی شکست کے بعد دار اسے فرار ہو کر پہلے رومانیہ میں آئی اور رومانیہ سے یہ پریس منتقل ہو گئی۔ پولینڈ کے پریسیڈنٹ موکی مستعفی ہو گئے، رومانیہ بجائے امریکہ کی وزیر پریسیڈنٹ منتخب ہوئے اور جنرل سکیورسکی وزیر اعظم اور وزیر جنگ (باقی صفحہ)

اصل میں یورپ کے غیر جانبدار ممالک پر یہ روشن ہو گیا تھا کہ ہٹلر یورپ کے معاملات میں اپنی مرضی سے کام لینا چاہتا ہے اور انہیں کسی طاقت کی مداخلت کو پسند نہیں کرتا۔ ظاہر ہے کہ یورپ کے غیر جانبدار ممالک روس اور جرمنی کو یورپ میں اس قدر آزاد چھوڑ دینا پسند نہیں کر سکتے تھے اور نہ امریکہ اسے گوارا کر سکتا تھا کہ ڈکٹیٹر اپنی مرضی سے یورپ کا سارا قدیم نظام ہی بدل دیں اور کوئی انہیں روکنے والا ہی نہ ہو چنانچہ جب ہٹلر کا یہ آخری حربہ بھی ناکام رہا اور اسپرہ ثابت ہو گیا کہ نہ تو امریکہ برطانیہ پر زور ڈالے گا کہ وہ جرمنی سے صلح کر لے اور نہ یورپ کے دوسرے غیر جانبدار ممالک برطانیہ کے خلاف اسکا ساتھ دیے کو تیار ہیں اب اس کے لئے پولینڈ کے مالی غنیمت کو ہضم کرنے کے سلسلہ میں تلوار اٹھانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹)

مقررہ گئے، کرنل بک اور جنرل انگلی رائز دونوں اپنے اپنے عہدوں سے علیحدہ کر کے چلے گئے اس حکومت نے پولینڈ کے نام پر غیر جانبدار ممالک میں اپنا کام جاری رکھا اور غیر جانبدار ممالک نے اس حکومت اور اسکے ناسندوں کو تسلیم کر لیا۔ فرانس کی شکست کے بعد پولینڈ کی حکومت پیرس سے لندن آگئی۔ اور اس وقت یہ وہیں قائم ہے۔ (مولف)

باب ۲۲

برطانیہ فرانس اور ترکی کا اتحاد

برطانیہ نے پولینڈ کی طرح رومانیہ اور یونان کے تحفظ کی طمانیت بھی دیدی تھی لیکن دقت یہ تھی کہ جس طرح روس کی امداد کے بغیر برطانیہ پولینڈ کی مدد نہیں کر سکتا تھا اسی طرح ترکی کی تائید و حمایت کے بغیر وہ رومانیہ اور یونان کو نالستی حملوں سے نہیں بچا سکتا تھا، اسلئے کہ جنوب مشرقی یورپ میں ترکی کی پوزیشن نہایت اہم اور مفید تھی۔ وہ نہ صرف درہ دانیال کا محافظ تھا بلکہ بلقانی ریاستوں میں ایک زبردست فوجی قوت کا مالک بھی تھا جسے ترکوں کی جنگی صلاحیتوں نے اور زیادہ اہم بنا دیا تھا۔

برطانیہ ترکوں کی ان جنگی صلاحیتوں کا کافی تجربہ رکھتا تھا اور اب کہ پھر وہ ۱۹۱۴ء کی طرح غلطی نہیں کرنی چاہتا تھا چنانچہ اس نے رومانیہ اور یونان کو طمانیت دیتے ہی ترکوں سے ایک دوستانہ معاہدہ کی درخواست کر دی اور خطے کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کے بنیادی اصول آپس میں طے کر لئے۔ لیکن ترک فی الفور اس معاہدہ کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے انہیں اپنے قدیم رفیق سویت روس سے بھی اس بارہ میں مشورہ کرنا تھا اور اسے یہ یقین دلانا تھا کہ ترکی اور برطانیہ کا یہ معاہدہ سویت روس کے مفاد پر اثر انداز نہ ہوگا لیکن اس معاہدہ کی زد چونکہ براہ راست جرمنی پر پڑتی تھی اسلئے شہر نے پہلے اپنے سفیر فان پائین کے ذریعہ انتہائی کوشش کی کہ ترکی برطانیہ کا

ساتھ چھوڑ کر جرمنی کے ساتھ مل جائے اور اس اتحاد کے لئے اس نے بڑے بڑے لالچ بھی ترکی کو دیئے اور جب ایسے ناکامی ہوئی تو اپنے دوست سویٹ روس سے ترکی پر دباؤ ڈلوانا شروع کیا کہ ترکی کو برطانیہ کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنے سے روک دے۔ روس نے ترکی پر دباؤ ضرور ڈالا اور کوشش بھی کی کہ برطانیہ اور ترکی میں اتحاد نہ ہوئے پائے اور اس سلسلے میں ترکی کے وزیر خارجہ سرلنچ اور غلو کو بھی جو ترکی، برطانوی اتحاد کے بڑے حامی تھے طرح طرح کے شبہات کا نشانہ بنایا گیا لیکن یہ ساری چالیں بے اثر ہیں اسلئے کہ سویٹ روس یہ ثابت ہی نہ کر سکا کہ ترکی برطانوی اتحاد کی زد کسی زاویہ سے بھی روسی مفاد پر پرستہ ہو سکتی ہے اس طرح سویٹ روس سے تمام محبت کے بعد ترکی نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ اور فرانس کے ساتھ پندرہ برس کے لئے ایک دوستانہ معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

یہ معاہدہ (۹) دفعات اور (۲) شرائط پر مشتمل ہے اور ان میں برطانیہ فرانس اور ترکی کے آپس کے اتحاد اور کسی غیر قوت کے حملے کے وقت ایک دوسرے کی فوجی امداد کی مختلف امکانی صورتوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اختصار کے ساتھ یہ معاہدہ حسب ذیل ہے۔

- (۱) اگر ترکی پر یورپ کی کوئی قوت حملہ کرے گی تو فرانسیسی اور برطانوی حکومتیں ترکی کی موثر طریقہ پر اور پوری طرح مدد کریں گی
- (۲) اگر بحیرہ روم میں جہاں برطانیہ اور فرانس کا مفاد وابستہ ہے کسی قوت سے برطانیہ اور فرانس کی لڑائی چھڑائی تو ترکی فرانس اور برطانیہ کی پوری طرح مدد کرے گا اور اگر بحیرہ روم کے اس حصہ میں لڑائی ہوئی جس سے ترکی کا مفاد وابستہ ہے تو برطانیہ اور فرانس ہر طرح ترکی کو

مرد دیں گے۔

(۳) برطانیہ نے ۱۳ اپریل ۱۹۳۹ء کو رومانیہ اور یونان کو جو حمایت دی ہے اس سلسلے میں اگر برطانیہ اور فرانس کسی جنگ میں بھٹس گئے تو جب تک یہ طمانیت دونوں ملکوں کے متعلق برقرار رہے گی ترکی اس کی تمکین میں برطانیہ اور فرانس کی پوری پوری مدد کریگا۔

(۴) اگر برطانیہ اور فرانس کو کسی دوسری قوت سے جنگ کرنی پڑ جائے اس طرح کہ اس جنگ پر اس معاہدہ کی دفعہ ۲ یا ۳ منطبق نہ ہو سکے تو تینوں ملک اس خاص صورت حال کے متعلق فوراً آپس میں مشورہ کریں گے لیکن ایسے موقع پر ترکی غیر جانبدار ہوگا۔

(۵) اگر برطانیہ اور فرانس کو اپنے معاہدے طمانیت کی حمایت میں کسی غیر قوت سے جنگ کرنی پڑے یا کسی دوقوتوں کی جنگ سے برطانیہ فرانس یا ترکی کی اپنی سلامتی خطرہ میں پڑتی ہوئی نظر آئے تو تینوں ملک اس خطرے کو دور کرنے کی مشترک تدابیر اختیار کرنے کے لئے آپس میں فوراً مشورہ کریں گے۔

(۶) یہ معاہدہ کسی خاص ملک کے خلاف نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جنگ کے خطرے کی صورت میں برطانیہ فرانس، ترکی کو آپس میں ایک دوسرے کی مدد کا یقین ہو جائے۔

(۷) اس معاہدہ کی شرائط کے ترکی، برطانیہ اور فرانس تینوں یکساں پابند رہیں گے۔

(۸) اگر تینوں فریق ایک ساتھ ہو کر کسی دوسری قوت سے جنگ کریں گے تو کوئی ایک فریق اس قوت کے ساتھ بغیر سب کی منظوری کے نہ غاصی

مصالحت کر سکیگا۔ اور نہ تنہا شرط صلح طے کر سکیگا۔

(۹) تصدیق کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ سمجھا جائے گا۔ ابتداءً یہ معاہدہ پندرہ برس کے لئے کیا جاتا ہے اگر پندرہ برس ختم ہونے سے چھ مہینے پہلے کوئی فریق اس معاہدے کے دوسرے دو فریقوں کو معاہدہ ختم کر دینے کا نوٹس نہ دے تو یہ معاہدہ آپس کی رضا مندی سے مزید پانچ برس تک ناطق سمجھا جائیگا۔

شرط (۱)۔ ان تینوں ملکوں کی رضا مندی سے یہ طے پایا کہ ان ملکوں کے نمائندوں کے دستخطوں کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ سمجھا جائے گا۔ شرط (۲) ترکی نے اس معاہدے کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں قبول کی ہیں وہ ذمہ داریاں اسے روس کے خلاف لڑنے پر مجبور نہ کر سکیں گی یعنی اگر روس اور برطانیہ اور فرانس کی جنگ چھڑ گئی تو ترکی غیر جانبدار رہے گا۔

ان تینوں حکومتوں کے درمیان اتحاد کا یہ معاہدہ بادی النظر میں بہت عجیب سا معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ ترکی اور برطانیہ اور ترکی اور فرانس کے تعلقات مدت سے خراب چلے آتے تھے لیکن فی الحقیقت یہ اس سے زیادہ عجیب نہیں ہے جب قدر روس اور جرمنی کا معاہدہ ہے۔ کیونکہ ان تینوں ملکوں میں تو بہر حال کچھ دنوں سے اتحاد کے لئے گفت و شنید ہو رہی تھی لیکن روس اور جرمنی کا معاہدہ تو جب تک طے نہیں ہوا اس وقت تک اسکا کوئی قرینہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ ترکی اور برطانیہ ۱۸۹۴ء کی جنگ میں ایک دوسرے کے حریف رہ چکے تھے اور اس جنگ کے خاتمہ کے بعد بھی ایک مدت تک ان کے آپس کے

تعلقات اچھے نہیں تھے لیکن ۱۹۳۶ء میں یہ درپردہ نہایت اہم واقعہ پیش آگئے جن سے اُن کے تعلقات کی نوعیت میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی اور انگریزوں اور ترکوں میں دوستانہ ربط ضبط کی بنیاد پڑ گئی۔ ان میں ایک واقعہ ”مونٹ رے“ کانفرنس کا ہے، اور دوسرا شاہ ایڈورڈ ہشتم کی سیاحت ترکی کا۔

۱۹۳۶ء میں یورپ کا سیاسی مطلع غبار آلود ہو چکا تھا، اٹلی اور جرمنی کے ڈکٹیٹروں کی جارحانہ سیاست نے یورپ کے چھوٹے بڑے ملکوں میں کافی بے چینی پیدا کر دی تھی۔ اور ہر ملک اپنے بچاؤ کی تیاریوں میں مصروف نظر آتا تھا۔ اس موقع پر کمال اتاترک نے ترکی کی سلامتی کے سلسلہ میں درہ دانیال کی قلعہ بندی کا سوال اٹھایا اور دولِ یورپ سے یہ مطالبہ کیا کہ ترکی کو دوبارہ درہ دانیال پر قبضہ کرنے اور اسے مسلح کرنے کی اجازت دی جائے۔ ترکی نے یہ مطالبہ اگرچہ سویٹ روس کی تائید سے ”مونٹ رے کانفرنس“ میں پیش کیا تھا لیکن دولِ یورپ سے منظور کرنے میں سب سے زیادہ امداد سے برطانیہ سے ملی اور ترکی کا دوبارہ درہ دانیال پر قبضہ ہو گیا۔ ترکی مطالبہ کی برطانیہ کی طرف سے تائید کے بعد ترکی اور برطانیہ کے تعلقات میں صفائی ہو ہی گئی تھی کہ قسطنطنیہ میں شاہ ایڈورڈ ہشتم کی غیر رسمی اور بے تکلفانہ آمد سے ترکوں اور انگریزوں کی رہی سہی دلی کدورتیں بھی دور ہو گئیں اور اس وقت سے اُن کے آپس کے تعلقات برابر خوشگوار ہوتے چلے گئے تا آنکہ ۱۹۳۹ء میں ترکی نے برطانیہ سے فوجی اتحاد کر لیا۔

یہی صورت ترکی اور فرانس کے تعلقات کی ہوئی ۱۹۱۹ء کی صلح کانفرنس میں جب عرب، عراق اور شام کے علاقے ترکی سلطنت سے علیحدہ کر دیے گئے تو شام کے علاقہ میں اسکندرون کی بندرگاہ اور اس نام کا صوبہ بھی شامل کر لیا گیا۔ حالانکہ

اسکندرونہ میں ترکی کی آبادی بہت زیادہ تھی اور زبان اور تمدن کے اعتبار سے بھی یہ صوبہ ترک تھا چنانچہ جب فرانسسبور نے شام کو خود مختار حکومت دی تو ترکی حکومت کے مطالبہ پر اسکندرونہ پر بھی اپنی حکومت آپ قائم کرنے کا اختیار دیدیا گیا لیکن اس نئے انتظام میں ترکوں، ارمنوں اور عربوں میں جھگڑے ہونے لگے۔ ترکی حکومت نے پھر فرانس پر زور دیا کہ ترکی کے اطمینان کے حد تک ان جھگڑوں کو دُور کیا جائے فرانس نے اس مطالبہ کے آگے سرخم کر دیا اور فرانس اور ترکی کے درمیان ۱۹۳۸ء میں انقرہ میں ایک معاہدہ ہوا جسکی رو سے ترکی اور فرانسیسوں کی مساوی فوج اسکندرونہ میں انتظام کے لئے رکھی گئی لیکن جون ۱۹۳۹ء میں یہ انتظام بھی ختم کر دیا گیا، اور فرانس نے یہ سارا صوبہ بح بندرگاہ کے اس معاہدہ اتحاد کے عوض ترکی حکومت کے ہاں کر دیا اور ترکوں نے اسپر بلا شرکت غیرے اپنا قبضہ کر لیا، فرانسینی حکومت کی دراصل یہی پیش قدمی تھی جس سے ترکی اور فرانس کے تعلقات استوار ہو گئے۔

لیکن ترکی کے لئے اپنی جزائیائی پوزیشن کے لحاظ سے صرف برطانیہ اور فرانس ہی سے اپنے تعلقات استوار کر لینا کافی نہیں تھا بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ جو رشتہ سویٹ روس سے قائم چلا آتا ہے اسے بھی بے غلظت رکھا جائے چنانچہ جب برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ترکی اتحاد کا مسئلہ اٹھا تو ترکی نے فوراً اس بارے میں سویٹ روس سے مشورہ کیا اور ترکی کے وزیر خارجہ سراج اوغلو خود اس سلسلہ میں گفت و شنید کرنے لگے۔ ابتداً اس گفتگو کا انداز مخلصانہ تھا اور اسی کی بنا پر یہ خیال تھا کہ شاید سویٹ روس بھی ترکی کی وساطت سے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ ہو جائے یا کم سے کم ترکی پر ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی تجدید کرے لیکن جرمنی کے دباؤ کے باعث یہ دونوں قیاس غلط ہو گئے اور ترکی اور روس کے تعلقات میں

ہلکی سی تلخی پیدا ہو گئی۔

اصل میں سویت روس کے لئے ترکی، برطانیہ اور فرانس کے اتحاد میں درہ دانیال کا مسئلہ سخت پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا ”مونٹ رے کانفرنس“ میں جب ترکی کو دوبارہ درہ دانیال پر قبضہ دیا گیا تھا تو نئے معاہدہ میں ایک دفعہ (۱۹) یہ بھی رکھی گئی تھی کہ جنگ کی صورت میں اگر ترکی غیر جانبدار رہے یا کسی ایسے معاہدہ کی تکمیل میں امداد کا وعدہ کرے جو دو ملکوں کے درمیان کسی غیر قوت کے حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی فوجی مدد کرنے کے متعلق طے پائے تو ترکی ان ملکوں کے جنگی جہازوں کے لئے درہ دانیال کھلا رکھے گا۔ اس دفعہ کو جو سویت روس بھی تین برس پہلے مونٹ رے کانفرنس تسلیم کر چکا تھا لیکن اب جرمنی کے دباؤ کے باعث وہ اس دفعہ میں تبدیلی چاہتا تھا اور اصرار تھا کہ ترکی جنگ کی صورت میں ان سب غیر ملکی جہازوں کے لئے درہ دانیال بند کر دے جو سویت روس کے حریف سمجھے جاتے ہوں خواہ یہ جنگی جہاز کسی اور ملک کی امداد ہی کے لئے بحیرہ اسود میں کیوں نہ جارہے ہوں۔

اول تو اس دفعہ میں تبدیلی مونٹ رے کانفرنس کی صریح خلاف ورزی تھی لیکن اگر اس تبدیلی کو کسی وجہ سے تسلیم بھی کر لیا جاتا تو ترکی کی حیثیت روس کے ایک بے اختیار سترے کی سی ہو جاتی کہ روس جب کو چاہے اپنے سترے کی معرفت درہ دانیال میں گزرنے دے اور جس کو چاہے روک دے ظاہر ہے کہ ترکی اس صورت حال کو کسی طرح اپنے لئے پسند نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ سرانج ادغلو نے روس کی اس تجویز کو پیش ہونے ہی ٹھکرا دیا اور اصرار مزید غور کرنے تک سے انکار کر دیا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ روس اور ترکی کے تعلقات میں ہلکی سی تلخی پیدا ہو گئی اور ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے کی تجدید ملتوی کر دی گئی۔

ترکی نے برطانیہ اور فرانس سے اتحاد پیدا کرنے کی خاطر اپنے قدیم رقیب دوس کو کیوں ناراض کیا؟ یہ سوال ہے جو یہاں قدتی طور پر پیدا ہو جاتا ہے لیکن اسکا جواب شکل نہیں جن حالات کے ماتحت ترکی برطانیہ اور فرانس میں اتحاد ہوئے ان میں اس سوال کا حل بھی موجود ہے۔

ترکی جمہوریہ کے استحکام کے بعد کمال انا ترک کی رہنمائی میں اُس کی خارجہ پالیسی متعین کی گئی تھی کہ یورپ کے ہر ملک سے دوستانہ تعلقات قائم کئے جائیں خصوصاً ریاستہائے بلقان میں اتحاد پیدا کر کے ان کی ایک ایسی مضبوط لڑائی بنائی جائے تاکہ آئندہ یورپ کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی اپنے مفاد کی خاطر بلقان کی کسی چھوٹی سے چھوٹی ریاست کو شکار نہ بنا سکے۔ اسی کے ساتھ مشرق کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستوں کو بھی ایک رشتہ تیں منسلک کر کے ان کا متحدہ محاذ بنا دیا جائے۔ تاکہ آڑے وقتیں یہ ساری ریاستیں ایک ہو سکیں۔ ترکی جمہوریہ کی اس حکمت عملی کا مفاد اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا کہ خود ترکی جمہوریہ کی سلامتی کی ضمانت ہو سکے۔ اور آئندہ کمزور ملکوں پر کسی طاقتور حریف کو چڑھ دوڑنے کی ہمت نہ پڑے۔

ترکی جمہوریہ کی اس حکیم کا ایک جزو ان کی زندگی میں مکمل ہو گیا مشرق کی اسلامی ریاستیں، عراق، ایران، مصر اور افغانستان معاہدہ سعد آباد کے ذریعہ ایک رشتہ میں منسلک ہو گئیں لیکن اس حکیم کا اہم ترین جزو بلقان کی ریاستوں میں اتحاد پیدا کرنے کے متعلق تھا ابھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ سہلر اور سلیمانی کی جارحانہ سیاست نے اس کی تکمیل کو ناممکن بنا دیا۔

سہلر آسٹریا، سوڈین لینڈ اور چکوسلاویہ کو ہضم کر کے پولینڈ کی طرف بڑھا، سلیمانی نے حبشہ کے بعد بلقان کی ایک چھوٹی سی ریاست البانیہ کو جگ لیا یوگوسلاویہ نے جو اندرونی اختلافات کے باعث کمزور ہو رہا تھا "غیر جانبداری" کے

پردے میں پناہ لے لی۔ بلقان کی دوسری ریاستوں بلغاریہ اور رومانیہ میں جرمنی اور اٹلی کی سازشیں زور پکڑ گئیں۔ ادران میں اور ترکی میں اپنے بچاؤ کی خاطر کسی اتحاد کا سوال ہی خارج از بحث ہو گیا، ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہوئی کہ روس جسپر ترکی اڑے وقت میں بھروسہ کر سکتا تھا جرمنی سے شدید اختلافات کے باوجود ان کی طرف جھک گیا۔

ترکی پر دت سے اٹلی اور جرمنی کا دانت تھا اٹلی اناطولیہ کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور ہٹلر قیصر جرمنی کی طرح ترکی کے راستے مشرقِ قریب اور مشرقِ وسطیٰ میں اپنا اثر جما چاہتا تھا، ظاہر ہے کہ ترکی تنہا ان دونوں دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ اسکا پڑانا رقیب روس بھی اسکے دشمنوں کے ساتھ ہو گیا تھا اسلئے اسے اپنی آزادی اور اپنے مفادات کی حفاظت کی خود ہی فکر کرنی ضروری تھی جرمنی سے وہ رشتہ جوڑ نہیں سکتا تھا اسلئے اسلئے جرمنی کا اپنا مفاد اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک وہ ترکی کی آزادی کو کچل نہیں دیتا، اٹلی سے اتحاد کرنا بے معنی تھا اسلئے کہ خود اٹلی کے عوام ترک کی قومی وجود سے برابر ٹکرائے رہے تھے۔ اور البانیہ فتح کرنے کے بعد براہِ راست ترکی اور یونان پر زور پڑ رہی تھی۔ روس پر ایسے وقت میں وہ بھروسہ کر نہیں سکتا تھا اسلئے کہ جرمنی سے "سودا" کر چکے کے بعد اس کی توقع ہی نہ تھی کہ سویت روس یورپ میں ہٹلر کے عوام کی مخالفت کر سکیگا ایسی نازک صورت میں ترکی کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہو سکتا تھا اور وہ یہ کہ ایسی قوتوں سے ترکی اپنا رشتہ جوڑے جیسا کہ خود اپنا مفاد جنوب مشرق یورپ اور مشرقِ قریب سے وابستہ ہو اور جو بحیرہ تکین بحیرہ روم اور مشرقِ قریب میں جرمنی اور اٹلی کے اثر کا مقابلہ کر سکیں، یہ قوتیں ظاہر ہے کہ برطانیہ اور فرانس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی تھیں یہی وجہ ہے کہ سویت روس

کی مرضی کے خلاف ترکی محض اپنی حفاظت کی خاطر ان دونوں ملکوں سے اتحاد کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

ترکی کے علاوہ یونان کی جغرافیائی پوزیشن بھی جرمنی اور اٹلی دونوں کے لئے یکساں اہمیت رکھتی تھی، جرمنی اور اٹلی اسپر قبضہ کر کے بحیرہ ایجین اور بحیرہ روم کے مشرقی کونہ پر اپنا اقتدار جما سکتے تھے اور ہمیں سے بیٹھے بیٹھے وہ ترکی پر بھی شہ ڈال سکتے تھے چنانچہ مدت سے سولینی سالونیکا کو یونان سے جھپین لینے کے منصوبے باندھتا رہا تھا تا کہ وہاں اٹلی کا ایک زبردست بحری مرکز قائم کر کے سلطنت اٹلی کی بنیادوں کو مضبوط کر دے اور بلقان کی ریاستوں کو بے بس بنا کر یکے بعد دیگرے اپنے قبضہ میں لیتا چلا جائے۔ اپنے اس منصوبے کو پورا کرنے کی پہلی سنجیدہ کوشش اس نے البانیہ کی فتح کے بعد کی تھی لیکن اس کوشش میں اسے یونانی فوجوں کی تباہی کے باعث سخت ناکامی ہوئی یونان جو اٹلی کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ اٹلی یا اس کے دوست جرمنی پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

علاوہ اس کے پھر لیس اور بحیرہ ایجین میں یونان اور ترکی کا مفاد مشترک تھا۔ اور اسی مفاد مشترک کی بنیادوں پر ۱۹۲۳ء سے ان دونوں میں ایک نہ ٹوٹنے والا دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا اور اسی دوستی کی بناء پر اُس وقت میں یونان ترکی پر اور ترکی یونان پر پورا پورا بھروسہ کر سکتے تھے۔

اسی کے ساتھ برطانیہ اور یونان کا بہت پرانا ساتھ تھا اور یونان کو بحیرہ روم اور مشرقِ قریب میں برطانیہ کی طاقت پر اعتماد بھی تھا اسلئے جب برطانیہ نے اپریل ۱۹۳۹ء میں رومانیہ اور رومانیہ کے ساتھ یونان کی حفاظت کی

ضمانت کرنی تو یونان نے اسے تسلیم نہ کیا اور ترکی اور برطانیہ کے سہا رہے اپنی آزادی کو بچانے کی خاطر جرمنی اور اٹلی کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اس طرح ترکی برطانیہ، فرانس اور یونان کے اتحاد سے جنوب مشرقی یورپ اور بحیرہ روم میں جرمنی کے خلاف ایک ایسا محاذ تیار ہو گیا جسے وہ آسانی سے توڑنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔

باب ۳۳

سحیرہ بالٹک میں سویت غلبہ

پولینڈ کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد (جس میں ایک لاکھ ۹۶ ہزار مربع کلومیٹر رقبہ اور ایک کروڑ ۳۰ لاکھ کی آبادی سویت روس کے حصہ میں آئی) بالٹک کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں، استونیہ، لٹویا، لتھونیا کی طرف روس کی توجہ منعطف ہو گئی۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد سے یہ ریاستیں اپنا آزاد وجود رکھتی تھیں اور سویت روس کے پڑوس میں آباد ہونے کے باوجود سویت طرز حکومت سے قطعی غیر متاثر، جمہور پسند نظام حکومت کی پابند تھیں، ان ریاستوں کے آزاد وجود سے سویت روس کو ۱۹۱۹ء کے بعد سے کسی خطرے کا احساس نہیں ہوا اور نہ ان ریاستوں کے طرز حکومت اسے کوئی شکایت پیدا ہوئی لیکن نصف پولینڈ پر قبضہ کرتے ہی سویت روس کو میکائیک اپنی بالٹک کی سرحدات کی حفاظت کا خیال آیا اور اس نے ان ریاستوں میں اپنی بحرانی بری اور فضائی فوج کے لئے چند مرکزوں کا مطالبہ کر دیا

اگرچہ ان ریاستوں سے سویت روس کا یہ مطالبہ اصولاً غلط اور غیر معقول سا تھا لیکن ان ریاستوں میں چونکہ اس قدر دم نہیں تھا کہ اپنی اس طاقتور مہمائی سلطنت کو چیلنج کر سکتے اس لئے ان تینوں ریاستوں کو سویت روس کے مطالبہ کے آگے ہر تسلیم خم کر دینے کے سوا چارہ نہ رہا۔

۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو روس اور آسٹونیا کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے روس کو خلیج ریکا کے دہانے پر دو جزیرے ”رڈسل“ اور ”ڈاگو“ پر دیئے گئے۔ اور آسٹونیا کے اندرونی علاقہ میں دو سوئٹ ہوائی مرکز قائم کرنے اور ۲۵ ہزار سوئٹ فوج رکھنے کی اجازت دی گئی۔

۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو روس اور لٹویا کا معاہدہ ہوا اس معاہدہ کی رو سے سوئٹ روس کو ”لیبدا اور ونڈو“ میں بحری مرکز قائم کرنے، لٹویا کے ساحل پر مناسب مقامات پر توپیں گاڑنے اور اندرونی علاقے میں ”مناسب تعداد میں“ سوئٹ فوجیں رکھنے کی اجازت مل گئی۔

اسی طرح ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو لٹونیا سے بھی ایک معاہدہ ہوا اور اس معاہدے کے ذریعہ لٹونیا کے علاقے میں کئی مقامات پر ہوائی مرکز اور سوئٹ فوجی چھاؤنیاں قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لی گئی۔

یہ مطالبات سوئٹ روس نے جب قدر جلد ان ریاستوں سے منوائے تھے اسی قدر تیزی سے اس نے اپنی فوجیں بھی ان ریاستوں میں بھیج دیں اور مطالبات پیش کرنے کے پندرہ دن کے اندر اندر ان ریاستوں پر اپنا اقتدار قائم کر لیا

سوئٹ روس کا اثر قائم ہونے کے علاوہ ان ریاستوں میں ایک اچھے کی بات بھی ہوئی وہ یہ کہ آسٹونیا، لٹویا اور لٹونیا میں جب قدر جرمن آباد تھا ان سب کو جرمن رائلش کے حکم سے یہ ریاستیں چھوڑنی پڑیں ان ریاستوں میں جو جرمن قروں سے آباد تھے یہاں ان کے بڑے کاروبار، جائیدادیں اور زمینداریاں تھیں یہ سارے کاروبار، زمینداریاں اور جائیدادیں وہ قیمتی فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے اور اس قدر تیزی سے اپنا کاروبار سمیٹ کر انہوں نے ان ریاستوں سے ہجرت

شروع کر دی کہ سویت روس کی فوجوں کے ان ریاستوں میں اپنے فوجی مرکزوں پر پہنچنے تک جرمنوں سے میدان بالکل صاف ہو چکا تھا۔

بالٹک کے ساحلی علاقوں سے جرمنوں کا اس قدر تیزی سے ہجرت کر جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اسکے متعلق بھی سویت روس اور جرمن رائس میں پولینڈ کی طرح پہلے ہی سے کوئی معاہدہ ہونے کا تھا لیکن جرمنوں کی اس ہجرت سے چونکہ جرمنی کا کھلا ہوا نقصان تھا اسلئے یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا کہ ہٹلر نے یہ نقصان بھی محض سویت روس سے معاہدے کی خاطر اٹھایا تھا بلکہ اندازہ یہ تھا کہ بالٹک میں روس کو پھیل جانے کی ماحولیت دیکر کوئی اور جگہ اس نے اپنے لئے مخصوص کر لی تھی اور وہ جگہ غالباً بلقان ہو سکتی تھی جہاں کی خام پیداوار کی جنگ کو طویل عرصہ تک جاری رکھنے کے لئے ہٹلر کو بڑی ضرورت تھی۔

استونیا، لٹویا اور لتھونیا سے جرمنوں کو لٹا لٹا کر وہاں اپنے فوجی مرکز قائم کر لینے کے بعد سویت روس کو بالٹک کے مشرقی کنارے کی طرف سے ڈاٹھیاں ہو گئیں لیکن اپنی شمالی سرحد کو محفوظ رکھنے اور بحیرہ بالٹک پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے اسے کچھ اور مقامات اور جزیروں کی ضرورت تھی اور انہیں وہ بالٹک کی ایک اور راستہ ”فن لینڈ“ سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ سویت اخباروں نے فوراً ان مقامات

سے فن لینڈ کمی سوئڈن سے ملحق تھا اس کے بعد روس کا ایک صوبہ فزار پائیاس ۱۹۴۱ء میں جب روس میں بغاوت ہوئی اور وہاں بالٹک حکومت قائم ہو گئی تو فن لینڈ نے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا، بالٹک حکومت نے اس کے خلاف اپنی فوجیں بھیج دیں اور اسکی آزادی کو کچل دینا چاہا لیکن فن لینڈ نے حکم بالٹک روس کا سوا بلکہ ادر جرمنوں کی مدد سے بالآخر بالٹک حکومت کو رہائی دے دی ۱۹۴۵ء

کے لئے پروپیگنڈا شروع کر دیا اور سوئٹ حکومت نے سرکاری طور پر ”دوستانہ گفت و شنید“ کے لئے فن لینڈ کے نمائندوں کو ماسکو طلب کر لیا۔

سوئٹ روس نے فن لینڈ سے خلیج فن لینڈ کے کچھ جزیرے پتے پر مل گئے تھے، جہاں وہ اپنا بحری مرکز قائم کرنا چاہتا تھا۔ بحیرہ ہسٹد کی بندرگاہ ”وٹسامو“ کا مطالبہ کیا تھا اور فن لینڈ کی جنوبی سرحد کا علاقہ ”کرا لیا“ معادن کے ساتھ طلب کیا تھا۔

روس کو خیال تھا کہ بالٹک کی اور ریاستوں کی طرح فن لینڈ بھی روس کے مطالبات کے آگے سرجم کر دے گا لیکن سوئٹ روس اور فن لینڈ کے نمائندوں میں کئی دن کی گفتگو کے بعد بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکل سکا تو سوئٹ روس نے فن لینڈ کی حکومت کو دھمکانا شروع کر دیا جس کے بعد آپس کی گفت و شنید کا سلسلہ ہی ٹوٹ گیا اور فن لینڈ اپنے علاقہ کو اس طاقتور دشمن کی دست برد سے بچانے کی خاطر میلن جنگ میں اتر آیا۔

سوئٹ روس نے فن لینڈ سے جس عذر کے ماتحت یہ مطالبے کئے تھے دول یورپ اور امریکہ کے نزدیک سوئٹ روس کا وہ عذر صحیح نہ تھا۔ اس میں شک

(بقیہ صفحہ ۱۶۴) پس پا کر دیا۔ اس مرحلہ کے بعد سے فن لینڈ کی آزادی پر پھر کوئی آنچ نہیں آئی، طرز حکومت اس ریاست کا جھوٹا ہے، بالٹک علاقہ اور اھو پ سے نہ صرف اُسے کوئی لگاؤ نہیں بلکہ یہ ان کا مخالف ہے ناروے اور سوئڈن کی حکومتوں جو اسکی مہیا یہیں اس کے نہایت اچھے تعلقات ہیں اور دول یورپ میں بھی اس کی ساکھ بہت اچھی ہے۔ (مولف)

ہنری فن لینڈ سیاسی عقائد کے اعتبار سے سویت روس کے قریب تر نہ تھا لیکن اس اختلاف کے باعث سویت روس کو پچھلے بیس برس میں کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا نہ اس نے کبھی سویت روس کے کسی علاقے کی خواہش کی اور نہ ربط ہمالیائی کو کسی انداز سے مجروح کیا، کرا لیا کا علاقہ جس کی جنوبی سرحد سے "لینن گراڈ" صرف بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اس سے پہلے سویت روس کے وجود کے لئے کبھی خطرناک نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ اس بیس برس کے اندر کبھی سویت روس نے اس علاقہ کے متعلق کوئی سوال اٹھایا، اگر سویت روس کو فن لینڈ کی سرحد کے اس قدر قریب واقع ہونے سے کوئی خطرہ تھا تو اسے اس قہقہہ کو بہت پہلے اٹھانا چاہئے تھا۔

روس اور جرمنی کے معاہدہ کو دوبارہ کرا لیا من پسند چھوٹی سی ریاست کو جو اس جنگ میں کسی طرف بھی شامل نہیں تھی اس طرح دبانے اور اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا حد درجہ قابلِ اعتراض بات تھی جسے کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ جب فن لینڈ اور سویت روس کے درمیان ان مقامات کے لئے گفت و شنید جاری تھی تو ذولِ یورپ اور امریکہ کی ہمدردیاں فن لینڈ کے ساتھ ہو گئیں اور سویت روس کی اس قابوچیانہ حرکت کی ہر طرف سے مذمت کی گئی۔ اس سے اخلاقی طور پر فن لینڈ کو بڑی تقویت پہنچی اور سویت روس کے مقابل اس کے حوصلے بڑھ گئے۔

سویت روس کے ان مطالبات کا اثر فن لینڈ کی ہمالیہ ریاستوں سوڈن، ناروے اور ڈنمارک پر بھی پڑا اور انہیں یہ اندیشہ ہو گیا کہ اگر سویت روس کے مطالبات کی رفتار یہی رہی تو وہ خود بھی اسکی زد سے نہ بچ سکیں گے۔ چنانچہ اسی دوران میں جب کہ فن لینڈ اور روس کے درمیان گفت و شنید جاری تھی

سوڈن کے پایہ تخت ” اسٹاک ہوم “ میں ان تینوں ریاستوں کے بادشاہ اور فن لینڈ کے پریسیڈنٹ کی ایک کانفرنس بھی ہوئی جس میں خلیج فن لینڈ کے جزائر روس کو پٹے پر دینے کی شدید مخالفت کی گئی اس لئے کہ اگر یہ جزائر روس کے قبضہ میں چلے جائیں تو اس سے سوڈن کو سب سے زیادہ خطرہ پیدا ہو جاتا تھا اور سوڈن کے بعد ناروے اور ڈنمارک پر بھی اسکی زد آتی تھی اور ان تینوں ملکوں کے تجارتی اور کلچرل تعلقات پر بھی اسکا اثر پڑتا تھا۔ اس کانفرنس میں فن لینڈ کی امداد کے سوال پر بھی بحث ہوئی لیکن اسکا کوئی مناسب حل نہ نکل سکا۔

آپس کی مصالحتیں اور دوسرے ملکوں سے ان ریاستوں کے سیاسی تعلقات اس نتیجے پر پہنچے میں خارج کئے علاوہ اس کے اس وقت یورپ کی عام ذہنیت ہی یہ تھی کہ بغیر جانبداری کے اعلان کے ساتھ اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو جنگ کے خطرات سے بچا لیا جائے۔ چنانچہ بالٹک کے ان چاروں ریاستوں کے فرمانرواؤں کی کانفرنس بھی ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو اس طرح پر ختم ہو گئی کہ فن لینڈ کے ساتھ اسکی ہمسایہ سلطنتوں کو ہمدردی ضرور تھی لیکن فن لینڈ کی خاطر کوئی ریاست جنگ کے خطرات میں گھرے کو تیار نہیں تھی بلکہ اس کانفرنس کے بعد سوڈن اور ناروے نے اپنی ”غیر جانبداری“ کا اعلان کر دیا اور فن لینڈ کو اپنے طاقتور دشمن سے خود ہی بھگتنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

باب ۲۴

فن لینڈ سے روس کی جنگ — اور صلح!

جب سوئٹ روس کو گنت دشمنوں کے ذریعہ فن لینڈ سے اپنے مطالبات منوائے میں ناکامی ہوئی تو بالآخر اس نے فن لینڈ پر چڑھا لی کر کے کی تیاریاں شروع کر دیں اس آخری کارروائی کے لئے سوئٹ روس پہلے سے تیار نہیں تھا بلکہ واقف یہ ہے کہ اُسے یہ توقع ہی نہ تھی کہ فن لینڈ جیسی حقیر سی ریاست روسی صی زبردست فوجی قوت کو چیلنج کر سکے گی۔ لیکن جب فن لینڈ نے اس کی توقعات کے خلاف روسی مطالبات کو ٹھکرا دیا تو روس کے لئے اس قدر آگے بڑھانے کے بعد پیچھے ہٹ جانا ناممکن ہو گیا امیں سوئٹ روس کے دقار کو بھی صدمہ پہنچا تھا اور بات اُٹھنے کے بعد آئندہ روس کی مشرقی سرحدات کی حفاظت کی ضمانت بھی نہیں ہو سکتی تھی اسلئے سوئٹ روس کے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ فن لینڈ کی اس خودداری کو کچل دے جو براہِ راست سوئٹ روس کے دقار کو مجرد کر رہی تھی اگرچہ فن لینڈ پر حملہ کرنے کے لئے سوئٹ روس کے پاس یہ بہانہ موجود تھا کہ اس ریاست نے اس کے مطالبات کو ماننے سے انکار کر دیا لیکن سوئٹ روس چونکہ اپنے مطالبات کی معقولیت نہیں منواسکا تھا اسلئے اُسے فن لینڈ سے جنگ شروع کرنے کے لئے ایک اور عذر کی تلاش ہوئی اور یہ عذر ۶ نومبر ۱۹۳۹ء کو سوئٹ روس نے خود ہی گھڑ لیا، اس تاریخ کو کرا لیا کی سرحد سے ملی ہوئی روسی سرحد پر یکایک کچھ بند و قش چلیں، دوسرا دن سوئٹ روس نے اس حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے فن لینڈ سے مطالبہ کیا کہ اپنے

سرحدی محافظہ دستے کرا لیا کی سرحد کے پرے ہٹائے، تیسرے دن مولوٹان نے ایک تقریر براڈ کاسٹ کی جس میں اپنی بحری برسی اور فضائی فوجوں کو تیار رہنے کا حکم دیا اور چوتھے دن یعنی ۳۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو سویت روس نے اسی عذر کے ماتحت فن لینڈ کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا۔

اعلان جنگ کے بعد فن لینڈ کی موجودہ حکومت میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اسٹالن نے ہٹلر کی تقلید میں یہ چال چلی کہ اپنے زیر سایہ کرا لیا کے علاقے میں ایک بدنام انقلابی ”الو کوسنن“ کی ماتحتی میں فن لینڈ کے عوام کی حکومت کے نام سے ایک حکومت بنا ڈالی اور اعلان کر دیا کہ وہ حکومت جو ”ہلسنکی“ میں قائم ہے فن لینڈ کی نمائندہ حکومت نہیں ہے، سویت روس صرف نئی حکومت کو تسلیم کرے گا اور اس حکومت کی درخواست پر فن لینڈ کو ”غاصبوں“ سے نجات دلانے کا۔

سوٹ روس کی اس چال کا اثر فن لینڈ کی حکومت پر تو پڑا نہیں البتہ فن لینڈ کی ہمسایہ حکومتوں میں خصوصاً سوڈن اس سے بہت متاثر ہوئی۔ یہاں عوام کے جذبات سویت روس کے خلاف بھڑک اٹھے اور انہوں نے اپنی حکومت کو مجبور کرنا شروع کر دیا کہ وہ اس موقع پر فن لینڈ کی حمایت کا اعلان کر دے لیکن عین اس وقت جبکہ سوڈن میں فن لینڈ سے علی ہمدردی کا جذبہ تیزی سے بڑھ رہا تھا جرمنی نے سوڈن پر

دباؤ ڈالا اور اُسے غیر جانبدار رہنے پر مجبور کر دیا یہی صورت ناروے میں پیدا ہوئی اور یہ دونوں ملک فن لینڈ کی مدد کرنے کے بجائے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہو گئے البتہ سوڈن اور ناروے سے فن لینڈ کو رتی اور دالٹروں کی امداد یعنی شہد ع ہو گئی لیکن دالٹروں کی مدد بھی کچھ دنوں بعد جرمنی کے اثر سے بند کرنی پڑی اور فن لینڈ کو سوڈن اور ناروے سے صرف رتی امداد کا سہارا

رہ گیا۔ اس موقع پر امریکہ نے بھی فن لینڈ کی رقی امداد کی اور وہاں کے عوام کی اخلاقی ہمدردیاں فن لینڈ کے ساتھ ہو گئیں۔ سوئڈن اور ناروے کے علاوہ برطانیہ اور فرانس نے بھی فن لینڈ کی فوجی مدد کرنی چاہی لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ ناروے اور سوئڈن برطانوی فوجوں کو اپنے ملک سے راستہ دینے کو تیار نہ ہوئے اور چونکہ بحر ان دونوں ملکوں کی مدد کے برطانیہ یا فرانس کی فوجیں فن لینڈ پہنچ نہیں سکتی تھیں اسلئے یہ بجز بھی فن لینڈ کی حمایت میں بے اثر رہی اور غریب فن لینڈ اپنے طاقتور دشمن سے ٹھٹھنے کے لئے بالکل تنہا رہ گیا۔

یہ وقت فی الحقیقت فن لینڈ کے لئے بہت نازک تھا، روس جیسی زبردست سلطنت جو بے حساب فوجوں اور آلات جنگ کی مالک تھی فن لینڈ جیسی چھوٹی ریاست کا جوہر اعتبار سے کمزور تھی مقابلہ کرنا خود کشی کے مرادف تھا۔ لیکن فن لینڈ کے قوم پرست غلامی کی زندگی کے مقابلہ میں آزادی کی موت کے لئے آمادہ تھے ان کے پیش نظر مفصلیوں کے بجائے اپنی خودداری تھی جس کو وہ ہر قیمت پر برقرار رکھنے کے لئے تیار تھے۔

فن لینڈ کی فوجوں میں یہ جذبہ عام تھا اور اس کے محرک فحش فوجوں کے کمانڈر انچیف ”بیرن فان منسہلم“ تھے جو روسی انقلاب سے پہلے زار کی فوج میں جنرل تھے اور بالٹوئیک عقائد کے سخت مخالف تھے جب روس میں بالٹوئیک انقلاب کا مہیا ہو گیا تو بیرن روس سے چھپ کر اپنے وطن فن لینڈ بھاگ آیا یہاں اس نے فن لینڈ کی آزادی کی تحریک اٹھائی اور بالٹوئیک فوجوں سے لاکر اس نے فن لینڈ کو بالٹوئیک اثر سے آزاد کر لیا فن لینڈ کی آزادی حاصل کرنے کے بعد اس ریاست کو جمہور پسند لائن پر چلانے میں جنرل منسہلم نے بڑی مدد کی اور اپنی خوش تدبیری سے یورپ اور امریکہ میں فن لینڈ کی ساکھ قائم کر دینے میں کامیاب ہو گیا۔

بیرن خان منزاہم نے فن لینڈ کی حفاظت کے لئے جنوب مشرق میں روسی سرحد کے بالمقابل "مارٹولائن" کی طرح زمین دوز قلعوں کا ایک سلسلہ بھی بنایا تھا جو منزاہم لائن کے نام سے مشہور تھا اسی منزاہم لائن پر روسیوں اور فنش فوجوں کا مقابلہ ہوا اور یہی جنرل اس مقابلہ میں فنش فوجوں کا کمانڈر انچیف تھا

سوئٹ روس نے جواب ہر قدم پر ہٹلر کے اصولوں کی تقلید کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا ایک ساتھ آکھ مقامات سے فن لینڈ پر چڑھائی کر دی اور ساتھ ہی فضا کی اور بحری حملے بھی فن لینڈ پر شروع کر دیے گئے۔ یہ لڑائی کا دہی انداز تھا جو ہٹلر نے پولینڈ میں اختیار کیا تھا لیکن فن لینڈ میں روس کو اس انداز میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ایک تو فنش فوجیں خود نہایت جی داری سے لڑیں اور تعداد میں صرف دو لاکھ ہونے کے باوجود اپنی بہادری سے دشمنوں کے ٹڈی دل میں گھبراہٹ پھیلا دی دوسرے روسی فوجیں جو ان کے مقابل تھیں وہ فوجی تربیت کے اعتبار سے ان سے بہت سست تھیں اور خود روسی انسر بھی اس قابل نہیں معلوم ہوتے تھے کہ منزاہم کی جنگی چالوں کا موثر جواب دیکھتے لئے نتیجہ یہ ہوا کہ روس کو آٹھوں محاذوں پر سست ہونا پڑا اور شمالی اور جنوبی محاذ پر تو شکست پر شکست کھانی پڑی۔ ہزاروں کی تعداد میں روسی ان حملوں میں کام آگئے کچھ فنی فوجوں کے آئیں اسلحہ کے نذر ہوئے اور کچھ برف میں دب کر مر گئے کامل ایک مہینہ اسی طرح لڑائی کا گزر گیا اور روسی فوجیں فنی مورچوں کو نہ توڑ سکیں۔

لے روسی فوجوں میں یہ گمزداری اسلئے پیدا ہو گئی تھی کہ اسلئے کچھ ہی دنوں پہلے بہت سے تجربہ کار اور آزمودہ فوجی جنرلوں کا بغاوت کے الزام میں صفایا کر دیا تھا اور انکی جگہ ایسے نا تجربہ کار اسز مقرر کرنے پڑے تھے۔ اسی کے ساتھ سپاہیوں کی تنظیم نئے "سورٹ انداز" پر کی گئی تھی لیکن بھی یہ تربیت مکمل نہ ہو سکی تھی اور نہ سپاہی اس انداز سے مانوس ہوئے تھے۔ (مؤلف)

روس کے مقابل فن لینڈ کی اس غیر متوقع کامیابی نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا
روس کے مختار اور فوجی قابلیت پر ایک کاری ضرب لگی اور فنش فوجوں کے حوصلے بڑھ گئے

لڑائی کے دوسرے مہینے روسی فوجوں کو متواتر ملک پہنچتی رہی اور وہ محض اپنی
تعداد کے بل پر فن لینڈ کی سرحدیں گھس آئیں لیکن فنش فوجوں کو زیر کرنے میں اب بھی
انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ جھیل لڈوگا کے گرد فنی اور روسی فوجوں میں کئی زبردست
سمر کے پڑے لیکن ہر سمر کہ میں روسیوں کو نقصان اٹھانا پڑا اندازہ ہے کہ صرف
دو مہینہ کی جنگ میں روسیوں کو اپنے ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں سے ہاتھ دھونے
پڑے اور ان کے مقابل صرف دس ہزار سپاہی فن لینڈ کے کام آئے۔

میدان جنگ میں ناکامی کی کسر سوٹ روس نے فن لینڈ کے آباد شہروں
اور بندرگاہوں پر بمباری کے ذریعہ نکالی ان مقامات پر بہت سے شہری اس بمباری
سے ہلاک اور بہت سی عمارتیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ لیکن فنش فوجوں کے
حوصلوں میں اس سے کوئی فرق نہ آیا وہ اسی طرح دشمن کے مقابل ڈٹی رہیں
فنش فوجوں کا یہ عزم روس اور جرمنی دونوں کے لئے پریشان کن تھا روس کا وٹار تو
فن لینڈ کے عزم کے آگے خاک میں مل چکا تھا۔ جرمنی کو یہ اندیشہ تھا کہ فن لینڈ کی
اس جی داری کا کہیں یورپ کے دوسرے غیر جانبدار ملکوں پر جن کو وہ اپنا
شریکار بنانا چاہتا تھا اثر نہ پڑے۔ اسلئے جرمنی نے اس موقع پر روس کو اپنے
بہت سے فوجی انجنیئر اور کچھ جنرل بھیجے تاکہ وہ روسیوں کی "میشین فوجوں" کی فنش فوجوں
کے خلاف قیادت کریں۔ اور روسی فوجوں کو مزید تسکینوں سے بچالیں، اسی کے ساتھ
سوٹ روس نے اپنی وسطی ایشیا کی تین لاکھ مزید تازہ دم فوجیں بھی فن لینڈ کے
جنوبی محاذ پر بھیج دیں اور اس طرح روس کے ساتھ جرمنی کو پورے طور پر فنش فوجوں کو

منانے پر متوجہ ہونا پڑا

فن لینڈ کے خلاف روسیوں کے اس بڑھتے ہوئے مذمتی دل اور جرمی کی امداد سے سوئڈن کو بڑی تشویش ہوئی، اس ملک کو یہ اندیشہ تھا کہ سویٹ سیلاب کہیں فن لینڈ کو بہا ہوا تو اس کی سرحدوں تک نہ آ پہنچے۔ اس لئے اس نے اپنے طور پر یہ کوشش شروع کر دی کہ اس نوبت پر بھی فن لینڈ اور روس میں صلح ہو جائے اور فن لینڈ مزید تباہی سے بچ جائے ورنہ اگر کہیں سویٹ فوجوں کو فن لینڈ میں کوئی فتح حاصل ہو گئی تو نہ صرف فن لینڈ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا، بلکہ فن لینڈ کے مہیاہ ممالک کو بھی سویٹ خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا۔ سوئڈن نے ایک طرف فن لینڈ پر صلح کے لئے دیا وڈالا اور دوسری طرف اس نے روس سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر دی فن لینڈ اس نوبت پر سوئڈن کی خواہش صلح کو رد نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کو رد کرنے کے معنی یہ تھے کہ سوئڈن کی ہمدردیاں فن لینڈ کے ساتھ ختم ہو جائیں اس لئے مجبوراً اس نے صلح کی حامی بھر لی۔

چنانچہ ۱۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو روس اور فن لینڈ کے درمیان صلح کی گفت و شنید کا اعلان کر دیا گیا۔ اور سوئٹ روس کی دعوت پر حکومت فن لینڈ کے نمائندے صلح کی شرائط پر گفتگو کرنے روانہ ہو گئے۔

تین دن کی متواتر گفت و شنید کے بعد بالآخر شرائط صلح کا اعلان کر دیا گیا اور اس طرح روس اور فن لینڈ کی لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ شرائط صلح اختصار کے ساتھ یہ یقین۔

(۱) جس دن اس معاہدہ پر دستخط ہو جائیں اسی دن دوپہر بعد لڑائی بند ہو جائے گی۔

(۲) فن لینڈ کرایا کے پورے علاقے جس میں ”دابوری“ کا شہر بھی شامل ہے اور جھیل لڈیگا کے سارے کنارے سے سویت روس کے حق میں دست بردار ہوتا ہے۔

(۳) دونوں حکومتیں آئندہ ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے اجتناب کریں گی ایسی قوتوں سے بھی سمجھوتہ نہ کریں گی جو کسی فریق کے خلاف ہوں

(۴) فن لینڈ کی جمہوریت ”ہانگو“ کی بندرگاہ تیس برس کے لئے سویت روس کو ۲۵ ہزار پونڈ سالانہ کے عوض پٹہ پر دینا منظور کرتی ہے۔
(۵) ”پٹامو“ کی بندرگاہ کو سوٹ خالی کر دیا لیکن اس بندرگاہ سے آمد و رفت رکھے نہیں فن لینڈ کو کوئی اعتراف نہ ہوگا۔ اس بندرگاہ کو فن لینڈ اپنا قلعہ بند بحری مرکز نہیں بنائے گا۔

(۶) پٹامو کے علاقے سے رہیوں کو ناروے میں آنے جانے کی آزادی حاصل ہوگی اور اس علاقہ میں وہ اپنا فضائی مرکز بھی بنا سکیں گے۔

(۷) فن لینڈ کی حکومت سویت روس اور سوڈن کے درمیان روسیوں کی تجارتی آمد و رفت کے حق کو تسلیم کرتی ہے۔

(۸) اس معاہدہ کے نفاذ کے بعد سویت روس اور فن لینڈ کے درمیان اقتصادی تعلقات قائم کرنے کے لئے تجارتی معاہدے کی گفت و شنید شروع کر دی جائے گی۔

(۹) اس معاہدہ پر دستخط کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ سمجھا جائے گا لیکن اسکی تصدیق بھی طرفین سے مزوری ہوگی جو دستخط کے دس دن کے اندر اندر کر دی جائے گی۔

اس جگہ یہ بتانا بیکار رہے کہ اس معاہدہ کا فنلینڈ کی فوجوں اور فنلینڈ کے عوام پر کیا اثر پڑا۔ انہی فوجیں جو سارے تین مہینے اپنے سے پچاس گنے طاقتور دشمن سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی تھیں ان کے لئے یہ معاہدہ یقیناً تین آئینہ تھا۔ اسی طرح فن لینڈ کے عوام بھی جنہوں نے سویت روس کی بمباری کو نہایت پامردی سے جھیلا تھا اس معاہدے سے خوش نہیں ہو سکتے تھے لیکن اتفاق سے لڑائی کے آخری دور میں حالات ہی کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ فن لینڈ کو بالآخر دب کر سویت روس سے معاہدہ کر لینا پڑا اور فتح مندوں کے باوجود شکست کی تلخی اُسے مجبوراً چھکنی پڑی۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس معاہدہ کے باوجود فنوں کی اصلی رُوح بدستور باقی رہی اور دنیا کی نظروں میں ان کا وقار بچا ہے۔ گھٹنے کے اور بڑھ گیا۔

اس معاہدہ کے بعد فن لینڈ سوئڈن اور ناروے کی حکومتوں نے آپس میں ایک مدافعتی معاہدہ طے کرنا چاہا لیکن سویت روس کے نزدیک اس قسم کا معاہدہ اس کے مفاد کے خلاف تھا اسلئے ان تینوں ملکوں کی آپس میں متحد ہونے کی یہ آخری کوشش بھی بیکار گئی۔

باب ۲۵

یورپ کی جنگ میں امریکہ کا حصہ

امریکہ میں ہمیشہ سے ایک جماعت ایسی پائی جاتی ہے جو امریکہ کو یورپ کی سیاسی کشمکش سے بالکل علیحدہ رکھنا چاہتی ہے یہ دراصل امریکہ کے قدامت پسندوں کی جماعت ہے جس کے افراد صرف اپنی سائی ہوئی ”دنیا“ سے سروکار رکھنا چاہتے ہیں اور ”بڑائی دنیا“ کے جھگڑے بکھیروں میں اپنے آپ کو مبتلا دیکھنا پسند نہیں کرتے لیکن شکل یہ ہے کہ نو امریکہ اور یورپ دونوں کا اقتصادی اور سماجی نظام چونکہ ایک سادق ہوئے اور اسی باعث دُنیا کے بازاروں میں دونوں کا مفاد بھی مشترک ہو گیا ہے، امریکہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود یورپ کی اُلجھنوں سے نہ کبھی پہلے اپنے آپ کو بچا سکا اور نہ آئندہ وہ بچنے کی توقع کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی یہ جماعت اس کے زمانے میں تو کافی با اثر اور امریکہ کی سیاست پر حاوی رہتی ہے لیکن زمانہ جنگ میں اسکی عافیت پسندی کو ملک کی اقتصادی اور سیاسی مصیبتوں کے مقابلہ میں کامیابی نہیں حاصل ہوتی البتہ اس جماعت کے وجود سے امریکہ کی جنگی پالیسی میں ایک قسم کا اعتدال ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور اسکا ہر قدم انتہائی حرم و احتیاط کے ساتھ اٹھتا ہے۔

چنانچہ اس موقع پر بھی جبکہ یورپ کے حالات میٹری سے بگڑ رہے تھے اور یورپ کے

ڈکٹیٹر پچھلے معاہدات کو چاک کر کے اپنی قوت کے بل پر یورپ کے قدیم نظام کو یکسر بدل دینے کی کوشش کر رہے تھے امریکہ میں یورپ کی جمہوریتوں کے لئے سہری کا جذبہ پیدا ہو گیا اور ایسا ہونا قدرتی امر تھا اسلئے کہ خود امریکہ بھی اسی جمہوری نظام کا پابند ہے اور اسی وقت تک اس پر قائم رہ سکتا ہے جب تک اس کے مقابل کسی اور نظام کو تقویت حاصل نہ ہو جائے، گو یا امریکہ کا جذبہ سہری صرف یورپ کی جمہوریتوں ہی کے لئے نہیں تھا بلکہ اس لئے بھی تھا کہ خود امریکہ کے نظام جمہوری پر کوئی اُٹخ نہ آنے پائے۔

ابتداءً امریکہ صرف اخلاقی حیثیت سے یورپ کی جمہوریتوں کے ساتھ ہمدردی کرتا رہا لیکن جب حالات بالکل بگڑ گئے اور صاف نظر آنے لگا کہ جنگ کے بغیر یہ حالات درست نہ ہو سکیں گے تو امریکہ کو بھی ہونے والی جنگ میں اپنی صحیح پوزیشن متعین کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس نوبت پر امریکہ کا آزاد خیال کاروباری طبقہ اس کے حق میں تھا کہ اس جنگ میں یورپ کی جمہوریتوں کی دل کھول کر مدد کی جائے اور امریکہ کے قانون اسلحہ میں اس انداز سے تبدیلی کر دی جائے کہ جمہوریتیں "نقد قیمت" پر امریکہ سے ہتھیار خرید سکیں اور ڈکٹیٹروں کی دست برد سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔ لیکن امریکہ کے عافیت پسند اس جنگ میں بالکل غیر جانبدار رہنے پر زور دیتے رہے اُن کی رائے یہ تھی کہ یورپ کی جمہوریتوں کو خود ہی ڈکٹیٹروں سے بھگتنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا جائے اور امریکہ کسی طرف بھی مداخلت نہ کرے لیکن عافیت پسندوں کا یہ مشورہ مصلحت اندیشوں کو متاثر نہ کر سکا اور کچھ مہینوں کی کوشش کے بعد امریکہ کی غیر جانبداری کے قانون میں اس انداز سے ترمیم ہو گئی کہ یورپ کی جمہوریتیں حقدار چاہیں "نقد رقم" ادا کر کے امریکہ کے کارخانوں سے اپنے لئے ہتھیار بنوالیں اور خود ہی اپنے جہازوں میں یہ ہتھیار بھر کر لے جائیں۔ یہ پہلی مدد تھی جو جنگ شروع ہونے کے صرف تین مہینہ کے

اندر امریکہ سے یورپ کی جمہوریوں کو حاصل ہوئی۔

امریکہ کی کانگریس سے اس قانون کو منوانے کا سہرا دراصل امریکہ کے پریسیڈنٹ مسٹر فرنکلن روسولٹ کے سر تھا۔ مسٹر روسولٹ بذاتِ خود اگرچہ امن پسند واقع ہوئے ہیں لیکن مطلق العنان طرزِ حکومت اور قوت کے بل پر دوسری قبول کو اپنا غلام بنا لینے کے وہ سخت مخالف ہیں وہ بکے ڈموکریٹ ہیں اور انہیں یقین ہے کہ دنیا میں ”ڈموکریسی“ ہی امن قائم کر سکتی ہے چنانچہ جب یورپ میں جنگ کے بادل گھرنے شروع ہوئے اور ناتس ازم اور ڈموکریسی کے آپس میں ٹکرا جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو مسٹر روسولٹ نے ذاتی طور پر صلح اور آشتی کی درخواست کرتے ہوئے کئی پیغام سٹلر کے نام نشر کئے اور شاہِ اٹلی کو شخصی طور پر مخاطب کر کے ان سے اپیل کی کہ اپنے اثر سے کام لیکر وہ جرمنی اور برطانیہ کے اختلافات کو گفت و شنید کے ذریعہ طے کر دیں لیکن مسٹر روسولٹ کی یہ ساری اپیلیں اور قیام امن کی ساری کوششیں بیکار نہیں تھیں اس لئے کہ سٹلر اب گفت و شنید کے ذریعہ اپنے اختلافات طے نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اپنے شرائط پر وہ صلح کا خواہشمند تھا۔ اور یورپ میں ایک ایسا سیاسی نظام قائم کرنا چاہتا تھا جس سے اس کے مطلق العنان نظامِ حکومت کو نفوذیت پہنچے اور سارا یورپ جرمنی کے زیرِ اقتدار آجائے ظاہر ہے کہ سٹلر کی اس اناہیت کو یورپ کی جمہوریتیں زیادہ دنوں برداشت نہیں کر سکتی تھیں نتیجہ یہ ہوا جس کی اس نوبت پر توقع تھی۔

جب یورپ میں برطانیہ اور فرانس کی ناتیوں سے جنگ چھڑ گئی تو امریکہ کے سیاسی حلقوں میں یہ سوال پیدا ہوا کہ برطانیہ اور فرانس نے جنگ سے پہلے امریکہ کے کارخانوں کو جن اسلحہ کا آرڈر دیا ہے امریکہ کے کارخانے ان کی کس طرح تعمیل کر سکتے

ہیں اسلئے کہ امریکہ کے قانون ”غیر جانبداری“ کی رو سے جنگ شروع ہونے کے بعد امریکہ سے کسی لڑنے والے ملک کو لڑائی کا سامان نہیں بھیجا جاسکتا تھا اس قانونی روک کو دور کرنے کے لئے غیر جانبداری کے امریکن قانون میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی اور مسٹر رسولٹ نے اسی ضرورت اور ترمیم کی اہمیت کو امریکہ والوں کے ذہن نشین کرانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے امریکہ کے عافیت پسند غیر جانبداری کے قانون میں اس ترمیم کے مخالف تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ اس موقع پر جمہوریوں کو لڑائی کا سامان بھیجنے کے معنی یہ ہیں کہ امریکہ جرمنی کا مخالف اور برطانیہ کا ساتھی بن جائے حالانکہ امریکہ کو ان دونوں لڑنے والوں سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہئے لیکن ان کی یہ عافیت پسندی امریکہ کے اصول پرستوں اور مصالحت اندیشوں کو متاثر نہ کر سکی اور غیر جانبداری کا ممکن قانون۔۔۔۔۔ کثرت رائے سے منظور ہو گیا۔

امریکہ کے اس قانون سے جرمنی کو سخت تکلیف پہنچی، ہٹلر کا اپنا خیال تھا کہ امریکہ اس دفعہ یورپ کی لڑائی میں مطلق دخل نہ دیگا اور برطانیہ کو جرمنی سے بھگتنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیگا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اسکا یہ خیال غلط نہیں تھا زائد امن میں امریکہ کے سیاسی حلقوں کی عام رائے یہ تھی کہ امریکہ کو یورپ کے جھگڑوں میں دخل نہ دینا چاہئے اور اس رائے کو ہٹلر کا ”پانچواں کالم“ جو اس نے امریکہ میں متعین کر رکھا تھا برابر تقویت پہنچاتا رہا تھا۔ لیکن اپنے اس خیال میں ہٹلر کو مسٹر رسولٹ کی دور بینی اور مصالحت اندیشی کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی اگرچہ کہنے کو امریکہ اس ترمیم کے بعد بھی غیر جانبدار ہی رہا لیکن جمہوریوں کے ساتھ عملی ہمدردی کی اس شہادت کے بعد ہٹلر امریکہ کو صمیم معنوں میں غیر جانبدار

مجھے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے حسبِ عادت امریکہ کے اس قانون کی پوری شدت سے مخالفت کی، پریسیڈنٹ روسولٹ کی ذات کے خلاف نہایت مکروہ پروپیگنڈا کیا اور جب اس سے بھی کام نہ چلا تو امریکہ کو ڈرانے اور دھمکانے کے لئے اس کے جہازوں کو سمندر میں گھیر کر پریشان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ ”سٹی آف فلنٹ“ نامی ایک امریکن تجارتی جہاز کے ساتھ جرمنی نے اسی طرح کا سلوک کیا۔ تھلہس جہاز پر چڑا ہوا ارمیوہ وغیرہ بار تھا اور یہ برطانیہ کی ناکہ بندی سے بچ کر بحیرہ اٹلانٹک میں امریکہ کی طرف جا رہا تھا کہ جرمنی کے جنگی جہاز ”دوش لینڈ“ نے اُسے پکڑ لیا اور اس پر جرمن ملاح سوار کر کے پہلے ایک روسی بندرگاہ ”مرمنک“ میں اس کو لیجا یا گیا اور اس کے بعد یہ ناروے کے علاقے کے سمندر میں لایا گیا یہاں اس جہاز کو ناروے والوں نے روک لیا اور اس کے جرمن ملاحوں کو گرفتار کر کے جہاز کو امریکن ملاحوں کے سپرد کر دیا۔ جو اسے لیکر امریکہ روانہ ہو گئے۔

مہلے نے یہ ساری کارروائی صحفِ اسٹے کی بھی کہ امریکہ ڈر جائے اور جنگ میں برطانیہ اور فرانس کا ساتھ دینے سے انکار کر دے لیکن اس کی یہ تدبیر بھی اُلٹی پڑی اس واقعہ کا امریکہ پر بہت اثر ہوا اور امریکہ بجائے مہلے سے مرعوب ہونے کے مشتعل ہو گیا اور جمہوریوں کو مدد دینے کے معاملہ میں امریکہ کے بعض حلقوں میں پہلے جو تا مل تھا، نالتیوں کی اس سیہو دگی کو دیکھ کر وہ بھی رفع ہو گیا۔ امریکہ دالوں کو اس واقعہ کے بعد نظر آنے لگا کہ صرف جمہوریوں کو مدد دیکر سیہو نالتیوں کی شرارت سے امریکہ کو بچایا جاسکتا ہے۔ اور ایسی بدیہی شہادت کے بعد ظاہر ہے کہ آئندہ امریکہ پر جرمنی کے پروپیگنڈے کا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔

باب ۳۳

ڈنمارک اور ناروے پر سٹہلر کی تاخت

جس وقت اسمٹان ریاستہائے بالٹک میں مصروف تھا، سٹہلر کی توجہ انگلستان کی طرف منطوف تھی ایک طرف جرمنی کا بحری بیڑہ بحیرہ شمالی اور اٹلانٹک میں انگریزی جہازوں کے خلاف سرگرمیاں دکھا رہا تھا اور دوسری طرف فضائی بیڑہ انگریزوں میں دہشت ڈالنے کے لئے انگلستان کے مشہور شہروں پر بمباری کر رہا تھا۔ لیکن وقت یہ تھی کہ ہالینڈ اور بلجیم کی خاطر جرمن ہوائی جہازوں کو انگلستان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا تھا جس کے باعث ان ہوائی حملوں کا اثر انگلستان پر خاطر خواہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ سٹہلر نے اس وقت کو دور کرنے کے لئے ہالینڈ اور بلجیم دونوں پر ایک ساتھ چڑھائی کرنے کا پروگرام بنالیا اور اسکی فوجیں بھی بڑی تعداد میں ہالینڈ اور بلجیم کی سرحد پر جمع ہو گئیں لیکن عین اس وقت جبکہ ساری دنیا کو یہ خیال تھا کہ سٹہلر ان دونوں پر ضرر غیر جانبدار ممالک کو بے گناہ روند دینے والا ہے، سٹہلر نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنی فوجوں کو ہالینڈ اور بلجیم کی

۱۔ نومبر ۱۹۳۹ء میں سٹہلر کی فوجیں بڑی تعداد میں ہالینڈ اور بلجیم کی سرحدوں پر جمع ہو گئی تھیں اور ۲۔ نومبر ۱۹۳۹ء کو ہالینڈ پر ناستی حملہ کی تاریخ بھی متعین کر لی گئی تھی لیکن عین اس وقت پر

سرحدوں سے ہٹا کر جنوب مغرب میں لکسم برگ کی سرحد پر اور شمال میں ڈنمارک کے قریب بھجایا۔

ہٹلر کے پروگرام میں یہ تبدیلی غالباً اسلئے واقع ہوئی تھی کہ اس پروگرام کے ساتھ جو مشکلات وابستہ تھیں ان کو دور کرنے کے لئے ہٹلر تیار نہ تھا لیکن اس تبدیلی کا بہر حال کوئی اثر جرمن سرگرمیوں پر نہیں تھا جرمنی کی بحری اور فضائی سرگرمیاں بدستور برقرار رہیں اور موم کے اعتبار سے معرزی محاذ پر بھی جرمنوں کی مصروفیت قائم رہی البتہ کوئی بڑی فوجی نقل و حرکت اس دوران میں نہیں ہوئی اور اس کی وجہ زیادہ تر موم کی جوابی تھی۔ تاریخ تک یہی صورت حال قائم رہی اپریل میں موسم درست ہو گیا اور اسکے ساتھ ہی ہٹلر نے اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے میدان بھی تلاش کر لئے یہ میدان ڈنمارک اور ناروے تھے۔

برطانیہ اور فرانس کو بہت دباؤں سے یہ شکایت تھی کہ سوڈن اپنی کاؤن کا لوہا جرمنی کو دے رہا ہے جو ناروے کی ایک بندرگاہ ”ناروک“ تک ریل میں آتا ہے اور ناروک سے اُسے جرمن جہاز ناروے کے سمندر میں سے لیکر جرمنی لے جاتے ہیں۔ ناروے اور سوڈن دونوں غیر جانبدار ملک ہیں لیکن اس کے باوجود وہ

(بقیہ صفحہ ۱۸۱) ہٹلر نے حملہ ملتوی کر دیا غالباً اس خیال سے کہ کہیں امریکہ کا خیال اس کی طرف سے بہت زیادہ خراب نہ ہو جائے یا شاید اسلئے کہ اسپین ادا علی کی حکومتیں ان دونوں غیر جانبدار ملکوں پر حملے کے خلاف تھیں اور انہوں نے ہٹلر پر زور ڈالا تھا کہ ان پر حملہ نہ کیا جائے بہر حال وجہ چاہے کچھ بھی ہو اس وقت ہالینڈ اور بلجیم پر بے نصیبت کچھ دلوں کے لئے ٹپک گئی تھی۔ (مؤلف)

جنگ میں کام آنے والی اس قیمتی دھات سے جرمنی کی مدد برابر کر رہے ہیں، رفتہ رفتہ یہ شیکایت اس قدر بڑھی کہ اپریل ۱۹۴۰ء کی ابتدائی تاریخوں میں برطانیہ اور فرانس نے متفقہ طور پر ناروے اور سوئڈن کی حکومتوں کو یہ نوٹ بھیجا کہ، —

”موجودہ صورت حال اب زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کی جاسکتی اس کے معنی چونکہ یہ ہیں کہ ناروے اور سوئڈن جرمنی کو جنگ میں کام آنے والی یہ اہم دھات دیکر برطانیہ اور فرانس کو نقصان پہنچا رہے ہیں اسلئے برطانیہ اور فرانس اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنا چاہتے ہیں کہ اس صورت حال کے انداد کے لئے جو موثر تدبیر مناسب سمجھیں وہ اختیار کریں گے۔“

اور اس نوٹ کے دو دن بعد ہی ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء کو برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں نے ناروے کی حکومت کو مطلع کیا کہ ناروے کے جزیری سمندر میں بعض مقامات پر برطانوی حکومت نے بارود کی سرنگین بچھا دی ہیں تاکہ جرمن جہاز اس راستہ سے نہ گزر سکیں، اسی دن ناروے کی حکومت نے حکومت برطانیہ کی اس کارروائی کے خلاف احتجاج کیا لیکن ابھی یہ احتجاج باقاعدہ حکومت برطانیہ تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ خلاف توقع ایک نہایت ہی عجیب اور سخت حیرت انگیز واقعہ ظہور میں آگیا۔

یعنی ۹ اپریل ۱۹۴۰ء کی صبح ۵ بجے صرف چند سو جرمن سپاہیوں نے عجیب پر اسرار طریقہ سے ناروے کے ”پایہ تخت“ ”اوسلو“ پر قبضہ کر لیا اور ناروے کے بادشاہ

۷۷ اس نوٹ کا محرک سوئڈن کے لوہے کے علاوہ ”الٹا راک“ جہاز کا واقعہ بھی تھا اس جرمن جہاز نے ناروے کے سمندر میں پناہ لی تھی اور اُس پر ۲۹۹ برطانوی قیدی سوار تھے جس کی برطانوی جہاز کو سک نے ناروے ہی کے سمندر میں تلاشی لی تھی اور برطانوی قیدیوں کو چھڑایا تھا۔ (مولف)

اور حکومت کو وہاں سے فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ”وڈکن کوزلنگ“ نامی ایک قیمت آزمائش کی مدد سے جونا روے کی ناستی پارٹی کا لیڈر بھی تھا۔ ہٹلر نے پہلے تو ”اوسلو“ میں سازش کا ایک زبردست جال بچھا دیا اور اُس کے بعد ناروے کی چند غیر معروف بندرگاہوں پر چپے چپے شہریوں کے لباس میں اپنے کچھ سپاہی اتارنے شروع کر دیے۔ ان سپاہیوں نے ۹ مارچ کی رات کو ”اوسلو“ پہنچ کر وہاں کی بندرگاہ پر ”کوزلنگ“ کی مدد سے قبضہ کر لیا اور اسی رات کو ناروے کے بحری مرکز ”ہارٹن“ کے کمانڈر کو ایک جعلی حکم وزیراعظم ناروے کی طرف سے بھجوا یا جس میں اُسے ہدایت کی گئی تھی کہ جرمن جنگی جہاز جو اوسلو کی بندرگاہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں اُن سے تعرض نہ کیا جائے۔ کمانڈر نے اس حکم کی تعمیل میں فوجوں سے بھرے ہوئے چار جرمن جنگی جہازوں کو اوسلو کی طرف گزر جانے کی اجازت دیدی لیکن ناروے کے سرنگین پکھانے والے جہاز نے جسے اس جعلی حکم کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی ان جرمن جہازوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان میں سے ایک جہاز ایمڈن کو تارسیڈ وار کرڈا بول دیا۔ البتہ تین جہاز جن میں پندرہ سو جرمن فوجیں بھری ہوئی تھیں اوسلو پہنچ گئے یہاں پہلے ہی سے کوزلنگ کی پارٹی کا قبضہ تھا آسانی سے جرمن فوجیں بندرگاہ پر اتر پڑیں اور راتوں رات انہوں نے حکومت کے دفاتر اور شاہ ناروے کے محل کا محاصرہ کر لیا، صبح پانچ بجے جرمن کمانڈر نے ناروے کے وزیراعظم کو سیدار کر کے اپنی حکومت کی طرف سے یہ ہدایت کی کہ ناروے کا پایہ تخت اور ناروے کی حکومت جرمنوں کی نگرانی میں دیدیں شاہ ناروے نے اسے منظور نہ کیا اور جرمنوں سے لڑنا چاہا، لیکن انہیں جلد معلوم ہو گیا کہ ناروے کی فوجوں کو اب اٹھا نہیں کیا جاسکتا اور چونکہ دن چڑھے ہی جرمنی کی مزید فوجیں

ہوائی جہازوں کے ذریعہ برابر اوسلو میں اترتی شروعات ہو گئی تھیں اسلے شاہ ناروے اور ناروے کی حکومت کو مناسب ہوا کہ پایہ تخت چھوڑ کر شمال میں کسی دور دراز مقام کو فرار ہو جائیں اور وہاں سے جرمنوں کے مقابلہ کے لئے نہیں تیار کریں چنانچہ دوسرے ہی دن شاہ اور حکومت دونوں کسی نامعلوم مقام کو روانہ ہو گئے، لیکن اوسلو سے ان کے جاتے ہی جرمنوں کے زیر سایہ وڈکن کوڈلنگ نے اپنی صدارت میں ناروے کی جدید حکومت بنا ڈالی اور جرمنی سے پوری طرح اشتراک عمل کا اعلان کر دیا۔

جس دن جرمنوں نے کوڈلنگ کی مدد سے ناروے کے پایہ تخت ۱ دسلو پر قبضہ کیا اسی دن چالیس ہزار موٹر سوار جرمن سیاہی ڈنمارک کے علاقہ میں داخل ہوئے اور برق صفت تیزی لیکن نہایت خاموشی سے ڈنمارک کے طول و عرض میں پھیل گئے دوسرے دن صبح جرمنوں کا ایک زبردست فوجی دستہ دن بھر سے پہلے ڈنمارک کے پایہ تخت ”کوپن ہیگن“ میں داخل ہوا اور چپ چاپ اس نے حکومت کے اہم دفاتر پر قبضہ کر لیا۔ جرمن ہوائی جہازوں کا ایک دستہ اس دوران میں پایہ تخت پر بندھ لایا تھا۔ پایہ تخت پر قبضہ کر کے نائٹیوں نے شاہ ڈنمارک سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے آپ کو نائٹیوں کی نگرانی میں دیدیں، ان کا خطاب برقرار رکھ جائیگا اور ڈنمارک کی اندرونی حکومت کا بھی ان ہی کو اختیار دیا جائیگا لیکن ڈنمارک کی ساری بندرگاہوں اور جہازوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور اندرونی ڈنمارک میں جرمن ہوائی مرکزوں کے لئے مناسب مقامات حاصل کر لئے گئے گویا سارے ڈنمارک پر عملاً جرمنوں کا قبضہ ہو گیا اور ڈنمارک کے بادشاہ اور وہاں کی حکومت برائے نام برقرار رکھی گئی۔

ڈنمارک میں اسقدر قوت کہاں تھی کہ وہ نائٹیوں کے اس مطالبہ کو ٹھکراتا مجبوراً شاہ ڈنمارک نے نائٹی ہوا اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ اور ملک میں اعلان کر دیا کہ

ڈنمارک کے جرمنوں یا جرمن سپاہیوں کے مقابلہ کی کسی جگہ کوشش نہ کریں کہ اس سے ملک کو اور نقصان پہنچے گا۔ اس سے پہلے ڈنمارک کے وزیر اعظم نے بھی ایک تقریر نشر کی تھی جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ:-

”ڈنش حکومت جرمنوں کے قبضہ کے خلاف احتجاجاً اپنے ملک کی حفاظت کا فیصلہ کرتی ہے۔ اہل ملک سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھیں اور اس موقع پر ملک کے امن و امان کو قائم رکھنے کے لئے انتہائی ضبط و تحمل کا ثبوت دیں۔“

اس طرح ڈنمارک کی قدیم ریاست جو یورپ میں سب سے زیادہ امن پسند سمجھی جاتی تھی چپ چاپ مع اپنی زرخیز چراگاہوں اور بے حساب دودھ اور مکھن کے کاغذوں کے نالیوں کے قبضہ میں آگئی۔

لیکن ناروے پر ابھی نالیوں کا قبضہ مکمل نہ ہوا تھا، پایہ تخت اوسلو کے علاوہ بحرالمانشک کی چند بندرگاہیں بے شک ان کے قبضہ میں تھیں لیکن ناروے کے اندرونی علاقے ان کے اثر سے آزاد تھے۔ اور اس علاقہ میں مفرد شاہ اور حکومتِ ناروے نالیوں سے مقابلہ کے لئے فوجیں اکٹھی کرنے کی فکر کر رہی تھیں اس کے علاوہ برطانیہ اور فرانس بھی ہٹلر کی اس نئی تاحخت سے بے فکر نہیں تھے، برطانیہ کے وزیر اعظم نے اوسلو پر نالیوں کے قبضہ کے فوراً ہی بعد دارالعوام میں ناروے کی مدد کا اعلان کر دیا۔ اور ہار اپریل ۱۹۴۰ء کو چند ہزار برطانوی اور فرانسیسی فوجیں ”ٹرانڈہام“ کے شمال اور جنوب کی چھوٹی چھوٹی بندرگاہوں ”لم سوس اور انڈلس“ میں اتار دی گئیں۔

نالی برطانیہ اور فرانس کے ان ارادوں کو غالباً پہلے ہی سے بھانپ گئے تھے۔ انہوں نے نہایت تیزی سے ہوائی جہازوں کے ذریعہ اس علاقہ میں جرمن فوجوں کو

ککٹ بھیجی شروع کر دی اور ”ٹرانڈ ہاٹم“ کی چھاؤنی کی برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کا پورا پورا انتظام کر لیا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے ناروے کے اندرونی علاقے کے اہم مقامات پر اپنے ہوائی جہازوں سے بمباری شروع کر دی تاکہ شاہ ناروے وہاں نائٹیوں کے خلاف قوت نہ حاصل کر سکیں نائٹیوں نے اس مکان پر بھی بم برسائے جس میں شاہ ناروے ٹھہرے ہوئے تھے غالباً ان کا مقصد شاہ کو ہلاک کر دینے کا تھا لیکن اس بم باری سے پہلے ہی شاہ ناروے وہ مکان چھوڑ چکے تھے اس لئے نائٹیوں کا یہ مقصد پورا نہ ہو سکا، شاہ اور حکومتِ ناروے نے انتہائی مشکلات کے باوجود نائٹیوں کے خلاف ایک محاذ تیار کر ہی لیا اور انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کی مدد کے لئے انہوں نے وسطی ناروے میں سرگرمیاں شروع کر دیں۔

لیکن قوم پرست نارویوں کی ان سرگرمیوں کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اور نہ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں جو ناروے کی مغربی سرحد گاہوں میں اتری تھیں۔ ”ٹرانڈ ہاٹم“ کو جرمنوں سے جھین لینے میں کامیاب ہو سکیں۔

اصل میں جن حالات میں برطانوی اور فرانسیسی فوجیں ناروے کے ساحل پر اتاری گئی تھیں وہ کسی طرح ان کے موافق نہ تھے اور جن مقامات پر وہ اتاری گئی تھیں وہ سب طرف سے جرمنوں سے گھیرے ہوئے اور جزائیاتی حیثیت سے فوجوں کے لئے ناموزوں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جرمنوں کے اس گھیرے کو تو درجہ بدرجہ جرمن ملک کے پہنچتے رہنے کے باعث مضبوط ہوتا جا رہا تھا توڑ دینا، برطانوی اور فرانسیسی فوجوں کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ تاہم اس کوشش میں برطانوی اور جرمنی فوجوں میں برابر جھڑپیں جاری رہیں اور وسطی ناروے سے قوم پرستوں نے بھی جرمنوں کو دباوا شروع کر دیا لیکن متواتر جرمن ملک اور جرمن ہوائی بیڑے کی

لگاتار سرگرمیوں کے باعث قوم پرست اپنا کوئی اثر ڈال سکے اور نہ برطانوی فوجوں کو بندرگاہ کی پہاڑیوں اور کھدوں کو چھوڑ کر کوئی موزوں مقام حاصل کر لینے میں کامیابی ہو سکی۔

مئی ۱۹۱۷ء تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ مئی میں برطانیہ کے وزیر اعظم نے ناروے کے حالات پر تقریر کرتے ہوئے ان مشکلات کا ذکر کیا جو اس جگہ برطانوی فوجوں کو پیش آرہی تھیں اور ساتھ ہی اس کا بھی اظہار کیا کہ جرمن ہوائی جہازوں کی ٹرہی ہوئی تعداد کے باعث برطانیہ اپنی ناروے کی فوجوں کے لئے بھاری توپ اور ٹینک نہیں بھیج سکتی۔ اور یہ اتنی بڑی کمی ہے کہ اس کے بغیر برطانوی فوجیں ناروے میں کوئی بڑا کام نہیں کر سکتیں۔ برطانوی وزیر اعظم کا یہ اعلان گویا برطانوی فوجوں کو ناروے سے واپس بلائے کی اطلاع تھی، اگرچہ اس کے بعد بھی برطانوی اور جرمن سپاہیوں میں کچھ دلوں برابر ناروے پر قبضہ کرنے کے لئے جھڑپیں ہوتی رہیں، لیکن جرمنی کی مشینی فوجوں کے مقابلہ میں برطانوی سپاہیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔

اسی دوران میں جرمنی نے ہالینڈ اور بلجیم پر چڑھائی کر دی تھی، برطانیہ کی ساری توجہ مہلٹر کے اس نئے اقدام پر مرکوز تھی، ناروے کی برطانوی فوجوں کو مزید کمک پہنچانے کا سوال اب خارج از بحث ہو چکا تھا اسلئے برطانیہ کے ہائی کمانڈ نے ناروے کی برطانوی فوجوں کو فوراً ناروے سے واپس آجانے کا حکم دے دیا اور برطانوی فوجیں ناروے سے روانہ ہوئیں اور ہر ناروے کی حکومت نے بھی جو اس وقت تک برابر جرمنوں سے مقابلہ کرتی رہی تھی یٹزی سے بگڑے ہوئے حالات پر قابو نہ پا کر لڑائی بند کر دی، شاہ ناروے مع اپنی حکومت کے ایک انگریز

جنگی جہاز پر سوار ہو کر لندن آ گئے اور ناروس کے کمانڈر انچیف کو ماتیسوں سے صلح کی
گفت و شنید کرنے کے لئے ایکلا چھوڑ دیا۔
برطانوی فوجوں کے ناروس سے واپس آتے ہی لڑائی بند ہو گئی۔ اور
جرمنوں کا سارے ناروس پر قبضہ مسلم ہو گیا۔

باب ۲

ہالینڈ بلجیم اور فرانس پر ایک ساتھ حملہ !

کسی تکھلے باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اعلان جنگ کے ساتھ ہی فرانسیسی اور برطانوی فوجیں مارٹن لائٹ پر کٹھی ہوئی شروع ہو گئی تھیں اور بعض مقامات پر جن میں ”ساربروکن“ کا شہر زیادہ نمایاں ہے جرمن سرحدیں بھی در آئی تھیں لیکن فرانسیسی اور برطانوی فوجوں کی سرگرمیاں اس محاذ پر جارحانہ کے بجائے محض مدافعتی حیثیت کی تھیں اور وہ جرمنی پر بطور خود حملہ کرنے کے بجائے اس کے حملے کو روکنے کی تیاریاں کرتی رہی تھیں جنگ شروع ہونے کے آٹھ مہینے بعد یہ موقع بھی اُنہیں حاصل ہو گیا ابھی نارمے میں جرمنی اور برطانوی فوجوں میں جھڑپیں جاری ہی تھیں کہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۰ء کو ہٹلر کی فوجوں نے ہالینڈ اور بلجیم پر ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ اور اسی دن کسی مقامات سے ان دونوں ملکوں کی سرحدوں کو عبور کر ڈالا۔

ہالینڈ میں مدافعت کی بہترین صورت وہاں کی نہریں تھیں جن میں پانی بھر کر دشمن کو ہالینڈ کی سرزمین میں پیش قدمی سے روکا جاسکتا تھا چنانچہ ہالینڈ کی حکومت نے فوراً اس تدبیر پر عمل کیا اور اُسے یقین بھی ہو گیا کہ جرمن اُن کے ملک کو آسانی سے فتح نہیں کر سکیں گے لیکن دوسرے ہی دن ہالینڈ کی حکومت کی یہ غلط فہمی

رفع ہو گئی جب ہٹلر نے اپنی فوجیں ہوائی جہاز کے ذریعہ ”پیراشوٹ“ (ہوائی چھتریوں) کی مدد سے نہروں کے پار اتارنی شروع کر دیں، یہ ہٹلر کا بالکل نیا دواؤں تھا۔ ہالینڈ کی فوجیں دشمن ہوائی پیچھے پا کر گھبرا گئیں اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ نائٹیوں نے ان ہوائی چھتریوں کی مدد سے نہ صرف ہالینڈ کی فوجوں کو گھیر لیا، بلکہ پائے تخت میں بھی اپنی فوجیں اتار دیں اور ملکہ ہالینڈ کے محل کو محصور کر لینے کی کوشش کی۔ نائٹیوں کی اس ”نازیبا“ حرکت نے ہالینڈ کی حکومت کو بدحواس کر دیا اور یہ لڑائی چھڑنے کے تیسرے ہی دن اپنی ملکہ اور سارے شاہی خاندان کو ہالینڈ سے لندن بھیج دینے پر مجبور ہو گئی، ملکہ کے بعد ہالینڈ کی وزارت بھی لندن منتقل ہو گئی۔ اور ہالینڈ کا انتظام کمانڈر انچیف کو سونپ دیا گیا، لیکن یہ انتظام محض برائے نام تھا، نائٹی ہالینڈ پر بری طرح چلے گئے تھے اور ہالینڈ کی فوجوں کے لئے ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہو گیا تھا اس لئے دوسرے ہی دن ہالینڈ کے کمانڈر انچیف نے نائٹیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور ملک کو جنگ کی مصیبت سے نجات دلا دی۔ اس طرح صرف چار دن کے اندر نائٹیوں نے ہالینڈ کو فتح کر لیا۔

بلجیم کی سرحد پر البتہ جرمنوں کا سخت مقابلہ ہوا اور اسی طرح لکسمبرگ کو چند گھنٹوں میں زیر کرنے کے بعد انہیں فرانسیسی اور برطانوی فوجوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ لکسمبرگ کی ڈچس نے توبے لڑے بھڑے اپنا ملک جرمنوں کے حوالے کر دیا، لیکن شاہ بلجیم کیو پولڈ سوم نے برطانیہ اور فرانس سے مدد طلب کر لی اور جم کر دشمن کا مقابلہ شروع کر دیا۔ برطانیہ اور فرانس نے فی الفور شاہ بلجیم کی اپیل پر توجہ کی اور ایک زبردست فوج شاہ بلجیم کی مدد کے لئے بلجیم کے علاقہ میں بھیج دی۔

انگلستان میں اس وقت حکومت بدل چکی تھی۔ مسٹر چیمبرلین پر ناروے میں

برطانوی فوجوں کی ناکامی کے بعد انگریزوں کو اعتماد نہیں رہا تھا چنانچہ انگریزوں کے اس متحدہ مطالبہ پر پٹرچیمبرلین بمبغنی ہو گئے اور ان کی جگہ مسٹر ولسن چرچل نے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ اس نازک وقت میں مسٹر چرچل کا انتخاب انگریزوں کے گرس ہوئے حوصلوں کو ابھارنے کا باعث ثابت ہوا اور سارے انگلستان میں حکومت کی اس تبدیلی سے نیا جوش اور دلدادہ پیدا ہو گیا۔

شاہ لیوپولڈ کی اپیل پر برطانیہ نے تقریباً ساڑھے چار لاکھ سپاہی لارڈ گورکھ کی ماتحتی میں بلجیم بھیج دیئے اور فرانس کی طرف سے تقریباً دو لاکھ فوج بلجیم پہنچی اس فوج نے بلجیم کی فوج سے ہٹ کر "فلانڈرس کے میدان میں اپنے مورچے جملے۔"

جرمنی کی "میکانائزڈ" فوجوں کے حملے نہایت تیز ہو گئے تھے، فرانسیسیوں نے اپنی مدافعت کے لئے جوئے مورچے بلجیم کی سرحد پر ماڈلوائس کی سیدھ میں قائم کر لئے تھے جرمن حملوں کا سارا زور ان ہی مورچوں پر تھا۔ تین دن کی مسلسل لڑائی کے بعد بالآخر جرمنوں نے "سیدن" (SEDAN) کے مقام پر یہ نیا مورچہ توڑ ڈالا اور برق صفت تیزی سے شمالی فرانس میں آگے بڑھ کر، "آراس اور امینس" پر قبضہ کر لیا۔ جرمنی کی اس چال سے بلجیم کی سرحد کی فرانسیسی فوجوں کا رشتہ فرانسیسی مرکزی فوج سے ٹٹ گیا اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کی وہ فوجیں جو فلانڈرس میں پڑی ہوئی تھیں خطرے میں گھر گئیں۔ اس حصد کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے جرمن فوجوں نے آراس پر زور نہیں لیا فوراً فرانس کی بندرگاہ "بولون" کی طرف دوڑ پڑے اور قبل اس کے کہ انگریزی اور فرانسیسی فوجیں اس کی مدافعت کا کوئی سامان کر مت جرمنوں نے اسے فتح کر لیا۔

اس بندرگاہ کی فتح کے بعد فلانڈرس کی فوجیں پوری طرح گھیرے میں

آگئیس اور ان پر سوائے ڈنکرک کی بندرگاہ کے راہِ فرار بالکل بند ہو گئی۔

سین کے پاس جرمنوں کو ایک پل کے ذریعہ اپنی فوجیں فرانس میں اتار دینے کا موقع مل گیا تھا اور یہ پل فرانسیسی ہائی کمانڈر کی ”غلطی“ سے باقی چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس غلطی کا حیمازہ فرانس کے کمانڈر انچیف جنرل گیلان کو بھگتنا پڑا، فرانسیسی حکومت نے انہیں اپنے عہدے سے ہٹا دیا ان کے ساتھ بندرہ اور فرانسیسی جنرل بھی رخصت کر دیئے گئے اور فرانسیسی فوجوں کی کمان جنرل دیگان کے سپرد کر دی گئی۔ دیگان نے کمان سنبھالتے ہی آراس اور آمین پر حملے شروع کر دیئے لیکن یہاں جرمنوں نے اپنے قدم نہایت مضبوطی سے جمالیئے تھے اسلئے یہ سارے حملے بیکار رہے مجبوراً دیگان نے پیچھے ہٹ کر پیرس کی حفاظت کے لئے ایک اور مدافعت کی لائن قائم کر لی اور فلانڈرس کی محصور فوجوں کو اپنی سمت پر چھوڑ دیا۔

یہ دقت فی الحقیقت فرانس اور برطانیہ دونوں کے لئے بے حد نازک تھا ان کی بہترین فوجیں فلانڈرس میں محصور پڑی تھیں اور جرمنوں نے پولوں کی بندرگاہ پر قبضہ کر کے برطانیہ کے اس بحری بیڑے کو شدید سی شروعات کر دی تھی جو انگلستان کی حفاظت کے لئے انگلش کنال میں سختیں تھا اور جس کی وساطت سے برطانیہ اور فرانس میں فوجی رشتہ قائم تھا۔

جرمنی کا ایک کالم شمالی فرانس میں بڑھا چلا آ رہا تھا اور دوسرا کالم بلجیم کی فوجوں کو پوری قوت سے دبا رہا تھا، بلجیم کی مدافعت کی لائن، جرمن ٹینکوں، ہوائی جہازوں اور بمباری مارکیٹوں کے مقابل کھپکھپاتی تھی، بالآخر ”ماس ریح“ کے مقام پر یہ ٹوٹ گئیں اور جرمن فوجوں کا ڈیڈی دل جو بلجیم، فرانس اور برطانیہ کی متفقہ فوجوں سے کہیں زیادہ

تھا سیلاب کی طرح سب طرف سے فلانڈزس پر هجوم کرا آیا، بلجیم فرانس اور برطانیہ کے لئے یہ موت اور زبست کا سوال تھا، تینوں فوجوں نے انتہائی جی داری سے، حملہ آوروں کا قدم قدم پر نہایت ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کے تقریباً سارے حملے بیکار کر دیے۔ اس قدر سخت اور غیر متوقع مدافعت سے جرمنوں کے حملے کچھ سست پڑنے لگے، برطانوی اور فرانسیسی فوجوں پر سے دباؤ کچھ کم ہو گیا اور انہیں اپنے قدم جما کر دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع مل گیا۔ برطانوی اور فرانسیسی ہائی کمانڈ کا اندازہ تھا کہ اگر اسی طرح بلجیم فرانسیسی اور برطانوی فوجوں نے جرمنوں کو صرف ایک ہفتہ تک بھی روکے رکھا تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور فلانڈزس کا معرکہ اتحادیوں کے حق میں فیصل ہو جائے گا۔ لیکن عین اس وقت جب فرانسیسی اور برطانوی ہائی کمانڈ یہ توقع لگا لے میٹھے تھے کہ اتحادیوں کی فوجیں جرمن حملہ آوروں کو فلانڈزس پر روکے رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گی ایک نہایت غیر متوقع حیرت انگیز اور سخت ابتلا، میں ڈال دینے والا واقعہ پیش آ گیا! ————— شاہ یوہو لوڈے برطانیہ اور فرانسیسیوں سے مشورہ کئے بغیر اور اپنی حکومت کی رائے کے خلاف جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور پانچ لاکھ بلجیم فوجیں میدان چھوڑ کر جرمنوں کے آگے سے ہٹ گئیں۔ !!

باب

فلانڈرس کا ساتھ، اٹلی کا اعلان جنگ اور فرانس کی شکست

شاہ لیوپولڈ کے ہتھیار ڈال دینے کی اطلاع ۲۸ مئی ۱۹۴۰ء کو پہلے پیرس اور اس کے بعد لندن پہنچی اور اس قدر غیر متوقع حالات میں پہنچی کہ لندن اور پیرس دونوں کے میں مل گئے۔ فلانڈرس میں اتحادیوں کی فوجیں پہلے ہی تین طرف سے گھری ہوئی تھیں اس نئی افتاد کے باعث انکی تباہی گویا مکمل ہو گئی۔

شاہ لیوپولڈ کے ہتھیار ڈالنے کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ شاہ لیوپولڈ کو درد قلب و دماغ کا آدمی ہے اس سے اپنی قوم کی خونریزی نہیں دیکھی گئی اس لئے اس نے جرمنی کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ لیوپولڈ جرمن سازش کا شکار ہو گیا۔ موٹر کے حادثہ میں اسکی نوجوان ملکہ کے ہلاک ہو جانے کے بعد سے لیوپولڈ کا دماغی توازن بگڑ گیا تھا، اس کے نوجوان جرمن احباب نے جو اس کے ہم جلسیں بھی کئے اسکا دل بہلانے کے بہانے سے چند خوبصورت جرمن لڑکیاں اس کے گرد جمع کر دیں اور جب اس طرح اس کے ماحول کو بدست کر لیا تو اس کے دماغ میں یہ خیال بھڑنا شروع کر دیا کہ اس کے لئے مستقبل قریب میں جرمن شہنشاہ بنادیئے جائے گا امکان موجود ہے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ہٹلر کے اب زیادہ جوانوں جینے کی توقع نہیں ہے اور قیصر کے خاندان کو (بقیہ صفحہ ۱۹۶) پر

سب سے زیادہ اثر اس حرکت کا فلانڈرس کی برطانوی فوجوں پر پڑا جو پانچ لاکھ پچیس سپاہیوں کے میدان سے ہٹ جانے کے بعد براہ راست جرمن حملہ آوروں کی زد میں آ گئیں اب ان فوجوں کے لئے دو ہی راستے تھے یا تو وہ جنوب میں جرمن لائن پر حملہ آور ہوتیں یا ڈنکرک کی بندرگاہ سے انگلستان واپس جاتیں لیکن یہ دونوں صورتیں مشکل تھیں اور تباہی ان دونوں صورتوں میں یقینی تھی اگر وہ جنوب میں جرمن لائن پر حملہ کر دیتیں تو جرمنی کا وہ کالم جو بلجیم میں بڑھ رہا تھا انہیں پیچھے سے حملہ کر کے ختم کر دیتا اور اگر یہ بندرگاہ کا رخ کرتیں تو بندرگاہ ڈنک پہنچتے پہنچتے یہ جرمنوں کے ہوائی جہازوں اور ٹنکوں کا نقشہ بن جاتیں لیکن بہر حال انہیں جلد اپنے لئے کوئی فیصلہ کرنا تھا اور انہوں نے ڈنکرک کی بندرگاہ کی طرف پسپا ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ فیصلہ نہایت اہم تھا اور اسپرکامیابی سے عمل کرنا برطانوی وقار کے بیش نظر

(بقیہ صفحہ ۱۹۵) جرمن کے لوگ پسند نہیں کرتے کہ انہیں بہر حال ایک بادشاہ کی ضرورت ہے اور یو پولڈ سے ہتھڑا نہیں کوئی بادشاہ نہیں مل سکتا جو آئین نسل سے ہے اور ماں اور باپ دونوں کی طرف سے اس میں جرمن خون موجود ہے۔ یو پولڈ کے کمر مہم دماغ میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا اور وہ اٹھتے بیٹھتے جرمن شہنشاہی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس خود فریبی کے باعث برطانیہ اور فرانس کی دوستی میں اس کے لئے کوئی جاذبیت باقی نہیں رہی اور نہ اپنے ملک اور نہ اپنی قوم کا وقار اس کے پیش نظر رہا۔ موقع ملے ہی اس نے وہی کید جو صرف ایک بے اصول تمّت آنا ہی کر سکتا ہے۔ اپنی پانچ لاکھ فوج جرمن حملہ آوروں کے آگے سے ہٹالی اور برطانیہ اور فرانس کی گھری ہوئی فوجوں کو تباہ ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ بہر حال واقعہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جن حالات میں شاہ یو پولڈ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ یو فال کی کی انہیں خود موت دیکر ان کے ساتھ دھوکا کیا اس کے متعلق تاریخ کا فیصلہ یقیناً شاہ یو پولڈ کے حق میں نہیں ہو سکتا۔ (مؤلف)

اس سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا تھا بہر حال برطانوی فوجوں نے اس انتہائی مشکل کام کو پورا کیا۔ ایک طرف ان کے کچھ دستوں نے دشمن کی پیش قدمی کو روکا جس میں فرانس سے بھی ایک ڈویژن نے حصہ لیا اور دوسری طرف نہایت تیزی کے ساتھ فلانڈرس کی برطانوی فوجیں ڈنکرک کی طرف سپاہوں کو جہازوں کے ذریعہ انگلستان واپس ہونی شروع ہو گئیں برطانوی فوجوں کی اس راہ فرار کو روکنے کے لئے جرمنوں کے بیمار ہوائی جہازوں نے سرتورڈ کو شش کی اور بولوں کی بندرگاہ سے بھی برطانوی جہازوں اور کشتیوں پر گولے برسائے گئے لیکن جرمنوں کی یہ کوششیں بار آور نہ ہوئیں اور برطانوی ہائی کمانڈ اپنی تین لاکھ فوج ڈنکرک کی بندرگاہ سے صاف بچا کر لے گیا۔

ہٹلر کا ارادہ تھا کہ فلانڈرس میں برطانوی فوجوں کو گھیر کر تباہ کر دینے کے بعد فوڈا برطانیہ پر چڑھائی کر دے لیکن ڈنکرک سے تین لاکھ سپاہیوں کو بچا کر لے جانے میں برطانیہ کو جو کامیابی ہو گئی اس کی وجہ سے اسے اپنا پہلا ارادہ بدل دینا پڑا۔ انگلستان پہلے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیریں مکمل کر چکا تھا اور جو باقی رہ گئی تھیں انہیں مسٹر چرچل نے برسرِ اقتدار آتے ہی پورا کر دیا ان بہت سی تدبیریں جو مسٹر چرچل نے انگلستان کے بچاؤ کے لئے اختیار کیں ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ برطانوی فائنسٹ پارٹی کے سارے ممبروں کو گھیر کر نظر بند کر دیا تاکہ ان میں سے کوئی ہٹلر کا پانچواں کالم نہ بن سکے اور اس کے بعد ایک نیا قانون پارلیمنٹ میں منظور کرایا جس کی رو سے انگلستان کی ساری پرائیویٹ جائیدادوں کو حکومت کی ملک قرار دیدیا تاکہ ضرورت کے وقت ان پر قبضہ کر کے ان سے بچاؤ کا کام لیا جاسکے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر سارے انگلستان سے لاکھوں والیٹر بھرتی کئے اور انہیں گیل گائے سے لیس کر کے برطانوی ساحلوں اور درے در دراز کے دیروڑوں کی نگرانی ان کے سپرد کر دی تاکہ جرمن دھوکا دیکر انگلستان

کسی دیران گوشہ میں ہوائی چھتریوں کی مدد سے نہ اتر پڑیں۔ برطانیہ کی اہنی احتیاطی تدابیر کے باعث انگلستان برقی انفورچر چھائی کے متعلق ہٹلر کو اپنا ارادہ بدلنا پڑا اور اس نے بلجیم کے بعد بجائے انگلستان کے اپنا رخ فرانس کی طرف پھیر دیا۔

دیگان کی نئی چٹاؤ کی لائن اس جرمنی سیلاب کو روکنے میں قطعاً ناکام رہی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ سیلاب آدھے سے زیادہ فرانس پر چھا گیا۔

حالات سخت تاریک ہو گئے، فرانس کی سر زمین پر جرمنوں سے مقابلہ ناممکن ہو گیا۔ اس نوبت پر فرانس کی حکومت کے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی رہ گئیں یا تو وہ فرانس سے بھاگ کر اپنے شمالی افریقہ کے مقبوضات میں پناہ لے اور سمندروں میں جرمنی سے لڑائی جاری رکھے یا پھر جرمنی کے آگے ہتھیار ڈال دے۔

عین اسوقت جب فرانس زموں سے چور پڑاموت اور زلزلت کی کنگش میں مبتلا تھا، موسولینی نے سارے قوانین اخلاق و انسانیت کو پس پشت ڈال کر پیچھے سے اسپر وار کر دیا۔

ابتداءً موسولینی نے جنگ میں ہٹلر کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور فلائڈر کی لڑائی کے دوران میں بھی اپنا ارادہ ظاہر کئے بغیر وہ مہنایت خاموشی سے حالات کا مطالعہ کرتا رہا جب ہٹلر نے فلائڈر کے سر کر کے بعد فرانس کا رخ کیا۔ موسولینی نے بیکایک جنگ میں شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ بہت دنوں سے موسولینی کا ”نیس“ کو رسیکا اور لوفیشنا پر دانت تھا اور اس سے بہتر موقع اسے اپنی آرزوؤں کی تکمیل کا نہیں مل سکتا ہے۔ موسولینی کے بدلے ہوئے ارادے کی اطلاع جیسے ہی امریکہ پہنچی پریسیڈنٹ رومنولڈ نے فوراً اسے ذاتی طور پر پیغام بھیجا کہ وہ اس نوبت پر جنگ میں شریک نہ ہو اور اس کے عوض اس سے وعدہ کیا کہ برطانیہ اور فرانس اس کے مطالبات کی

تکمیل کی ضمانت کریں گے بلکہ صلح کی کانفرنس میں اٹلی کو بھی شریک کر لیں گے۔ لیکن مسولینی پریسیڈنٹ روسولٹ کی اس درخواست کا مطلق اثر نہ ہوا اور اس نے برطانیہ سے جو تجارتی گفتگو ہو رہی تھی اُسے بیچ میں توڑ کر ۱۰ جون ۱۹۴۰ء کو برطانیہ اور فرانس دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

ایسے وقت میں اٹلی کے اعلان جنگ کے بعد فرانس کے لئے دشمنوں سے مقابلہ کا کوئی موقع ہی باقی نہیں رہا، مجبوراً موسیو پیو کی حکومت نے جو پیرس سے بھاگ کر دہلی آگئی تھی، جرمنوں سے عارضی صلح کی سلسلہ جنبا ئی شروع کر دی اور ساتھ ہی اپنے شریک جنگ حکومت برطانیہ سے درخواست کی کہ وہ فرانس کو جرمنی سے صلح کر لینے کی اجازت دیدے، اس معاہدے کی رو سے جو فرانس اور برطانیہ میں طے ہوا تھا کسی فرق کو علیحدہ دشمن سے معاہدہ کر نیکا اختیار حاصل نہیں تھا لیکن برطانیہ کی حکومت نے فرانس کو اس شرط کے ساتھ یہ اجازت دیدی کہ فرانس اپنا بحری بیڑہ انگلستان کے حوالے کر دے۔ لیکن موسیو پیو کی حکومت کو برطانیہ کی اس پیش کردہ شرط کی تکمیل کا موقع ہی نہ مل سکا۔ جرمنوں کے دباؤ سے وہ ۱۶ جون ۱۹۴۰ء کو مستعفی ہو گئی اور اسی دن مارشل پٹیان فرانس کے ایک بورڈ سے سپاہی کی ماتحتی میں دہلی میں ایک نئی حکومت قائم ہو گئی۔ اور اس نے برطانیہ کی اس شرط کو پس پشت ڈال کر ۲۲ جون کو جرمنی سے اور ۲۴ جون کو اٹلی سے عارضی مصالحت کر لی۔

عارضی مصالحت کی شرائط میں فرانس کا تقریباً ۳۳ حصہ جو جرمن فتح کر چکے تھے اختتام جنگ تک موسیو علی علاقوں کے اسی کے قبضہ میں رہنے دیا گیا، جرمن قیدیوں کو آزاد چھوڑ دیئے گئے لیکن فرانسیسی قیدی بدستور جرمنی میں نظر بند رہے۔ السیس لورین پر جرمنوں کا دعویٰ تسلیم کر لیا گیا۔ نپس کے علاقہ پر اٹلی کو گفتگو کرنے کا

ناحق دیا گیا اور سب اہم شرط یہ تھی کہ جرمنی کے اس وعدہ کے عوض کہ وہ فرانسیسی بیڑے سے فرانس کے پڑانے سا بھتی برطانیہ کے خلاف کوئی کام نہ لیگا سارا فرانسیسی بیڑہ جرمنی کے حوالے کر دیا گیا۔

یہ آخری شرط صریح طور پر برطانوی مفاد کے خلاف تھی، برطانیہ نے اس پر احتجاج کیا اور فرانس کو اگا ہ کیا کہ فرانس بغیر برطانیہ کی منظوری کے جرمنی سے علیحدہ سمجھوتہ نہیں کر سکتا اور برطانیہ اسی وقت اپنی رضامندی دے سکتا ہے جب فرانس کا بحری بیڑہ برطانیہ کے حوالے کر دیا جائے لیکن جب دشنی کی حکومت نے برطانیہ کے اس دعوے کو نہیں مانا تو حکومت برطانیہ نے دشنی کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ فرانس کا بحری بیڑہ نہ برطانیہ کو دیا جائے اور نہ جرمنی کو بلکہ نا اہتمام جنگ کسی غیر جانبدار ملک کی بندرگاہ میں بھیجا جائے۔ لیکن جرمنی کے دباؤ کے باعث دشنی نے برطانیہ کا یہ مطالبہ بھی ٹھکرا دیا۔ دشنی کے اس رویہ کا حکومت برطانیہ پر بہت اثر پڑا اب اس کے لئے دو ہی راہیں کھلی ہوئی تھیں یا تو فرانس کی ناراضی کا خیال کئے بغیر بزور بازو اپنے مطالبہ کی خود ہی تکمیل کر لے یا پھر اپنی قسمت پر شاکر ہو بیٹے۔ اور نتیجہ کو آئندہ کے حالات کے سپرد کر دے۔ حکومت برطانیہ نے پہلی صورت اختیار کی اور عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر فرانس کے درہتائی بحری بیڑے کو بزور بازو یا تو قبضہ میں کر لیا، یا بیکار کر دیا۔

باب ۲۹

فرانس کی شکست کا ردِ عمل، رومانیہ کے حصّے بحری برطانوی پہلوئی تا

فرانس سے عارضی مصالحت کے بعد، مثلاً کو یہ توقع تھی کہ فرانسیسی بحری بیڑہ اس کے قبضہ میں آجائے گا لیکن یہ توقع اس کی پوری نہ ہو سکی حکومت برطانیہ نے جب دیکھا کہ دشمن کی حکومت یہ تجویز بھی ماننے کو تیار نہیں ہے کہ تا اختتام جنگ اپنے بیڑے کو کسی غیر جانبدار ملک کی بندرگاہ میں رکھ دے تو اس نے پہلے تو ان سب فرانسیسی جہازوں پر قبضہ کر لیا جو برطانیہ کی بندرگاہ میں کھڑے تھے ان میں دو بڑے جنگی جہاز تھے، دو کروزر تھے چند آبدوز کشتیاں تھیں اور تقریباً دو سو چھوٹے تجارتی جہاز اور کشتیاں تھیں ان جہازوں کے علاوہ شمالی افریقہ کے فرانسیسی بحری مرکز ”ادراں“ پر بھی توجہ کی اور عین اس وقت جبکہ اس مرکز سے فرانسیسی جہاز نکال کر جرمنی کی نگرانی میں دیئے جا رہے تھے بحیرہ روم کے برطانوی امیر البحر کی طرف سے اور ان کے فرانسیسی گورنر کو ایک الٹی میٹم ملا جس میں فرانسیسی گورنر سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ چھ گھنٹے کے اندر اندر اور ان کے سدا فرانسیسی جہاز امریکہ یا اسٹانڈیز کی بندرگاہوں میں بھج دئے جائیں، فرانسیسی گورنر نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اسپر برطانوی بحری بیڑے اور بیڑے کے ہوائی جہازوں نے جو اس ہی بحیرہ روم میں کھڑے ہوئے تھے وقت گزرنے کے بعد اور ان کے فرانسیسی جہازوں پر حملہ کر دیا۔ ایک فرانسیسی جنگی جہاز ڈوب دیا ایک بمیل کروڈ کو سخت نقصان پہنچا دو تباہ کن جہاز اور ایک ہوائی جہاز لے جانے والے جہاز میں آگ لگا دی اور دو

چھوٹے جنگی جہازوں کو بیکار کر دیا، اسی کے ساتھ اسکندریہ پر جو فرانسیسی جہاز لنگر انداز تھے انہیں بھی برطانوی نگرانی میں سولے لیا۔ اس طرح حکومتِ برطانیہ نے فرانس کے دو تہائی بیڑے پر یا تو قبضہ کر لیا یا اسے بیکار کر دیا۔

حکومتِ برطانیہ کی اس حرکت کا دشمنی کی حکومت نے بہت برا مانا اور اسی عذر کو درمیان میں رکھ کر برطانیہ سے سیاسی رشتہ توڑ دیا، لیکن امریکہ پر اور یورپ کی غیر جانبدار جماعتوں پر برطانیہ کی اس کارروائی کا نہایت اچھا اثر پڑا۔ اسی کارروائی کے بعد دراصل ان ملکوں کو یہ یقین آیا کہ برطانیہ اب فی الحقیقت محوری طاقتوں سے ہر میدان میں مقابلہ کر سکا ارادہ رکھتا ہے۔

فرانس کی شکست اور جرمنی سے مصالحت کا خود فرانسیسیوں پر فرانسیسی تقوُّل پر اور بلقان کی ریاستوں پر برا اثر پڑا، فرانسیسیوں کا ایک طبقہ دشمنی کی حکومت سے ناراض ہو کر انگلستان آگیا اور یہاں جنرل ”ڈگال کی قیادت میں آزاد فرانسیسیوں“ کے نام سے ایک قومی کمیٹی بنائی اور اعلان کر دیا کہ آزاد فرانسیسی برابر برطانیہ کے دوش بدوش جرمنی سے جنگ جاری رکھیں گے۔ اس نئی تحریک کا اثر فرانسیسی مقبوضات پر بھی پڑا۔ وسطی افریقہ کے مقبوضے میں یہ تحریک زیادہ کامیاب ہوئی، مشرقِ بعید میں انڈوچینا (ہندوچینی) کا گورنر جنرل ڈگال کا حامی ہو گیا، ہندوستان اور مصر کے فرانسیسیوں نے اس تحریک کی تائید کی۔ دشمنی کی حکومت کو اس تحریک کے مقابلہ کے لئے شام اور شمالی افریقہ کے مقبوضات میں زیادہ سرگرمی دکھانی پڑی۔

مشرقِ بعید میں جاپان اور تھائی لینڈ نے (سیام) ہاتھ پاؤں پھیلائے شکست خوردہ فرانس جو یورپ میں خود ہی مصیبتوں میں مبتلا تھا، مشرقِ بعید میں جاپان اور سیام کے عوام کے مقابل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ سیام نے ہندوچینی کے ایک

علاقے کا دعویٰ کر دیا جو پہلے کبھی سیام سے ہندوچینی کی فرانسیسی حکومت نے جعین لیا تھا اور جاپان نے ہندوچینی کی کمزوری کو درمیان میں رکھ کر برطانیہ پر شہ ڈالی اور حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کر دیا کہ چین کی مدد کے لئے جو سڑک براہ سے بنائی گئی ہے وہ بند کر دی جائے۔

بلقان کی ریاستوں پر فرانس کی شکست کا یہ اثر پڑا کہ اُنہیں برطانیہ کی فتح مشتبہ نظر آنے لگی جنگ سے پہلے حکومت برطانیہ نے رومانیہ اور یونان کی طمانیت کر لی تھی، فرانس کی شکست کے بعد سے یہ ملک اپنے اردو میں کچھ متزلزل نظر آنے لگے۔ حضور مکارومانیہ ایک تازہ مصیبت میں گرفتار ہو گیا اس سے ایک طرف رُوس نے ۲۴ گھنٹہ کا نوٹس دیکر ”بسر بیبا اور بکونیہ کے صوبے طلب کر لئے اور دوسری طرف بلغاریہ اور ہنگری نے ٹرانسلونیہ اور دبوردجہ کے علاقوں کا دعویٰ کر دیا (یہ علاقے رومانیہ کو ۱۹۱۸ء میں بلغاریہ، رُوس اور ہنگری سے دلوائے گئے تھے) ان سب کو نہ مطالبوں سے رومانیہ سخت پریشانیوں میں گھر گیا، اس کے وجود کی طمانیت کرنے والوں میں ایک تو شکست کھائی چکا تھا دوسرا جوابی رہ گیا تھا وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا اس نے مجبوراً رُوس کے آگے سرخم کر دیا لیکن بلغاریہ اور ہنگری کا دعویٰ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ساتھ ہی اُس نے برطانیہ اور فرانس کی ”طمانیت“ بھی ٹھکرا دی جس پر وہ اب تک تکیہ کئے ہوئے تھا۔

۱۵ سیام کے مطالبہ کے جواب میں دہلی کی حکومت نے سیام سے گفت و شنید شروع کر دی اور جاپان کا مطالبہ حکومت برطانیہ نے اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ اگرچہ ہمیں چین اور جاپان میں صلح نہ ہوئی تو اس سڑک کو دوبارہ کھول دینے کا برطانیہ کو اختیار ہوگا۔ (مؤلف)

۲۸ جون ۱۹۱۴ء کو روس نے نہایت آسانی سے سر بیا اور بکوونیا پر قبضہ کر لیا اور ہنگری اور بلغاریہ کا معاملہ جرمنی نے بیچ میں پڑ کر اس طرح طے کر دیا کہ ”ٹرانسلووینیا“ کا کچھ علاقہ رومانیہ کے پاس چھوڑ کر باقی ہنگری کو اور دوسرے علاقے بلغاریہ کو دوادیا اس طرح رومانیہ پر برطانیہ کے بجائے جرمنی کا اقتدار قائم ہو گیا۔

ٹرکی سے برطانیہ اور فرانس کا اتحاد ہوا تھا اور ٹرکی اس اتحاد پر بدستور قائم تھا لیکن فرانس کی شکست کے بعد جرمنوں نے چالاکی سے ٹرکی اور روس کے تعلقات میں کشیدگی پیدا کر دی جس سے بلقان اور مشرق قریب میں ترکی کا اثر بڑھ رہا ہو گیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ ٹرکی برطانیہ اور فرانس میں جب اتحاد کا معاہدہ ہوا تو جنوب مشرقی یورپ میں جہاں بہت سی فوجی چالیں آپس میں زیر بحث آئیں وہیں ایک نقشہ یہ بھی تجویز ہوا تھا کہ اگر روس جرمنی کے ساتھ ہو گیا تو ترکی سرحد میں سے گزر کر اتحادیوں کے ہوائی جہاز باکو کے تیل کے چشموں پر بم برسا سکیں گے لیکن یہ محض ایک ابتدائی نقشہ تھا اس پر ترکی برطانیہ اور فرانس کے جنرل اسٹاف نے غور بھی نہیں کیا تھا اور جب جنگ شروع ہونے کے بعد روس نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا تو اس نقشہ پر غور کرنے کی چنداں ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ یہ نقشہ فرانس کی شکست کے بعد جرمنی کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے اسے توڑ مڑ کر اس طرح شائع کر دیا جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ ترکیوں نے اتحادیوں سے یہ سازش کر لی ہے کہ جنگ شروع ہوتے ہی ترکی باکو کے تیل کے چشموں پر قبضہ کر لے گا۔ جرمنی کے اس انکشاف سے ترکی اور روس کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے اور ترکی کو اپنی مشرقی سرحدت کے متعلق وہ اطمینان باقی نہ رہا جو اس سے پہلے حاصل تھا۔

جرمنی نے یہ چال اسلئے اچلی تھی کہ ترکی کو برطانیہ سے توڑ کر اپنے ساتھ بلا لے اور پھر ترکی کی مدد سے جنوبی یورپ اور مشرق قریب میں برطانیہ کے اقتدار پر ایک کادری ضرب لگا دے لیکن ترکی نے روس سے کشیدگی ہو جانے کے باوجود جرمنی سے اپنا رشتہ جوڑنا پسند نہیں کیا جس کی وجہ سے مشرق قریب کے متعلق مہٹر کا پروگرام ناقص رہ گیا۔

مہٹر نے فرانس سے منٹ کرائٹلستان پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن سمندر کی وہ ذرا سی دھجی جو براعظم یورپ اور انگلستان کے درمیان حائل تھی مہٹر کی پیش قدمی میں نہایت سخت روک ٹوک بنی ہوئی تھی، مہٹر نے اسے عبور کرنے کی کوشش میں بلجیم، ہالینڈ اور فرانس کی مغفوتہ بندرگاہوں میں ہزاروں کشتیاں اور فوج لے جانے والے جہاز اکٹھے کئے ان کے پیچھے لاکھوں کی تعداد میں کیبل کائنات سے یس فوج تیار رکھی اور اس فوج کے راستہ کو ہموار کرنے کے لئے اس نے اپنے بم ماروں کی مدد سے انگلستان کے پایہ تخت اور بندرگاہوں پر پوری قوت اور شدت سے بمباری شروع کر دی۔ مہٹر کی ان عظیم الشان تیاریوں اور جرمنی کے ہوائی جہازوں کی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے عام طور پر یہ خیال ہو رہا تھا کہ شاید ۱۵ اگست کی تاریخ انگلستان کے لئے سلامتی کے ساتھ نہ گزر سکے گی لیکن ۱۵ اگست کی تاریخ بہت جلد ۱۵ ستمبر میں بد لگئی اور ۱۵ ستمبر کے بعد ۱۵ اکتوبر کی تاریخ بھی خیر و خوبی سے گزرنے لگی اور انگلستان پر مہٹر کا حملہ نہ ہو سکا۔ دافنیہ ہے کہ تیاریاں اس حملے کی مہٹر نے پوری طرح مکمل کر لی تھیں اور کوشش میں بھی اس نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانے کی تھی لیکن انگلستان کی مدافعت کے آگے اس کی ایک دھچک بھی نہ چلی۔ جرمنی کے سیکڑوں ہوائی جہاز اس کوشش کے نذر ہوئے

اور برطانوی ہوائی جہازوں کے ہاتھوں ہزاروں کشتیاں جو فرانس ہالینڈ اور بلجیم کے ساحل پر گھڑی بھیس بنا رہی تھیں۔ اور ہزاروں سپاہی جو ان کشتیوں کے پیچھے تیار کھڑے تھے لغز اجل بن گئے۔

برطانوی ہوائی جہازوں کی قوت مہلکے انداز سے زیادہ ہلاکت آفریں ثابت ہوئی اور باوجود متواتر مسلسل کوشش کے وہ نہ اپنے ہم مادرں کی مدد سے انگریزوں کے حوصلوں کو پست کر سکا اور نہ اپنی جنگی تیاریوں کو برطانوی ہوائی جہازوں کی دست برد سے بچا سکا۔ انگلستان پر ٹھہر کا مجوزہ حملہ ناکام رہا اور اپنی اس ناکامی کو چھپانے کے لئے اسے فوراً اور طرف متوجہ ہونا پڑا۔

فرانس، اسپین، اٹلی، رومانیہ اور جاپان اس کی بساط سیاست کے نہایت اہم اور ضروری مہرے تھے اور وہ ان سب سے موقع بہ موقع اپنے آئندہ پروگرام کی تکمیل میں کام لینا چاہتا تھا۔

باب ۳

بحیرہ روم اور بلقان میں محوری طاقتوں کی تازہ سرگرمیاں

فرانس سے جن شرائط کے ماتحت مہلر نے عدنی مصالحت کی تھی وہ بہت دلوں پر قائم نہ رہا، پہلے تو اس نے فرانس کو جرمنی کے ساتھ اقتصادی اشتراک عمل کے لئے مجبور کیا اور اس کے بعد بحیرہ روم میں برطانیہ کو نیچا دکھانے کے لئے فرانس کے نیچے کھجے۔ بحری بیڑے اور چند بندرگاہوں کا مطالبہ کر دیا۔ فرانس کا ایک چوتھائی حصہ جو دشی کی حکومت کے پاس تھا بالکل مہلر کے رحم و کرم پر تھا اس اعتبار سے اس کا امکان نہیں تھا کہ دشی کی حکومت مہلر کے ان مطالبات کو رد کر دے گی لیکن مارشل پیتان نے اس موقع پر غیر معمولی استقامت دکھائی، جرمنی سے اقتصادی اشتراک عمل کی تو حامی بھری لیکن فرانسیسی بحری بیڑہ اور بندرگاہوں کو جرمنوں کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار کے جواب میں مہلر کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ دشی کی حکومت کو دوسرے سے فرانس ہی سے نکال باہر کرتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا غالباً وہ اس موقع پر اپنے دشمنوں میں امانہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے تشدد کا طریقہ اختیار کر لیا بجائے اپنا مطالبہ منوالے کیلئے دشی کی حکومت سے گفتگو شروع کر دی گئی مرتبہ مارشل پیتان اور اس کے وزیروں سے بلا، لالچ بھی دیے، دھمکیوں سے بھی کام لیا اور جب اس سے بھی کام نہ بنا تو دشی کی حکومت میں دلا وال کے ذریعہ رخنہ ڈالنے کی کوشش شروع کر دی۔

”پیری لادال“ دشی کا نائب وزیر اعظم تھا فرانس کے غیر مفتوحہ علاقے میں ہٹلر کا خاص آدمی اور انگریزوں کا یہ سخت مخالف سمجھا جاتا تھا وہ دل سے یہ چاہتا تھا کہ فرانس اور جرمنی میں پورا پورا اشتراک عمل ہو جائے اس نے مارشل پٹیان کو ہٹلر کے آگے جھک جانے پر مجبور کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور جب اس سے کام نہ چلا تو اس نے جرمنوں سے سازش کر کے خود دشی کی حکومت پر قبضہ کر لینا چاہا لیکن ”لادال“ کی یہ سازش دقت سے پہلے ظاہر ہو گئی اور مارشل پٹیان نے اسکو فوراً نائب وزیر اعظم کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔ اور اس کے بجائے ”ڈارلان“ کو نائب وزیر بنا دیا جو فرانسیسی بحری بیڑے کا کمانڈر اور پٹیان کا اپنا آدمی تھا۔

دشی کی حکومت میں اس تبدیلی کے بعد ہٹلر کو کچھ دنوں کے لئے اپنا مطالعہ ملتوی کر دینا پڑا۔

جنرل فرینکو پر سولینی اور ہٹلر دونوں کا احسان تھا اسلئے کہ ان ہی دونوں کی مدد سے جنرل فرینکو کو جمہوریہ اسپین پر فتح حاصل ہوئی تھی، اب موقع تھا کہ جنرل فرینکو اس احسان کا بدلہ کرتا، بحیرہ روم کے مغربی دہانے پر برطانیہ کا بحری مرکز ”جبرالٹر“ جغرافیائی حیثیت سے اسپین میں شامل تھا، ہٹلر جنرل فرینکو کی مدد سے اس برطانوی بحری مرکز پر قبضہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے خود ہٹلر نے اسپین کی سرحد تک سفر کیا اور جنرل فرینکو کو مجبور کیا کہ وہ برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر کے جبرالٹر پر فوراً حملہ کر دے لیکن جب فرینکو نے اس عذر کے ماتحت کہ اسکی فوجیں موجودہ آلات جنگ سے پوری طرح مسلح نہیں ہیں جنگ میں ہٹلر کا ساتھ دینے سے معذوری ظاہر کی تو ہٹلر نے دوسرا مطالبہ فرینکو سے یہ کیا کہ وہ جرمن فوجوں کو جبرالٹر تک اپنے علاقہ سے گزر جانے کی اجازت دیدے۔ جنرل فرینکو ہٹلر کا یہ مطالبہ بھی منظور نہیں

کر سکتا تھا اسلئے کہ جرمن فوجوں کو اپنے مملک سے گزرنے دینے کے معنی ہی یہ ہوتے کہ اسپین جنگ میں جرمنی کا شریک ہے اور اسی صورت میں اسپین کو برطانوی ناکہ بندی اور برطانیہ اور جرمنی کے درمیان میں آجانے سے نہیں بچایا جاسکتا تھا۔

اگرچہ ہٹلر اور فرینکو کی ملاقات کے بعد بھی اس بارے میں جرمنی اور اسپین میں برابر گفتگو جاری رہی اور اسپین کے وزیر خارجہ نے برلن اور روم کے کئی چکر بھی لگائے لیکن نتیجہ ان چکروں کا بھی کچھ نہ نکلا، جنرل فرینکو بدستور غیر جامہ داری پر قائم رہا اور اسپین کو جنگ کی لپیٹ سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب رہا فرینکو کی دور اندیشی کے باعث جبرالٹر کے متعلق ہٹلر کا پیر و گرام ناکام رہا اور اسے بھی کسی اور وقت کے لئے ہٹلر کو ملتوی کرنا پڑا۔

۱۔ اٹلی اب جرمنی کا جزو لا ینفک تھا اور خود اٹلی کا اپنا مفاد بھی اس میں تھا کہ وہ بالکل جرمنی کے ساتھ رہے، یہی صورت جاپان کی تھی جس وقت ہٹلر نے اسٹالن سے معاہدہ کیا تھا تو جاپان اور جرمنی میں کچھ دنوں کے لئے کشیدگی پیدا ہو گئی تھی، لیکن فرانس کی شکست کے بعد نہ صرف یہ کشیدگی دور ہو گئی بلکہ جاپان اپنی غرض کے لئے پہلے سے بھی زیادہ ہٹلر کی طرف جھک گیا ان تینوں طاقتوں کے درمیان ”انٹی کمونٹرن پیکٹ“ کے نام سے جو معاہدہ تھا وہ اب بدلے ہوئے حالات میں کچھ بے اثر سا ہو گیا تھا اسلئے ستمبر ۱۹۴۰ء میں آپس میں ایک نیا جارحانہ اور مدافغانہ معاہدہ طے ہوا اور ہٹلر کے یہ دونوں ساتھی ایک نئے زاویہ سے سلطنت برطانیہ کے مقابل آ گئے۔

فرانس کی شکست کے ساتھ ہی بحیرہ روم اور شمالی اور شرقی افریقہ میں موسولینی کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ لیبیا کی اطالوی فوجیں تین سو میل صحرا کا علاقہ طے کر کے مصر کے سرحدی شہر ”سدی برانی“ تک بڑھ آئیں اور وہاں اپنے مورچے قائم کر کے

موقع کے انتظار میں ہوئیں اور دوسری طرف اطالوی سمالی لینڈ کی فوجیں برطانوی سمالی لینڈ میں گھس گھس اور معمولی سی لڑائی کے بعد اُسے بھی فتح کر لیا۔ برطانیہ کی مدافعتی فوجیں جو دریائے نیل کے کنارے پڑی تھیں اُن کی تعداد اتنی نہیں تھی کہ اُٹلی کے اس دو طرفہ حملے کو روک سکتیں اسلئے یہ فوجیں سمٹ سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہوتی گئیں لیکن چپکے چپکے اپنی طاقت بھی بڑھاتی رہیں۔

افریقہ میں سویڈن کی اس پیش قدمی کا مقصد یہ تھا کہ ستمبر ۱۸۸۲ء میں ہٹلر جو برطانیہ پر حملہ کرنے والا تھا اس حملہ کیلئے ہی مصر پر بھی حملہ کیا جائے اور ایک ہی دار میں سلطنتِ برطانیہ کی طاقت کو کھیل کر رکھ دیا جائے۔

صورتِ حال کافی خطرناک تھی اور عام خیال یہ تھا کہ برطانیہ کی کہن سال سلطنت محوری طاقتوں کی اس ضرب کی تاب نہ لاسکے گی لیکن ایسا نہ ہوا، برطانیہ پر ہٹلر کے ہوائی حملے بیکار ثابت ہوئے اور اُٹلی کی فوجیں جو برطانیہ کی شکست کے انتظار میں ہمدی برانی پر پڑی ہوئی تھیں وہیں کی وہیں پڑی رہ گئیں۔

برطانیہ پر ناکام حملوں کے بعد ہٹلر نے فوراً ایک اور چال چلی مغربی محاذ کی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے اُس نے مشرق کی طرف اپنا رخ پھیر دیا اور رومانیہ کی جانب حرکت شروع کر دی مقصد یہ تھا کہ رومانیہ کے تیل کے چٹے بھی اس کے قبضہ میں آجائیں اور رومانیہ میں اسکی فوجی نقل و حرکت سے بلقان میں بھی الجھ جی جائے اور بلقان کے بعض ممالک خصوصاً ترکی اور یونان پر برطانیہ کا جو اثر ہے وہ زائل ہو جائے ہٹلر کو رومانیہ میں اپنا اقتدار قائم کر لینے میں پوری کامیابی ہوئی شاہ کیرول نے اگرچہ برطانوی طمانیت کو ٹھکرا دیا تھا لیکن وہ ناشیوں کے ہاتھ میں بھی کٹھ پتلی بننے کے لئے تیار رہے اسکا خوجہ یہ تھا کہ وہاں ناشیوں نے اپنے اثر سے انقلاب برپا کیا

شاہ کیر دل اپنے لڑکے کے حق میں سخت سے دست بردار ہو کر رومانیہ سے فرار ہو گئے اور جنرل ”انٹی نسکو“ نے ڈکٹیرین کرملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا، اسی جنرل انٹی نسکو کی مدد سے جرمنوں نے رومانیہ میں دخل حاصل کیا اور رفتہ رفتہ وہاں اپنے بارہ ڈویژن کیل کانٹے سے یس مود فضائی بیڑے کے متعین کر دیئے۔

دوسری طرف سولینی نے اپنی لیبیا کی فوجوں پر مصر کی برطانوی فوجی دباؤ کو جو برابر بڑھتا چلا آ رہا تھا دور کرنے کے لئے بحیرہ ریمین کے راستہ شام پر قبضہ کر لینے کی طرح ڈال دی۔

اسکیم یہ تھی کہ شام پر قبضہ کر کے ایک طرف ترکی اور یونان کے گرد ایک مضبوط حصہ کھینچ دیا جائے۔ شام کے راستہ موصل اور ایران کے تیل کے جپٹوں پر قبضہ جمایا جائے اور دوسری طرف نہر سوئز کے برطانوی فوجی مرکز پر شہ ڈال کر دریائے نیل کے کنارے کی ان برطانوی فوجوں کی توجہ بٹا دی جائے جو سیدی برانی کی اطالوی فوجوں کا راستہ روکے پڑی تھیں۔

اسکیم اپنے نتائج کے اعتبار سے یقیناً بہت اہم اور شاندار تھی لیکن اسکی کامیابی کا فزنیہ صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا تھا جب اٹلی کو بحیرہ روم اور بحیرہ ریمین میں پورا پورا اقتدار حاصل ہو جائے اور برطانیہ کی بحری طاقت کے مقابل اٹلی کے لئے مشترقی بحیرہ روم اور بحیرہ ریمین میں یہ اقتدار حاصل کر لینا آسان نہ تھا۔

لے شام پر فرانسیسی انتداب ہے لیکن فرانس کی شکست کے بعد سے سولینی برابر پر قبضہ کرنے کی دھن ہیں لگا ہوا تھا چنانچہ فرانس کے ہتھیار ڈالنے ہی اٹلی کا ایک فوجی مشن شام گیا تھا جہاں جس نے فرانسیسی فوجوں اور ہوائی ایسٹنوں کا معائنہ کیا اس معاملے کے بعد اٹلی نے فرانس پر زور دیا کہ شام اٹلی کے حوالے کر دیا جائے لیکن مارشل پینان نے اسکو نہیں مانا اس انکار کے بعد سولینی اپنی زبردستی قابض ہونا چاہتا تھا۔ (مولف)

یوں توجیہ انجمن پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی تمنا دت سے موسینی کے دل میں
 تھی اور اس کے لئے اس نے یونان کی مشہور بندرگاہ "سلونیکا" کو بھی تاک رکھا تھا لیکن
 اب تک اسے اس بندرگاہ پر قبضہ کر لینے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا اس وقت موقع تھا کہ وہ
 اپنی دیرینہ تمنا پوری کرتا چنانچہ موسینی نے ہٹلر سے مشورہ کے بعد یونان پر دباؤ ڈالنا شروع
 کر دیا کہ وہ برطانیہ سے رشتہ توڑ کر جرمنی اور اٹلی سے رشتہ جوڑے، سلونیکا اٹلی کے حوالے
 کر دے اور اٹلی کی فوجوں کو اپنے علاقے سے اس بندرگاہ تک گزرجانے کا راستہ دے اس کے
 علاوہ بحر اڈریاٹک میں کریم اور کارفیو کو استعمال کرنے کی اجازت دیے۔

ظاہر ہے کہ اٹلی کے یہ مطالبے جو عملاً یونان کی آزادی کو ختم کرنے والے تھے اس
 قابل نہیں تھے کہ یونان کی حکومت سنجیدگی سے اس پر غور بھی کرتی موسینی نے جب دیکھا
 کہ محض گفت و شنید سے کام نہیں بن سکتا تو اس نے محض دھمکائے کے لئے ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء
 کو یونان کی حکومت کو تین گھنٹہ کا الٹی میٹم دیدیا، موسینی کا خیال تھا کہ الٹی میٹم سے یونان
 کی حکومت گھبرا جائے گی اور فوراً اٹلی کے مطالبات کے آگے سرخم کر دے گی۔ لیکن موسینی
 کی توقع کے خلاف یونان نے الٹی میٹم قبول کر لیا اور صرف تین گھنٹے کے نوٹس میں اٹلی اور
 یونان میں لڑائی شروع ہو گئی۔

موسینی کا انا بیان اس جنگ کے متعلق یہ تھا کہ اٹلی یونان سے جنگ کرنی
 نہیں چاہتا تھا، جنرل شکس وزیر اعظم یونان نے اٹلی کا الٹی میٹم سمجھنے میں غلطی کی اور
 خود ہی اٹلی سے جنگ شروع کر دی لیکن اس اعلان کے باوجود جنگ میں پہل اطالیوں نے
 کی اور ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو صبح ۶ بجے وہ یونان کی سرحد پار کر آئے۔

اٹلی کا ایک کالم شمال سے جنوب کی طرف بڑھا اور دوسرے کالم نے البانیہ کی
 سرحد سے سلونیکا کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ابتداً اٹلی کی فوجوں کو برابر کامیابی ہوئی

رہی اور دو ہفتہ کے اندر اندر وہ یونان کے ساحل پر پہلے پہلے جنوب میں کافی دور تک گھس آئیں لیکن دو ہی ہفتہ بعد لڑائی کا پالٹہ پلٹ گیا، یونانی فوجوں نے نہ صرف اٹلی کے دونوں کالوں کی پیش قدمی روک دی بلکہ انہیں دباتے ہوئے اپنی سرحد سے پرے دھکیں دیا اور خود البانیہ میں گھس کر انہیں پہلے درپے شکستیں دینی شروع کر دیں۔ یونان کی اس غیر متوقع کامیابی سے اٹلی کا مجرم کھل گیا اور یونانیوں کے حوصلے بڑھ گئے برطانیہ نے حسب معاہدہ اعلان جنگ کے ساتھ ہی یونانیوں کی ہوائی جہازوں سے مدد کی اور یونان کی جنوبی بندرگاہوں کو اٹلی کے بحری بیڑے کی تاخت سے بچانے کے لئے جزیرہ کرٹ پر اپنا بحری موہ لگا دیا اور ”ڈروڈ کینز“ کے چند ٹاپوں پر قبضہ کر کے مشرقی بحیرہ روم میں طاقتور بحری بیڑے کی نقل و حرکت کو روک دیا، اس طرح اٹلی یونان سے جنگ شروع ہونے کے مہینہ بھر بعد ہی سب طرف سے گھیر گیا اور اس طرح گھیرا کہ اسکا ساتھ ہی جرمنی بھی اس موقع پر فی الفور اسکی مدد نہیں کر سکا اسلئے کہ موسم سرما کے باعث بلقان میں جرمنی کی فوجی نقل و حرکت ناممکن ہو گئی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی کو اپنی غلطی کا خود ہی حلیا زہ بھگتنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیا گیا۔

باب ۳

مشرق بعید میں جاپان کے اقتدار امریکہ اور برطانیہ کا متحد محاذ

فرانس کی شکست کے بعد ایک مرتبہ پھر جاپان کی حکمت عملی نے پلٹا دکھایا، اقامت پسندوں کی حکومت ختم ہو گئی اور انتہا پسند جاپانی مدبروں نے فوجی لیڈروں کی مدد سے اپنی حکومت بنالی جاپان میں حکومت کی یہ تبدیلی گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ جاپان بحر الکاہل اور مشرق بعید میں اپنی محتاط پالیسی سے دستبردار ہو گیا اور یورپ کی کشمکش سے خود بھی مشرق بعید میں پورا پورا فائدہ اٹھانے پر آمادہ ہوا۔

جاپانی حکمت عملی کی اس تبدیلی کا پہلا ثبوت تو یہی تھا کہ جاپان نے برطانیہ کو یہ نوٹس دیدیا کہ وہ ”برماروڈ“ کو فوراً بند کر دے جس سے چنگ کاٹی شک کو سامان جنگ بھیجا جا رہا ہے اور برطانوی حکومت کو حالات کے پیش نظر جاپان کا یہ مطالبہ منظور کر لیا جائے لیکن برطانیہ نے جاپان کا یہ مطالبہ صرف تین مہینے کے لئے منظور کیا تھا اور شرط یہ رکھی تھی کہ اس دوران میں جاپان چین سے مصالحت کر لے، مقصد یہ تھا کہ جیسے ہی یورپ میں حالات کسی قدر سنبھل جائیں اس معاہدہ سے برطانیہ کو گریز کا موقع مل سکے چنانچہ تین مہینے بعد جب یورپ میں حالات کسی قدر بہتر ہو گئے تو برطانیہ نے یہ اعلان کر دیا کہ جس مدت کے لئے برماروڈ بند کی گئی تھی وہ ختم ہو گئی اور چونکہ اس مدت میں جاپان نے چین سے مصالحت کی کوشش نہیں کی اور آئندہ اسکا ارادہ معلوم ہوتا ہے اسلئے برماروڈ ۱۵ اکتوبر ۱۹۰۴ء کی رات کو بارہ بجے کھول دی جائے گی۔

اس اعلان نے جاپان کو غضب ناک کر دیا اور اس نے فوراً برطانیہ سے اس کا بدلہ لینے کے لئے مغربی چین کے بعض علاقہ کو جہاں بہت بھڑی بھڑی سی انگریزی فوج تھی گھیر لیا، حکومت برطانیہ نے جاپان کی اس کارروائی پر انگریز بچوں اور عورتوں کو ان علاقوں سے نکال لیا اور ان علاقوں کو امریکہ کے سپرد کر کے وہاں سے اپنی فوجیں بھی ہٹا لیں، یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ برطانیہ اب جاپان کے دباؤ کو تسلیم نہیں کرے گا اور اگر وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تو برطانیہ مشرق بعید میں جاپان پر بھی لڑنے میں پس دپیش نہیں کرے گا۔

حکومت برطانیہ کی اس جوابی کارروائی سے جاپان کی تیز رفتاری میں وقفہ ضرور آگیا لیکن مشرق بعید میں اقتدار حاصل کرنے کا جو مقصد اس نے اپنے لئے متعین کر لیا تھا اس سے دست بردار نہ ہوا بلکہ پہلے سے زیادہ محتاط اور مضبوط بنیا دوں پر مشرق قریب اور بحرالکاہل میں اپنی پیش قدمی کا خاکہ تیار کرنا شروع کر دیا۔

۲۷ ستمبر ۱۹۰۱ء کو جرمنی جاپان اور اٹلی نے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا نیا معاہدہ طے کیا، یہ معاہدہ برطانیہ اور امریکہ دونوں کو کھلا ہوا چیلنج تھا۔ اس معاہدے کا پہلا مقصد تو یہ تھا کہ جرمنی اور اٹلی متحد ہو کر بحیرہ روم، اور بحیرہ اٹلانٹک میں برطانیہ کی بحری طاقت پر ضرب لگائیں اور جب یہ دونوں

جرمنی اور اٹلی نے اس معاہدے میں جاپان کو اپنے ساتھ شریک ہی اسلئے کیا تھا کہ امریکہ کو دھمکا کر برطانیہ کی مدد سے اُسے باز رکھا جائے مقصد یہ تھا کہ بحرالکاہل میں امریکہ کو جاپان کے خطرے سے اس طرح ڈرایا جائے کہ امریکہ خود اپنی مدافعت کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس طرح برطانیہ کو وہ بحری مدد نہ مل سکے جس کا امریکہ نے برطانیہ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ (مولف)

رہل کر برطانیہ کو یورپ میں مصروف کر لیں تو جاپان بحر الکاہل اور مشرق بعید کو برطانوی اثر سے پاک کر دے۔

اس تدبیر کی کامیابی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا کہ بحر الکاہل اور بحیرہ اٹلانٹک میں امریکہ کو براہ راست محوری طاقتوں کے مقابل ہونا پڑ جاتا اس طرح گویا یہ معاہدہ بالواسطہ خود امریکہ کے بھی خلاف تھا اور چونکہ ان سمندروں میں برطانیہ اور امریکہ کا سفاد مشترک تھا اسلئے امریکہ کے لئے برطانیہ کے ساتھ ریل کران دونوں سمندروں میں محوری طاقتوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ ان سمندروں کی حفاظت کے لئے امریکہ نے برطانیہ کو ہر قسم کی امداد دینے کا اعلان کر دیا اور پہلی بحری مدد برطانیہ کی اس طرح کی کہ امریکہ کے پچاس تباہ کن ہڑا جہاز جو امریکہ کے لئے ”بیکار“ ہو گئے تھے برطانیہ کی نذر کر دیئے اور برطانیہ نے سمندروں کے مشترکہ بچاؤ کی اسکیم کے ماتحت اٹلانٹک میں حید جزائر امریکہ کی نگرانی میں دیدیئے تاکہ امریکہ ان جزائر میں اپنے بحری مرکز قائم کر کے اٹلانٹک کی حفاظت کا اپنے اطمینان کی حد تک اہتمام کرے۔

برطانیہ کو امریکہ کی اس کھلی ہوئی امداد کے بعد محوری طاقتوں پر یہ نہایت ہو گیا کہ ان سمندروں کی لڑائی میں برطانیہ ہی ان کے مقابل نہیں ہے بلکہ امریکہ کی بحری قوت بھی برطانیہ کے ساتھ ہے یہ بات محوری طاقتوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی لیکن اسکا کوئی علاج بھی ان کے پاس نہیں تھا سوائے اسکے کہ وہ برطانیہ کے ساتھ امریکہ سے بھی ٹکرا جائیں اور اسکی ان میں ابھی ہمت نہیں تھی۔

جرمنی اور اٹلی کے ساتھ نئے معاہدہ کے بعد جاپان نے پوری بخمد گئی تھی۔

لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن ان تیاریوں میں سب سے بڑی
دقت اسے خام لوہے اور تیل کی فراہمی میں پیش آرہی تھی امریکہ نے جاپان کو
خام لوہا اور تیل دونوں چیزیں بھیجی بند کر دیں ، اور جاپان امریکہ ہی سے
یہ دونوں چیزیں لیا کرتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے جاپان نے فوراً ایٹ
انڈیز کی طرف توجہ کی ، ہالینڈ کی غنچے کے بعد ایٹ انڈیز کی پوزیشن بہت خطرناک
ہو گئی تھی اور جاپان اسی وقت سے اس کی طرف لچائی ہوئی نظروں سے دیکھ
رہا تھا لیکن اس کی طرف کوئی اقدام کرتے ہوئے اسلئے ڈرتا تھا کہ امریکہ آسٹریلیا
اور برطانیہ دقت سے پہلے ہی اسے یہاں دبوچ لیں گے۔ تاہم تیل کی ضرورت سے
مجبور ہو کر اُسے ایٹ انڈیز کی طرف فوراً کوئی اقدام کرنا پڑا اسکا تجارتی مشن ایٹ
گیا بغا ہر گفٹ و شنید کرنے لیکن فی الحقیقت اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ ایٹ انڈیز کی
حکومت کو جاپان کی بحری طاقت سے ڈرا دھمکا کر ایٹ انڈیز کے تیل کی پیداوار میں
کم سے کم پچاس فی صدی حصہ بٹائے چنانچہ جاپانی مشن اپنے اس مقصد میں کامیاب
ہوا اور ایٹ انڈیز کی حکومت نے بجائے پچاس فی صدی کے اپنی پیداوار کا چالیس
فیصدی حصہ دینا منظور کر لیا۔

ایٹ انڈیز کی یہ حرکت اگرچہ امریکہ اور برطانیہ دونوں کے مفاد کے خلاف
تھی لیکن حالات وہاں کے کچھ اس قدر پیچیدہ ہو گئے تھے کہ وہ اس معاہدہ میں کوئی دخلت
نہ کر سکے ، البتہ اس معاہدے کے بعد مشرق بعید میں برطانیہ اور امریکہ دونوں اپنی
مداخلت کی طرف اور زیادہ سرگرمی سے متوجہ ہو گئے۔

مشرق بعید میں جن علاقوں کی طرف جاپان متوجہ ہو سکتا تھا ان میں
برطانوی ہانگ کانگ ، جزائر فلپائن ، ڈچ ایٹ انڈیز فرانسیسی مہند چینی اور

برا بہت نمایاں تھے اور چونکہ جاپان اس مہم کے لئے کئی لاکھ فوج بھی فراہم کر سکتا تھا اسلئے برطانیہ اور امریکہ ان علاقوں میں جاپان کی فوجی نقل و حرکت کی اہمیت کو گھٹا نہیں سکتے تھے البتہ اس مہم کو شروع کرنے سے پہلے جاپان کے لئے یہ بہت ضروری تھا کہ روس سے اسکا بھرتہ ہو جائے جسکی دس لاکھ فوج کمبل کانٹے سے یس "ولاڈی واسٹاک" میں کھڑی مدت سے جاپان کی پیمینی کا باعث بنی ہوئی تھی اور جس کی روک تھام کے لئے وہ بھی کم سے کم اتنی ہی فوجیں شمالی چین میں بیکار ڈالے رکھنے پر مجبور ہو رہا تھا۔

رہا جاپان کا بحری برہ اسکی طاقت بحرالکاہل میں برطانوی بحری طاقت سے بیشک زیادہ تھی لیکن امریکہ کی طاقت کے مقابلہ میں بہت کم تھی اور اگر امریکہ اور برطانیہ کی بحری قوتیں متحد ہو جائیں تو پھر جاپان کے لئے بحرالکاہل میں بحری سرگرمیاں دکھانے کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا تھا، لیکن ایک وقت امریکہ کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ بحرالکاہل میں امریکہ کے جو بحری مرکز تھے وہ جاپان کے سمندر سے بہت دور دراز فاصلوں پر واقع ہوئے تھے اگر اس سمندر میں امریکہ کے جہاز لو آئے کی ضرورت ہوتی تو یہ جہاز اپنے مرکز سے بہت دور ہو جاتے۔

اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے کچھ دنوں پہلے امریکہ نے بحرالکاہل کے چند درمیانی جزائر کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا تاکہ ان میں نئے بحری مرکز قائم کئے جائیں اگر امریکہ بینئے بحری مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تو بحرالکاہل میں جاپان کی ناکہ بندی بڑی آسانی سے ہو سکے گی اور اس ناکہ بندی کے بعد جاپان کے لئے اپنے عزائم کی تکمیل کا پھر کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جاپان اس موقع پر یورپ کے حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی آرزو کے باوجود مشرق بعید میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر مجبور ہے کیونکہ اگر

ایک قدم بھی اس کا غلط اٹھ گیا تو نہ صرف اُس کیلئے آئندہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہو جائیگا بلکہ مشرقِ بعید میں اسکی فوجی اور سیاسی اہمیت بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی۔

جاپان کا پہلا ”محمطاً قدم“ بہر حال فرانسیسی ہندوچینی کی طرف اٹھ ہی گیا۔ ابھی فرانس پر سے شکست کا اثر کم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ جاپان نے فرانسیسی ہندوچینی کی حکومت کو نوٹس دیدیا کہ ”ہیب ہانگ“ ریلوے فوڑا بند کر دی جائے، یہ ریلوے ہندوچینی اور چین کے درمیان قائم تھی اور اس سے مارشل جنگ فائدہ اٹھایا کرتا تھا دشمنی کی حکومت نے جو خود اپنی گھر کی تنہا ہی کے باعث انتہائی مشکلات میں، گھری ہوئی تھی جاپان کے بگڑے ہوئے پورے دیکھ کر فوراً اس کے مطالبہ کے گے گردن ڈال دی اور ۲۰ جون سنہ ۱۹۰۷ء کو یہ ریلوے لائن بند کر دی۔

اپنے اس مطالبہ کو آسانی سے پورا ہوتا دیکھ کر کچھ دنوں بعد جاپان نے ”دوسرا محطاً قدم“ اٹھایا اب کے اس نے دشمنی کی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ فرانسیسی ہندوچینی کی ایک بند گاہ میں جاپان کو بحری اور ہندوچینی کے اندرونی علاقے میں فضائی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے، جاپان کا یہ مطالبہ بہت اہم تھا اور اس سے فرانسیسی ہندوچینی کی مقبوضاتی حیثیت ختم ہو جاتی تھی اور خود فرانس کے اقتدار پر اس سے کاری ضرب آتی تھی اس لئے دشمنی کی حکومت نے جاپان کا یہ مطالبہ مانسنے سے انکار کر دیا اور لڑنے پر آمادگی ظاہر کی جاپان فرانس کے اس جواب کے لئے بالکل تیار تھا بلکہ اس جواب سے پہلے ہی اُس نے ہندوچینی پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ چنانچہ اس انکار کے فوراً بعد جاپان نے سنہ ۱۹۰۷ء کی آخری تاریخوں میں فرانسیسی ہندوچینی پر حملہ کر دیا۔ کچھ دنوں تو ہندوچینی کی فرانسیسی فوجیں جاپان کا مقابلہ

کرتی تھیں لیکن جرمنی نے دشمنی پر دباؤ ڈال کر اس لڑائی کو جلد ختم کر دیا اور فرانس کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جاپان کو ہندو چینی میں بحری اور فضائی مرکز قائم کر لینے کی اجازت دیدے اس طرح مشرقِ بعید میں جاپان کا دوسرا محاط قدم بھی کامیاب رہا اور اس کامیابی کے ساتھ ہی جاپان، برما کے برطانوی مقبوضے اور سنگاپور کے زبردست برطانوی بحری مرکز کے قریب تر ہو گیا۔

جاپان اس کامیابی کے بعد بھی پخلا نہ بیٹھا اور نہ وہ میٹھ سکتا تھا۔ فرانس اس وقت نیم جان ہو رہا تھا اور جرمنی بہر حال یورپ میں اسپر دباؤ ڈالنے کے لئے موجود ہی تھا جاپان کا ان حالات میں فائدہ نہ اٹھانا عقلمندی کے خلاف ہوتا لیکن اب کے اس نے بذاتِ خود کوئی قدم نہیں اٹھایا بلکہ بھائی لینڈ (سیام) کے واسطے فرانس کو شہ دی۔

بھائی لینڈ کو ہندو چینی کے بعض علاقوں پر دعویٰ تھا، یہ علاقے فرانسیسی ہندو چینی نے کئی برس پہلے بھائی لینڈ سے چین لئے تھے اس وقت، بھائی لینڈ کمزور تھا چپکا ہو گیا، لیکن آج فرانس کمزور تھا اسلئے بھائی لینڈ اپنا اصل مدد کے واسطے پرتگال ہوا تھا، ابتداً بھائی لینڈ نے گفت و شنید کے ذریعہ اس قضیہ کو نمٹا دینا چاہا چنانچہ بہت دلوں تک فرانسیسی ہندو چینی اور بھائی لینڈ کے نمائندوں میں اس بارے میں تبادلہٴ خیال ہوتا رہا، لیکن جب اس گفت و شنید کا کوئی کارآمد نتیجہ نہ نکلا تو بھائی لینڈ نے جاپان سے مشورہ کر کے نومبر ۱۹۴۱ء کے آخری ہفتہ میں ہندو چینی پر چڑھائی کر دی اور ”کمبوڈیا“ کے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

بھائی لینڈ کے حملے کے ساتھ ہی فرانس اور بھائی لینڈ میں جنگ شروع

ہو گئی اور طرفین کے ہم ماروں نے آباد شہروں پر تباہی پھیلانی شروع کر دی۔ تقریباً دو مہینے تک کھائی لینڈ اور جاپان کے درمیان لڑائی جاری رہی لیکن فیصلہ کسی طرف نہ ہو سکا اس نوبت پر جاپان جو خاموشی سے بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا ان دونوں میں بیچ بچاؤ کرنے کے بہانے اس قفیہ میں دخیل ہو گیا۔

کھائی لینڈ تو خود یہی چاہتا تھا کہ جاپان اس معاملہ میں ثالث بن جائے دہلی کی حکومت کے البتہ ابتداً جاپان کی ثالثی قبول کرنے میں تامل ہوا لیکن جرمنی کے دباؤ سے اس نے بالآخر جاپان کی ثالثی منظور کر لی اور ۲۹ جنوری ۱۹۴۱ء کو کھائی لینڈ اور فرانس میں عارضی مصالحت ہو گئی۔

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو جاپان اس قدر طاقتور نظر آتا ہے کہ فرانس امریکہ اور برطانیہ جیسی زبردست سلطنتوں سے ٹکرانے کا غم رکھتا ہے اور دوسری طرف وہ اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ اپنے مقابل نسبتاً بہتے چین کو سارے تین برس کی مسلسل جنگ کے بعد بھی زیر نہیں کر سکتا!

واقعہ یہ ہے کہ مارشل جنگ کا ٹک جاپان کے لئے ایک مستقل مصیبت بنا ہوا ہے کبھی یہ جاپان کے طرفداروں میں تھا اور چین کے کیونسٹوں سے جن کا تعلق سویت روس سے تھا برسرِ پیکار رہتا تھا اور آج یہ اپنی پوری قوت سے جاپان کے مقابل صف آرا ہے اور چین کے کیونسٹوں سے اسکی صلح ہے۔

۱۹۴۱ء جنگ کا ٹک نے جاپان سے جنگ چھڑے ہی ایک طرف چین کے کیونسٹوں سے صلح کر لی دوسری طرف سویت روس سے معاہدہ کر لیا، اس معاہدہ سے جنگ کو بڑی تقویت پہنچی، سویت روس نے کھائی لینڈ اور جاپان کے درمیان جنگ سے بھی (لقبیہ صف ۱۲۲ پر)

بظاہر یہ مارشل چنگ کی کمریکٹر کی کمزوری معلوم ہوتی ہے کہ وہ حالات کے ساتھ اپنا نقطہ نظر بھی بدلتا رہتا ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، مارشل چنگ چین کا قوم پرست رہنما ہے اور چین کو متحد اور منظم کرنا اس نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے۔ اس مشن کی تکمیل میں جب تک جاپان کی دوستی اسے مفید معلوم ہوئی وہ چین کی کیونسٹوں کی مخالفت کے علی الرغم اس سے کام لیتا رہا اور جس دن سے اُسے چینوں کی انفرادیت کو نمایاں کرنے کے لئے جاپان کے مقابل ہونا ضروری معلوم ہوا اسی دن اس نے جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

اصل میں جاپان کو ایک مدت تک چنگ کے متعلق یہ خیال طر رہا کہ چنگ محض ایک نمت آزماسپاہی ہے اور اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر یہ جاپان سے نبرد آزما ہے لیکن اس کا یہ خیال طر بہت جلد رنخ ہو گیا جب اس نے چنگ کے پیچھے اپنے خلاف

(بقیہ صفحہ ۱۲۱) چنگ کی مدد کی اور اپنے تجربہ کار فوجی افسر بھی چینی فوجوں کی تربیت کے لئے چین بھیج دیئے۔ اور اس کے ساتھ چنگ کا کئی شکستہ برطانیہ اور امریکہ کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ چین میں ان سلطنتوں کے بڑے کامدبار ہیں اور بہت کچھ رعایتیں انہیں حاصل ہیں اور یہ رعایتیں چونکہ اسی مدت باقی رہ سکتی ہیں جب تک چنگ کی حکومت قائم رہے جاپانی اقتدار چین میں قائم ہو جائے کے بعد ان سلطنتوں کو ہرگز یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ انکو چین میں اس قدر تجارتی آزادی حاصل رہ سکیں گی اسلئے قند تائید سلطنت چنگ کی ہوا حواہ ہو گئیں، برطانیہ نے چنگ کو قرض اسلحہ دینے منظور کر لئے اور امریکہ نے چنگ کیلئے ڈھائی کروڑ ڈالر کا قرضہ منظور کر لیا۔ برطانیہ کے علاوہ ہر مہینہ چنگ روس سے تقریباً چار کروڑ اوبلس کے اسلحہ قرض خریدتا ہے اور ۱۹۳۹ء میں اسکی مقدار دو چاند ہو گئی تھی ان ہی اسلحہ اور روپے کی مدد سے چنگ اب تک جاپان کے مقابل ڈٹا ہوا ہے اور جاپان پوری قوت صرف کرنے کے بعد بھی اب تک چنگ کو زیر نہیں کر سکا۔ (مؤلف)

چینی قومیت کا ایک متحدہ محاذ دیکھا۔ یہ انکشاف جاپان کے لئے بہت پریشان کن تھا۔ اسلئے کہ متحدہ چینی قومیت میں جاپان کے قومی عزائم کے لئے جنگ سے زیادہ خطرات پوشیدہ تھے جسے جاپان کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتا تھا چنانچہ جاپان اس وقت جنگ سے نہیں بلکہ متحدہ چینی قومیت سے دست درگریبان ہے۔ سارے تین برس سے یہ مقابلہ جاری ہے اس طویل عرصہ میں جاپان کو ڈروں روپے خرچ کر چکا ہے اور اب تک برابر یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور اپنے لاکھوں سپاہی متحدہ چینی قومیت کے نذر کر چکا ہے اور اب تک بھی برابر انکی بھینٹ چڑھا کر چلا جا رہا ہے۔

جانی اور مالی نقصان کے یہ اعداد بہت مہیب ہیں لیکن چین کو زیر کر کے اسکی متحدہ قومیت کو پارہ پارہ کر دینے کی صورت میں چونکہ جاپان کا فائدہ بھی کثیر ہے اسلئے اسڈھکے مفاد کی خاطر جاپان یہ نقصان اٹھا رہا ہے اور غالباً اس وقت تک جاپان یہ نقصان برداشت کئے چلا جائیگا جب تک اس کے ”مقدس مشن“ کی تکمیل نہ ہوئے گی۔ یا پھر دوسری قوتوں سے ٹکرا کر اسکی فوجی قوت فنا ہو جائے گی۔

باب ۳۳

سوٹ روس اور جاپان کے سیاسی تعلقاً

مشرقِ بعید میں جو قوت سب سے زیادہ جاپان کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہے وہ سوٹ روس ہے ان دونوں میں نہ صرف سیاسی عقائد کا اختلاف ہے بلکہ ان کا سیاسی اور اقتصادی مفاد بھی ایک دوسرے سے مختلف درجہ ہوا ہے اور جس جگہ ان کا مفاد آپس میں ٹکراتا ہے وہ ”چین“ ہے۔

جاپان کے قومی عزائم کی تکمیل کے لئے مشرقِ بعید میں اگر فی الحقیقت کوئی میدان ہو سکتا تھا تو وہ چین ہی کا وسیع اور زرخیز میدان تھا لیکن سوٹ روس بھی اپنی ایشیائی سرحدوں کی حفاظت کے لئے اگر کسی ملک کو اپنے زیر اثر رکھنے پر مجبور تھا تو وہ بھی چین ہی تھا، یہ جاپانی مفاد کے قطعاً خلاف تھا کہ چین میں کمیونسٹ اثر پھیل جائے اور چین سیاسی حیثیت سے سوٹ روس کے زیر اقتدار آجائے اور روس کے لئے بھی یہ ناقابلِ برداشت تھا کہ جاپان سارے چین کو سہم کر کے اسکی ایشیائی سرحدوں پر آ بیٹھے اور اس کے لئے مستقل معیبت بن جائے۔

روس اور جاپان کی اس قدرتی کشمکش کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ چین جو خود اپنے وجود کی حفاظت کے ناقابلِ تھکان دونوں قوتوں کی چراگاہ بن جاتا۔ چنانچہ ایک مدت سے یہ غریب برابراں دونوں کی روئین میں آمادہ رہا ہے۔

چین کے لئے جاپان اور روس میں یہ کشمکش آج کی نہیں بلکہ زار کے زمانہ سے چلی آتی ہے۔ زار نے کافی دور تک چین میں اپنا سیاسی اور اقتصادی اثر جمارکھا تھا۔ اور ”نوجوان“ جاپان نے پہلے پہل ۱۹۰۰ء میں اسی اثر سے ٹکریک شمالی مشرقی چین میں اپنے قدم جماتے تھے۔ زار کے بعد روس میں بالشویک حکومت قائم ہوئی اس حکومت نے اپنے قیام کے بعد اگرچہ چین میں زار کے حاصل کردہ اقتصادی مراعات سے دست برداری کر لی لیکن اپنا سیاسی اثر اس نے چین میں بدستور باقی رکھا۔ بلکہ اس اثر کو کسی نہ کسی طرح برابر بڑھاتا ہی چلا گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ بالشویک حکومت نے اپنے استحکام کے بعد چین کو کمیونسٹ بنانے کی خاص طور پر کوشش کی۔ ماسکو سے اس مقصد کے لئے متعدد تبلیغی مشن چین بھیجے گئے۔ جو بظاہر چینیوں کو کمیونسٹوں سے مانوس کرنے کے لئے چین کا دورہ کرتے تھے لیکن فی الحقیقت ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ چین کے جس علاقے میں انھیں موقع ملے روس کے زیر اثر بالشویک انداز کی حکومت قائم کر دیں۔ چنانچہ چین کے تین صوبوں میں یہ مشن بہت کامیاب رہے۔ جہاں انھوں نے سویٹ انداز کی حکومت قائم کر ڈالی اور ان صوبوں کو بقیہ چین سے علیحدہ کر کے بالکل سویٹ روس کے زیر اثر لے لیا۔ چین میں سویٹ روس کی یہ سرگرمیاں چونکہ خود حکومت چین کے خلاف تھیں اس لئے ان چینی کمیونسٹوں سے ایک طرف چینی حکومت ٹکرائی۔ اور دوسری طرف ان ہی کمیونسٹ سرگرمیوں کو دھج بنا کر جاپان نے شمالی چین پر حملہ کر دیا۔ اور منچوریا کا پورا صوبہ فتح کر کے وہاں اپنے زیر اثر ”منچوکو“ کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کر ڈالی۔ منچوکو کی سرحد ایک طرف سائبیریا سے اور دوسری طرف اور منچوکو سے ملتی ہے۔ اور یہ دونوں علاقے روسی ہیں۔ سائبیریا تو خود روس کی مملکت ہی میں شامل ہے اور منچوکو

سوئٹ روس کے زیر اثر بالکل اسی طرح کی ایک ریاست ہے جس طرح کی ریاست ”منچکو“ کے نام سے جاپان نے قائم کی تھی۔ اس اعتبار سے منچکو پر جاپانی اقتدار قائم ہو جانے کے معنی یہ تھے کہ جاپان اور سوئٹ روس کی سرحدیں مل جائیں۔ ادھر یہ دونوں قوتیں جن کے مفاد چین میں ایک دوسرے کے خلاف ہیں آپس میں ہمسایہ بن جائیں۔

یہ صورت حال روس اور جاپان دونوں کی بچپنی کا باعث تھی۔ لیکن اس کا علاج بھی ان کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ کہ آئندہ دونوں ایک دوسرے سے پوری طرح ہشیار رہیں۔ چنانچہ ایک طرف سوئٹ روس اور منگولیا کی حفاظت کے لئے منچکو کی سرحد پر ایک زبردست فوج رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ اور دوسری طرف جاپان نے روسی فوجوں سے منچکو کی حفاظت کی خاطر اور منگولیا کی سرحد پر کافی تعداد میں اپنی فوجیں لاڈالیں۔ یطرفین کی ان فوجوں میں جو اپنی اپنی سرحدوں پر ایک دوسرے کے مقابل پڑی ہوئی ہیں۔ آپس میں کبھی کبھی جھڑپیں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن آج تک کوئی ایسی بڑی جھڑپ نہیں ہوئی جو سوئٹ روس اور جاپان کے درمیان لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

اور منگولیا کے علاوہ روس نے اپنی تقریباً دس لاکھ فوج ”ولاڈی واسٹاک“ میں بھی رکھ چھوڑی ہے اور یہ محض اس لئے ہے کہ جاپان کو روس کے کسی علاقے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ پڑے۔ جاپان روس کی اس زبردست فوج سے فی الحقیقت مرعوب بھی بہت ہے اور چین میں سرگرمیوں کی رفتار بھی اس فوج کے تصور سے سست پڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ ولاڈی واسٹاک اور اور منگولیا کی روسی فوجوں کے لئے جاپان کو اپنے بھی لاکھوں سپاہی اور بے حساب سامان جنگ اینڈ کر دینا پڑ گیا ہے۔ وہ نہ اپنی ان فوجوں سے کسی اور محاذ پر کام لے سکتا ہے۔ اور نہ اس کے

ڈر کے مارے یہاں سے سامان جنگ ہٹا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جاپان کی فوجی قوت ریزرو فوج سمیت پچاس لاکھ سپاہیوں کے قریب ہے لیکن ان میں سے تقریباً ۲۵ لاکھ سپاہی چین میں یا تو روسی سرحدوں پر بیکار پڑے ہوئے ہیں یا جزل جنگ کالی شیک سے لڑ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ سپاہی چین کے میدان میں ڈالنا چونکہ جاپان کے اپنے وجود کے لئے بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے جاپان اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالے بغیر اپنی ان فوجوں سے کام لینا چاہتا ہے جو روسی سرحد پر بیکار پڑی ہوئی ہیں۔ ادر یہ چونکہ اسی وقت ممکن ہے جب روس اور جاپان میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا سمجھوتہ ہو جائے، اس لئے جاپان کے سامنے اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہی ہے کہ کسی طرح سویٹ روس سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا مستقل معاہدہ کرے اور اس طرح وہ روس سے مطمئن ہو کر مشرقی بعید میں اپنی سرگرمیوں کی رفتار کو بڑھا سکے۔

یہ مسئلہ جاپان کے لئے خصوصاً جرمنی اور اٹلی سے اتحاد کے بعد اور زیادہ اہم ہو گیا ہے اس لئے کہ جاپان اپنے ان دونوں ساتھیوں کی اسی وقت عملدرآمد کر سکتا ہے۔ جب اس کو کم سے کم سویٹ روس کے متعلق پوری طرح اطمینان ہو جائے۔ ورنہ روس کے خطرے کو دماغ پر طاری رکھ کر وہ برطانیہ اور امریکہ سے ایک ساتھ بھگتنے کا ہوتا نہیں رکھتا۔

عہ جس طرح جاپان کو بحیرہ کابل اور مشرقی بعید میں اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کیلئے کیسے کیسے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح رڈر، کوکبی، یورپ میں اپنا وزن قائم رکھنے کے لئے اپنے ایشیائی علاقوں کے متعلق اطمینان خاطر درکار ہے۔ اس خواہش مشترک کا قدرتی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی معاہدہ طے پا جائے لیکن اس قسم کے معاہدے میں چین کا مسئلہ خارج ہے جب تک یہ صاف نہیں ہو جاتا اس وقت تک، ان میں کوئی معاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر چین کے سوال کو الگ کر کے ان میں آپس میں کوئی معاہدہ ہو بھی تو وہ بیکار رہتا ہے۔ (مولف)

براہ راست تعلق ہے اسلئے اس ذبت پر سوئٹ ردس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی
 کہ وہ کسی لالچ میں پھنس کر اپنے وجود کو خطرے میں ڈال دیگا۔

بہر حال اس وقت سوئٹ ردس اور جاپان کے سیاسی تعلقات میں جو
 ناہمواری پائی جاتی ہے اس کے دور ہونے کی فی الفور کوئی صورت غالباً پائی نہیں جاتی
 اور جب تک یہ نہ پیدا ہو جائے جاپان کے لئے مشرق بعید میں کوئی زبردست مہم شروع
 کرنے میں خطرے کا احساس باقی رہتا ہے۔

باب

لیبیا پر برطانوی فوجوں کی چڑھائی

یونان کے خلاف اعلان جنگ موسمی کے لئے بہت ہی نامساعد ثابت ہوا ایک طرف یونانی اطالوی فوجوں کو دھکیلے ہوئے البانیہ میں پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے اطالوی فوجوں کو شکست پر شکست دینی شروع کر دی۔ دوسری طرف برطانیہ کے بحری بیڑے نے امیر البحر کنستیم کی ماتحتی میں اطالوی بحری بیڑے کا بحر روم میں کلنا دد بھر کر دیا۔ اول تو اطالوی بحری بیڑہ کہیں جم کر انگریزی بیڑے کے مقابل ہی نہیں ہوا۔ اور جہاں کہیں ان میں آپس میں جھڑپ ہو گئی، انگریزی بیڑہ اسے بچا دکھانے میں کامیاب رہا۔

برطانوی بحری بیڑے کی بحر روم میں یہ سرگرمیاں دراصل لیبیا پر مصر کی برطانوی فوجوں کے حملے کی ہمہید تھیں۔ ادرآن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اٹلی اپنی لیبیا کی فوجوں کو بحر روم کے راستہ ملک نہ بھیج سکے چنانچہ یہ اطمینان کر چکنے کے بعد کہ بحر روم پر برطانوی بیڑے کا مانع ہے۔ ۹ دسمبر ۱۹۱۴ء کی صبح کو جنرل دیول کی فوجوں نے "مرسانترہ" سے نکل کر بیلیک سدی برانی کی اطالوی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ اور ۱۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو ایک سخت محرکہ کے بعد سدی برانی کو فتح کر لیا۔ اس فتح میں برطانیہ کی بڑی بحری اور فضائی قوتوں فوجوں کا براہی کا حصہ تھا۔ دراصل ان ہی تینوں کے کافی اشتراک عمل سے فتح حاصل ہو سکی تھی۔

سدی برانی جنرل گرازیانی کا ہیڈ کوارٹر تھا اور اطالوی فوجوں کی بڑی زبردستی کی

تھی جس پر تقریباً تین مہینے سے اطالوی فوجیں مصر پر حملہ کرنے کے لئے تیار پڑی تھیں اس چوکی کو اس قدر آسانی سے فتح کر لینا جنرل ویول کا بہت بڑا فوجی کارنامہ سمجھا جاتا ہے جس نے اٹلی کو بچھڑا دیا۔ اور برطانیہ میں اعتماد اور اطمینان کی لہر پیدا کر دی۔ یہ پہلی فتح تھی جو اس لڑائی میں برطانیہ کے حصے میں آئی۔ اور اس کی اہمیت اس لئے بھی دو بالا ہو گئی کہ اس لڑائی میں اطالوی جنرل اور تقریباً ۳۰ ہزار اطالوی سپاہی انگریزوں کے ہاتھ آئے۔ اس فتح سے مصر کی برطانوی فوج کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور اطالوی سپاہیوں کے دل چھوٹنے لگے۔

سدی برائی کی فتح کے بعد برطانوی فوجیں ذرا نہ سستائیں بلکہ فوراً ہی ان کے "میکانائزڈ" دستوں نے سوئم اور قلعہ کیوزہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور ان دستوں کے پیچھے برطانیہ کی پیدل فوج تھی جو قریب کے راستہ سوئم پر بڑھی چلی جا رہی تھی۔ برطانیہ کے زرہ پوش "میکانائزڈ" دستوں نے سدی برائی کی طرح آگے بڑھ کر سوئم کا تعلق اٹلی کی فوجی چھادنی بار دیا سے منقطع کر دیا۔ اور برطانوی پیدل فوجوں نے ہجوم کر کے ہوائی جہازوں اور ٹنکوں کی مدد سے ۱۶ دسمبر ۱۹۴۲ء کو ایک طرف سوئم اور دوسری طرف قلعہ کیوزہ کو فتح کر لیا۔

اس فتح کے ساتھ ہی گویا برطانوی فوجوں نے اٹلی کو مصر کی سرحد سے باہر نکال دیا اور یہاں سے خود اٹلی کی سرحدوں میں برطانوی اور اطالوی فوجوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ "بارڈو" لیبیا میں اطالویوں کی سب سے زبردست فوجی چھادنی تھی۔ اس کو اطالویوں نے برسوں کی محنت سے قلعہ بند اور ہر قسم کے آلات حرب سے آراستہ کر رکھا تھا۔ اس جگہ پُپا ہوتے ہوئے اطالویوں نے قدم جما کر برطانوی فوجوں کے مقابلہ شروع کر دی برطانوی فوجوں کے لئے یہ مرکز سخت متعین لیکن جنرل ویول اطالویوں کی بیماری سے ذرا ہر سال نہ ہوا۔ پیدل فوج کے حملے سے پہلے راستہ صاف کرنے کے لئے برطانوی ہوائی جہازوں نے بم اور برطانوی بحری جہازوں نے بار دیا کی

بندر گاہ پٹرل برسانے شروع کر دئے۔ اس طرح دو ہفتہ کی بیماری کے بعد جب راستہ ہموار کر لیا گیا۔ تو حسب معمول برطانوی ”فور ایئر“ دستے قلعہ کمپوزہ سے بڑھے اور انھوں نے کوئی بیس میل کا چکر کاٹ کر بار دیا کو پیچھے سے ٹھیر لیا۔ اور ۲ مارچ اور ۳ جنوری کی درمیانی شب میں برطانوی فوجوں نے بار دیا کی چھاؤنی پر حملہ کر دیا۔ کامل دو دن تک برطانوی اور اطالوی فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ تیسرے دن ۵ جنوری ۱۹۱۷ء کو اسٹریٹیا کی فوجیں سنگینیں چڑھائے ہوئے بار دیا میں داخل ہو گئیں اور اطالوی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس لڑائی میں ہزاروں اطالوی سپاہی کام آئے۔ اور تقریباً ۴۰ ہزار سپاہی اور افسر برطانیہ کے ہاتھ آئے۔

بار دیہ کے بعد ”طروق“ کا بندر تھا، طروق اٹلی کا بحری اور فضائی مرکز تھا اور ریشیا کی سب سے بڑی فوج کی چھاؤنی تھی اور اس کی حفاظت کا انتظام بھی اطالویوں نے سب سے زیادہ کیا تھا یہ شہر پوری طرح قلعہ بند تھا اور قلعہ بندی کے آگے دوزخ سے زیادہ سنگین حصہ بھی حفاظت کے لئے قائم کئے گئے تھے جنہوں نے سارے شہر کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ ۱۹ مارچ سے اطالوی برابر طروق کو قلعہ بند کر رہے تھے اور اس وقت صبح میں ہی ایک مرکز تھا جسے آلات جدید سے اطالویوں نے مسلح کر رکھا تھا، چنانچہ اس مرکز کو فتح کرنے میں جنرل ولوں کی فوجوں کو کافی دقت لگا۔

طروق پر حملہ کرنے سے پہلے جنرل دیول کی فوجوں نے اسکا محاصرہ کر لیا اور ہوائی جہازوں کی مدد سے اس کی قوت مدافعت کو کمزور کرنا شروع کر دیا، تقریباً دو ہفتہ یہی عمل جاری رہا دو ہفتہ بعد جب طروق کی مدافعت میں کمزوری کے آثار نظر آنے لگے تو حسب معمول برطانیہ کے رچ فوڈر دستوں نے تیس میل کا چکر کاٹ کر طروق کو پیچھے سے گھیر لیا اور پیدل فوجوں نے ٹنکوں اور چھوٹی بار کی توپوں کی مدد سے

طردق پر آگے سے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ نہایت سخت تھا لیکن اطالویوں نے بھی اس جگہ برطانوی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جو جس گھنٹے برطانوی فوجوں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا لیکن دوسرے دن اسٹرلین فوج کے تازہ دم حملوں سے طردق کا ابتدائی حصار ٹوٹ گیا اور اس کے فوراً بعد اسٹرلین فوجوں نے دوسرے حصار بھی توڑ ڈالا اور طردق میں گھس پڑے یہاں اسٹرلین اور اطالوی سپاہیوں میں کچھ دست بدست لڑائی ہوتی رہی لیکن بالآخر اطالویوں نے ہتھیار ڈال دیے اس طرح ۲۲ جنوری ۱۹۴۱ء کو برطانوی فوجوں نے طردق بھی فتح کر لیا۔

طردق میں ۲۰ ہزار اطالوی سپاہی برطانیہ کے ہاتھ آئے جن میں ایک کمانڈر دو ڈویژنل کمانڈر دو جنرل ایک بحری انسپکٹر اور متعدد چھوٹے بڑے فوجی اور بحری انسپکٹر بھی شامل تھے۔

ان قیدیوں کی شمولیت کے بعد اس مہم کے شروع ہونے سے طردق کی فتح تک ایک لاکھ سے زائد اطالوی سپاہی برطانیہ کے ہاتھ آچکے تھے اور آدمی سے زیادہ مارشل گرازیانی کی فوجی قوت ختم ہو چکی تھی۔

طردق کے بعد برطانوی فوجیں دم لئے بغیر ”ڈرنہ“ کی طرف روانہ ہو گئیں ”ڈرنہ“ طردق سے ایک سو میل جانب مغرب لیبیا کی ایک چوٹی سی بندرگاہ تھی، تیزی سے بڑھتی ہوئی برطانوی فوجوں کے ہراولی دستوں نے طردق کی فتح کے صرف ۸۰ ہفتے بعد اس کو بھی جابیا۔ ڈرنہ سے تین میل کے فاصلہ پر برطانوی اور اطالوی فوجوں میں ٹکڑ ہو گئی لیکن یہ بہت معمولی سی لڑائی تھی اطالوی فوجیں حوصلہ ہارے ہوئے تھیں، ہلکی سی لڑائی کے بعد فوراً پیچھے ہٹ گئیں اور برطانوی فوجوں نے آگے بڑھ کر ۲۰ جنوری ۱۹۴۱ء کو اس بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔

ڈرنہ کی فتح کے بعد جنرل دیول نے ”بن غازی“ کو اپنا نشانہ بنایا۔ بن غازی ڈرنہ سے ۶۰ میل مغرب میں لیبیا کی سب سے بڑی بندرگاہ اور پایہ تخت تھا۔ برطانوی فوجیں ڈرنہ کی فتح کے ساتھ ہی اس کی طرف بڑھیں۔ ڈرنہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ”اپولونیا“ کا ایک چھوٹا سا بندرگاہ پر قبضہ کرتی ہوئی برطانوی فوجوں نے ۳۱ فروری ۱۹۴۱ء کو ”سیدن“ فتح کر لیا۔ سیدن کو اس لئے اہمیت حاصل تھی کہ مارشل گرازیانی کا ہیڈ کوارٹر اور اول نمبر کی فوجی بندرگاہ تھی سیدن کی فتح کے بعد ایک دفعہ جنرل دیول نے بن غازی پر حملہ کر دیا۔

بن غازی پر جنرل دیول کی فوجوں نے دو طرف سے حملہ کیا ایک کالم بطریق سے اٹکی ہوتا ہوا بن غازی پہنچا اور دوسرا کالم سیرن سے ۴۰ میل طے کر کے بن غازی، پر حملہ آور ہوا۔ یہاں اطالیوں نے برطانوی فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ اور بے لڑے بھڑے ۱۶ فروری ۱۹۴۱ء کو شہر خالی کر دیا۔

بن غازی کی فتح کے ساتھ ہی لیبیا کا دو تہائی علاقہ برطانیہ کے قبضہ میں آ گیا اور اطالوی فوجیں ٹری پولی کی طرف پسپا ہو گئیں۔

اس طرح صرف دو مہینے کے عرصے میں مصر کی برطانوی فوجوں نے مارشل گرازیانی کی فوجوں کو جو مصر پر چڑھائی کرنے کے لئے سدے براتی پر پرا جمائے پڑی تھیں منتشر کر کے بن غازی کے پرے دھکیل دیا اور مصر کو اطالوی حملے کے خطرے سے بچا لیا۔

لیبیا کی اس شکست کا مسولینی پر بہت برا اثر پڑا اس لئے بھی کہ البانیہ میں یونانی فوجیں اطالوی فوجوں کو شکست پر شکست دے کر برا بر پیچھے ہٹاتی چلی جا رہی تھیں اور اطالیوں کے سارے جوانی حملے بیکار جا رہے تھے۔ جنوبی البانیہ کا بڑا حصہ یونانیوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور اطالوی فوجیں دلونہ کے بندرگاہ کو بچانے کے لئے پتی لینی پر

اپنا آخری مورچہ جمائے پڑی تھیں، اور اسی مورچے پر اٹالویوں اور یونانیوں کے مقابلے ہو رہے تھے اٹلی کے حالات تیزی سے بگڑتے جا رہے تھے اور اسے فی الفور جرمنی کی امداد کی ضرورت تھی خود روم میں اٹلی کی پے در پے شکستوں نے سوئینی کے اقتدار کو متزلزل کر دیا تھا اور ہر لمحہ "فاشست حکومت" کے خلاف بغاوت کا امکان سپر ہو گیا تھا۔ جرمنی اپنے ساتھی کی ان پریشانیوں سے باخبر ضرور تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ یونان میں اس کی فی الفور مدد نہیں کر سکتا تھا، یورپ کے اس حصے میں ابھی موسم خراب تھا پہاڑیوں پر برف جمی ہوئی تھی دریا کسے ڈینوب بھی جما پڑا تھا جرمن فوجوں کے لئے اپنی بھاری توپوں اور سرج گاڑیوں کے ساتھ اس علاقے سے گزر کر یونان پہنچنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

البتہ ہٹلر اٹلی میں سوئینی کی مدد کر سکتا تھا چنانچہ اس نے تقریباً تین لاکھ فوج اور گسٹاپو کے کچھ انٹر اٹلی بھیج دیے۔ جنہوں نے اٹلی کے بڑے بڑے شہروں میں پہنچ کر اٹالوی حکومت کے سارے شعبوں کو اپنی نگرانی میں لے لیا۔ بظاہر دکھانا یہ تھا کہ بغاوت کے سارے امکانات کی اٹلی میں ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔ لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ اٹلی کو فرانس کی طرح برطانیہ سے علیحدہ صلح کر لینے کا موقع نہ دیا جائے۔ اس طرح سوئینی کو خود اٹلی میں بے دست و پا کر کے ہٹلر نے اپنی اہل فوجیں سسلی میں اتار کر شروع کر دیں اور سسلی سے یہ فوجیں طرابلس جانی شروع ہو گئیں۔

جنوری سے جرمن فوجوں کا طرابلس میں تانتا بندھ گیا۔ اگرچہ برطانیہ کو بھی جرمنی کے اس اقدام کی دقت پر اطلاع مل گئی اور بحیرہ روم کا برطانوی بیڑہ بھی حبر منزلوں کے اس اقدام کو روکنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ لیکن سسلی اور ٹری پولی کے درمیان سمندر کا جو ذرا سا حصہ تھا

اسپر برطانوی بحری بیڑے کو قابو حاصل نہ ہو سکا جس کے باعث برطانوی بحری بیڑے کی کوششیں جرمنوں کو طرابلس پہنچنے سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ جرمن فوجوں کے طرابلس پہنچنے ہی جرمن اسفروں نے بجی کھچی اطالوی فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور نئے سرے سے اُن کی تنظیم میں مصروف ہو گئے۔

باب ۳۴

بلقان میں ناسیوں کے سیاسی جوڑ توڑ

موسم سرما اپنی آخری گھڑیاں گن رہا تھا، موسم بہار کی آمد آمد تھی، اور موسم بہار کی آمد کے ساتھ ساتھ جرمنی اور اس کے ساتھیوں اور برطانیہ اور اس کے ہمدردوں کی سرگرمیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ برطانیہ ”یسیا“ کی فتح کے بعد مشرقی افریقہ کی اطالوی سلطنت کی طرف متوجہ تھا، امریکہ مسٹر رسولٹ کو اپنی قدیم دنیا کے خلاف تیسری مرتبہ پریڈنٹ منتخب کر کے نہایت تیزی کے ساتھ برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ جنگی سامان کی مدد پہنچانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا، جاپان مشرق بعید کے ”جوڈہری“ کی حیثیت سے کھائی سینڈ اور فرانس کا قصبہ چکا کر، بحرالکاہل میں ایک تازہ مہم کی تیاریوں میں مصروف تھا اور جرمنی اٹلی اور طرابلس میں اپنی فوجیں پہنچا چکے کے بعد ایک طرف اٹلانٹک کے ذریعہ امریکہ کی جنگی امداد برطانیہ تک نہ پہنچنے دینے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا اور دوسری طرف بلقان میں اپنی ڈپلوسی کے زور سے راستہ ہموار کر کے اٹلی کو یونان کی گرفت سے چھڑانے کی تدبیریں کر رہا تھا۔

رومانیہ پر عملاً جرمنی کا قبضہ تھا ہی وسط یورپ کی ریاستوں میں ہنگری کو جرمنی اٹلی اور جاپان کسے گوشہ اتحاد میں شریک کہا ہی جا چکا تھا۔ یونان تک پہنچنے کے لئے البتہ یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور ترکی کی بلقانی کرپوں کو ابھی لینا

باقی رہ گیا تھا صرف یہی ایک دیوار تھی جو جرمنی اور پونان کے درمیان حائل ہو رہی تھی۔

ان ممالک میں سب سے اہم پوزیشن ٹرکی کی تھی اور مضبوط بھی ان سب میں زیادہ وہی تھا علاوہ اس کے ترکی اور برطانیہ کا آپس میں اتحاد بھی پہلے سے ہی موجود تھا اور ترکی اس اتحاد کے معاہدے پر پوری طرح جمنا بھی نظر آتا تھا اس اعتبار سے ترکی پر ہٹلر کی ڈپلومی کا جادو نہیں چل سکتا تھا۔ البتہ بلغاریہ اور یوگوسلاویہ میں ہٹلر کو کامیابی کی توقع تھی اور چونکہ ان ممالک کے درمیان جنگ کی صورت میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا پہلے سے کوئی معاہدہ بھی نہیں تھا اس لئے آسانی سے انہیں رام بھی نہیں کر سکتا تھا خصوصاً یوگوسلاویہ سے وہ جنگ کی دھمکی دیکر پہلے ہی ایک اقتصادی معاہدہ کر چکا تھا اور اس ذریعہ سے یوگوسلاویہ کی خام پیداوار میں حصہ دار بھی بن چکا تھا اب اس کے لئے یوگوسلاویہ پر فوجی دباؤ ڈال کر اسے سہ گوشہ اتحاد میں شامل کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا، یہی صورت بلغاریہ کی تھی بلغاریہ ہٹلر کا ممنون تھا کہ اسی نے رومانیہ سے اسے دہرا دیا تھا، پچھلی جنگ عظیم میں جرمنی کا ساتھی رہ چکا تھا اور سیاسی حیثیت سے جرمنی کے قریب تر تھا۔

لیکن عملاً بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کا مسئلہ اس قدر آسان ثابت نہیں ہوا یوگوسلاویہ کا اگرچہ جرمنی کے ساتھ اقتصادی معاہدہ ہو چکا تھا لیکن وہاں رائے عامہ جرمنی سے کسی سیاسی معاہدے کے حق میں نہیں تھی اسلئے یوگوسلاویہ کے متعلق ہٹلر کی پہلی کوشش بیکار گئی۔

یوگوسلاویہ سے مایوس ہو کر ہٹلر نے بلغاریہ پر توجہ کی، کئی مرتبہ بلغاریہ کے

وزیر خارجہ کو برلن اور ”بیسرگیٹن“ جانا پڑا۔ ایک مرتبہ شاہ بورس بھی ہٹلر سے ملنے گئے لیکن اس دوڑ دھوپ کے باوجود استبدادِ بلغاریہ کو بھی اپنے ساتھ لینے میں ہٹلر کامیاب نہ ہو سکا اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ بلغاریہ کو ترکی سے خطرہ تھا اور کچھ یہ تھی کہ بلغاریہ جنگ کی لپیٹ سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا تھا۔

ترکی کے حملے کا اندیشہ تو بلغاریہ نے اس طرح دد کر لیا کہ فروری میں بلغاریہ نے ترکی سے ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے معاہدہ کی درخواست کی ترکی نے محض بلقان میں جنگ کو نہ پھیلنے دینے کی خاطر اپنے ہمسایہ ملک کی یہ درخواست منظور کر لی اور آخر فروری ۱۹۱۳ء کو بلغاریہ اور ترکی میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا۔ ترکی سے معاہدے کے بعد اگرچہ بلغاریہ کی پوزیشن کسی قدر مضبوط ہو گئی تھی لیکن پھر بھی وہ جرمنی سے ٹکرانے کے لئے تیار نہ ہو سکا اور جرمنوں کی مسلسل دھمکیوں سے مرعوب ہو کر بالآخر اس کے آگے سرجم کر دیا اور یکم مارچ ۱۹۱۸ء کو ہٹلر کے وضع کردہ ”سہ گوشہ اتحاد“ میں شامل ہو گیا۔

بلغاریہ کے ”سہ گوشہ اتحاد“ میں شامل ہوتے ہی ان بلقانی ملکوں کی ذریعہ فانی کر ڈی لوٹ گئی اور جرمنی کو بے لڑے بھڑے بلقان میں اپنے قدم جما لینے کا موقع مل گیا۔

اتحاد کے فوراً ہی بعد جرمن فوجیں لاکھوں کی تعداد میں رومانیہ سے بلغاریہ پہنچ گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بلغاریہ جرمنی کی ایک زبردست فوجی چھاپہ دانی بن گیا۔

بلغاریہ میں جرمن فوجوں کے پہنچ جانے سے ترکی، یونان اور یوگوسلاویہ تینوں کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ یونان کو تو اس نے پہلے ہی سے نشانہ بنا رکھا تھا اور

بلغاریہ میں جرمن چھاؤنی بھی یونان ہی سے رٹنے کے لئے ڈالی، مگر ہفتی، لوگوں کو سلاویہ جرمنوں کی اس تازہ پیٹ قدی سے سوا کئے جنوب کے سب طرف سے گھر گیا البتہ ترکی کی صرف یوردین سرحد پر اسکا اثر تھا۔

لیکن سٹلر ترکی سے ٹکر لینے کے لئے تیار نہیں معلوم ہوتا تھا وہ ابتدا ہی سے بہ اہتمام تمام ترکی کو جنگ سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور اس نوبت پر بھی بلغاریہ پر اپنا فوجی قبضہ کرتے ہی اس نے اپنا ایک خاص ایلمی ایک خاص پیغام کے ساتھ ترکی جمہوریہ کے صدر عصمت انونو کی خدمت میں بھیجا تھا جس میں (ایک روایت کے بموجب) صدر جمہوریہ کو یہ اطمینان دلایا تھا کہ جرمن فوجیں ترکی سرحدوں کا پورا پورا احترام کریں گی اور حکومت ترکی کو کسی شکایت کا موقع نہ دیں گی۔

یہ وہ وقت تھا کہ ترکی جنرل اسٹاف اور حکومت برطانیہ کے وزیر خارجہ اور چیف آف دی جنرل اسٹاف میں مشورہ ہو چکا تھا اور ترکی اپنے لئے ایک پالیسی متعین کر چکا تھا۔

چنانچہ ترکی جمہوریہ کے صدر عصمت انونو نے ذاتی طور پر سٹلر کے اس پیغام کا شکریہ ادا کر دیا لیکن ترکی کی معینہ پالیسی میں کسی تبدیلی پر آمادگی ظاہر نہیں کی اور واقعہ یہ ہے کہ اس نوبت پر ترکی اپنی پالیسی پر کوئی تبدیلی کر بھی نہیں سکتا تھا، بلقان میں جس قدر اہم پوزیشن اسے حاصل

عہ بلغاریہ میں جرمن فوجوں کے داخل ہوتے ہی سٹراٹین برطانیہ کے وزیر خارجہ اور سر جان دل چیف آف دی جنرل اسٹاف جو معر آئے ہوئے تھے انفر، پہنچے اور یہاں ہندو کے صدر جمہوریہ اور وزیر خارجہ ترکی کے جنرل اسٹاف سے گفتگو کر کے ایک خاص صورت طے کر لی تھی (موت)

تھی۔ اسی کے ساتھ اس پر مہمایہ مالک کی کچھ ذمہ داریاں بھی عاید تھیں۔ سب سے پہلے اسے اپنے قدیم رفیق سویٹ روس کی مرضی کا خیال رکھنا بہت ضروری تھا جو بلقان کو جنگ کے اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا چنانچہ جب بلذاریہ نائیبوں کے سرگوشہ اتحاد میں شامل ہوا تھا۔ تو نہ صرف روس نے اسے پسند نہیں کیا بلکہ علانیہ اس معاہدہ پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ اور اس طرح یہ ظاہر کر دیا تھا۔ کہ وہ بلقان میں جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثر کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ اس کے بعد ترکی ان معاہدات کا احترام کرنے پر بھی مجبور تھا۔ جو اس نے برطانیہ اور یونان سے کر رکھے تھے۔ اور ان سب سے زیادہ اس پر خود اپنی آزادی کو برقرار رکھنا فرض تھا۔ اور اس کے لئے اسے روس، برطانیہ یا جرمنی پر نہیں بلکہ صرف اپنی قوت پر اعتماد تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ترکی کی خارجہ حکمت عملی پھر کسی باہر کی قوت کا دباؤ یا اثر نہ پڑ سکتا تھا۔ وہ اپنے مفاد کے پیش نظر خود اپنی پالیسی کا مدد نہ تھا۔ اور خود ہی اپنی معینہ پالیسی پر مضبوطی سے قائم رہنے کی بھی قوت رکھتا تھا۔

چنانچہ ترکی کے اس سخت اور مضبوط رویے سے ہٹ کر کاباؤس ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا۔ لیکن اس کی اشک شوی کا کسی حد تک سامان ترکی کے ذریعہ راجہ سراج اوغلو کے اس اعلان میں بہر حال ہو گیا تھا کہ: ”ترکی اس وقت تک جنگ میں شامل نہ ہو گا جب تک خود اس پر یا اس کے مفاد پر آئینہ نہ آئے۔“ ہٹلر کو یہی اعلان غنیمت معلوم ہوا۔ اور وہ اس احتیاط کے ساتھ کہ اس کی آئندہ نقل و حرکت سے ترکی کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو، ہمہ تن یوگو سلاویہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اگرچہ یونان پر حملے کرنے کے لئے جرمن فوجیں بلغاریہ کی سرحد سے بھی یونان میں داخل ہو سکتی تھیں۔ لیکن یہ راستہ کافی چکر دار اور جرمنوں کے لئے نقصان رساں تھا۔

سیدھا اور صاف راستہ جس سے گذر کر جرمن فوجیں البانیہ میں کامیابی کے ساتھ یونانیوں کے مورچوں کے پیچھے پہنچ سکتی تھیں وہ جنوبی یوگوسلاویہ کی ”درودادی“ میں سے تھا۔ اور اس دادی میں سے اپنی فوجوں کو لے جانے کے لئے ہٹلر کو یوگوسلاویہ کے اشتراک عمل کی ضرورت تھی۔ اسی طرح کے اشتراک عمل کو بلغاریہ نے ہٹلر کے ساتھ کر رکھا تھا۔ اگرچہ پہلی مرتبہ ہٹلر کو یوگوسلاویہ سے اس طرح کا اشتراک عمل حاصل کرتے ہیں ناکامی ہو چکی تھی لیکن دہ چھٹی ناکامی سے مایوس نہ تھا۔ اس لئے کہ یوگوسلاویہ میں خود حکومت کی کچھ خامیاں بھی تھیں۔ اور سرب، سلوینس اور کروٹ قوموں کی قدیم رقابتوں نے بھی اسے کمزور بنا رکھا تھا۔ اور ان سب پر سترادیتھ حقیقت تھی کہ یوگوسلاویہ سب طرف سے ناستوں سے گھر بھی چکا تھا۔ ہٹلر کو یقین تھا کہ ان حالات میں یوگوسلاویہ زیادہ دنوں تک ناستوں کے ڈیلوٹک دباؤ کی تاب نہ لا سکے گا۔ اور ان کے آگے گردن ڈال دینے پر مجبور ہو جائے گا۔

باب ۳۵

امریکہ کا حبشہ قانون اسلحہ اور اٹلانٹک کی لڑائی

ابھی ہٹلر بلقان میں اچھی طرح اپنے قدم بھی نہ جمائے پایا تھا کہ امریکہ نے ”لینن اسٹینڈل“ (پٹہ اور قرض پر اسلحہ دینے کا قانون) منظور کر کے کھلم کھلا ہر قسم کے سامان جنگ سے برطانیہ کی مدد کرنے کا اعلان کر دیا۔

اگرچہ امریکہ نے جنگ شروع ہونے کے فوراً ہی بعد اپنے غیر جانبداری کے قلموں میں تحریم کر کے برطانیہ کے لئے امریکہ سے ہتھیار خریدتے رہنے کی آسانی ہم پہنچا دی تھی۔ لیکن یہ آسانی برطانیہ کے لئے اسی وقت تک مفید ہو سکتی تھی جب تک برطانیہ کی قوت مزید برقرار رہتی اور امریکن کارخانوں کو اس قدر فرصت بھی مل جاتی کہ برطانیہ کے لئے سامان جنگ تیار کرتے رہتے۔ اور صورت حال یہ تھی کہ برطانیہ کو دونوں باتوں میں سے کسی ایک پر بھی قابو حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ جنگ کے بڑھے ہوئے مصارف کے باعث اس قدر بزدل دوست وسائل کے باوجود برطانیہ کی قوت خرید آہستہ آہستہ جواب دیتی جا رہی تھی۔ اور امریکہ کے کارخانے کچھ تو عدیم الفرصتی کے عذر سے اور کچھ آگے دن اپنے مزدوروں کے کام چھوڑ بیٹھنے کے سبب سے وقت مقررہ پر برطانیہ کی فرمائش پوری کرنے کا صبر نظر آ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں یہ تھیں کہ ان پر برطانیہ امریکہ کی مدد کے بغیر قابو نہیں پاسکتا تھا۔ چنانچہ

سب سے پہلے برطانیہ کی ان دفتروں سے برطانیہ کے سفیر ونگٹن لارڈ لوٹھین نے امریکہ کے سیاسی حلقوں کو آگاہ کیا اور برطانوی اور امریکن مفاد کی کمیونٹ کا حوالہ دیتے ہوئے حکومت امریکہ سے اپیل کی کہ اس معاملہ میں وہ برطانیہ کی زیادہ سے زیادہ مدد کرے اور امریکہ سے قرض پر برطانیہ کو سامان جنگ حاصل کرنے کی اجازت دیدے۔ امریکیوں میں یہ صدر کے انتخاب کا زمانہ تھا۔ لارڈ لوٹھین کی اپیل پر فوراً کوئی توجہ نہیں ہو سکتی تھی تاہم امریکہ میں ایک ایسا سیاسی حلقہ پہلے سے موجود تھا جسے برطانیہ سے پوری پوری ہمدردی تھی اس نے اسی اپیل کی بنیاد پر ایک ایسی اسکیم تیار کرنی شروع کر دی جس کی رو سے برطانیہ کو خود امریکہ کی طرف سے سامان جنگ بطور قرض دیا جاسکتا تھا۔

صدر امریکہ کے انتخاب کا مرحلہ بھی اس موقع پر بڑی اہمیت رکھتا تھا، امریکہ کے بنیادی دستور کی رو سے کوئی امیدوار مسلسل دو مرتبہ سے زیادہ امریکہ کا صدر منتخب نہیں ہو سکتا تھا اور مسٹر فلکس رڈولف مسلسل دو مرتبہ صدر جمہوریہ امریکہ منتخب ہو چکے تھے اس اعتبار سے وہ امریکن دستور کے مطابق تیسری مرتبہ اس عہدے کے لئے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن مسٹر رڈولف کی پختہ کاری اور یورپین معاملات سے گہری بصیرت کے پیش نظر خود مسٹر رڈولف کی پارٹی کی اکثریت ان کی حمایت میں ہو گئی اور موجودہ حالات میں ان کی رہنمائی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے امریکن دستور کے خلاف انھیں تیسری مرتبہ امریکہ کی صدارت کے لئے اپنا امیدوار منتخب کر لیا۔

مسٹر رڈولف کے مقابل مسٹر ونڈل دی تھے۔ جنھیں مسٹر رڈولف کے ”نیوڈیل“ والے قانون سے شدید اختلاف تھا لیکن اس مرتبہ کے صدر کے انتخاب میں چونکہ داخلی پالیسی سے بحث نہیں تھی بلکہ موجودہ جنگ میں امریکہ کی خارجی حکمت عملی زیر بحث تھی۔ اور خارجہ پالیسی میں مسٹر ونڈل دی کو خود بھی مسٹر رڈولف سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اس

لئے ان دونوں امیدواروں کے درمیان انتخاب کے سلسلے میں صرف یہ سوال باقی رہ گیا کہ اس موقع پر امریکہ کے بنیادی دستور کو توڑتے ہوئے تیسری مرتبہ مسٹر رسولٹ کو منتخب کیا جائے یا مسٹر ونڈل دلی کو ان کی جگہ قبول کر لیا جائے۔

اس انتخاب کے سمرکہ میں جرمنی کے نائسی پریس اور امریکہ کے نائسی ہواخا ہوں نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ اگرچہ نائسیوں کو نوڈ مسٹر ونڈل دلی سے بھی کوئی توقع نہیں تھی لیکن انھیں چونکہ مسٹر رسولٹ سے بہت زیادہ نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ تھا اس لئے ان کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ مسٹر رسولٹ تیسری مرتبہ صدر نہ ہونے پائیں۔ لیکن ان ساری مخالفت کو ششوں کے باوجود امریکہ کے عوام نے مسٹر رسولٹ کو تیسری مرتبہ پھر صدر جمہوریہ منتخب کر دیا اور اس طرح یورپ کی جنگ کے متعلق جو حکمت عملی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی اس پر اس نے گویا اپنی ہر تصدیق ثبت کر دی۔

صدر کے انتخاب کے بعد ہی برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ امداد پہنچانے کا سلسلہ پوری سنجیدگی کے ساتھ حکومت امریکہ کے زیر غور آیا اور برطانیہ کو قرض سامان جنگ دینے کی وہ اسکیم جو کچھ دنوں پہلے حامیان برطانیہ نے بنا رکھی تھی ”لنیر اینڈ لنڈل“ کے نام سے امریکہ کے دارلنہدین میں منظوری کے لئے خود حکومت امریکہ کی طرف سے پیش کر دی گئی۔

اس مسودہ قانون میں برطانیہ کی مدد کے سلسلے میں صدر جمہوریہ امریکہ کے لئے غیر معمولی اور بہت وسیع اختیارات کی سفارش کی گئی تھی۔ جن سے کام لے کر وہ سوائے اعلان جنگ کرنے کے برطانیہ کو بحری اور فضائی ہر قسم کی مدد پہنچنے کے مجاز تھے انھیں اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اس سامان جنگ کو جو برطانیہ بھیجا جائے یا تو وہ قرض کی مد میں، شمار کریں یا اس سمجھوتہ کے ماتحت برطانیہ کو دیدیں کہ جب جنگ ختم ہو جائے تو برطانیہ یہی سامان امریکہ کو واپس کر دے گا۔

اسی کے ساتھ اس مسودہ میں یہ بھی پریسڈنٹ کے اختیار تیزی پر چھوڑا گیا تھا کہ وہ چاہیں تو امریکہ کا سامان جنگ برطانوی جہانوں پر بار کر کے بھیجیں یا اس مقصد کے لئے امریکن جنگ استعمال کریں۔

یہ اختیارات چونکہ صدر جیورہ امریکہ کے لئے بہت ہی غیر معمولی تھے۔ اس لئے جیسے ہی یہ بل کانگریس کے آگے پیش ہوا۔ حکومت کی حریف پارٹیوں اور خصوصاً اس گروہ نے جو امریکہ کو یورپ کی جنگ سے علیحدہ رکھنے پر بہت مصر تھا اس کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ اور اس مخالفت کو ناپسوں کا پردہ پیگنڈہ بھی برابر بٹا دیتا رہا۔

اس مخالفت کے علی الرغم یہ بل وہ سارے قانونی مراحل برابر طے کرتا چلا گیا ہے جو کسی مسودے قانون کو قانون بننے سے پہلے امریکہ میں طے کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ ہر مرحلے پر متعدد ترمیمیں بھی اس میں تجویز ہوئیں۔ اور ان پر طویل بحثیں بھی ہوتی رہیں لیکن یہ ساری بحثیں اور ترمیمیں اس مسودہ قانون کی اصلی صورت کو نہ بگاڑ سکیں، اور یہ مسودہ قانون سارے مراتب طے کرتا ہوا بالآخر ۱۹۴۱ء کو ۱۴-۱۵-۱۶-۱۷ کے مقابلہ میں ۶۰-۱۱-۱۲ کی اکثریت سے امریکن سنٹ میں منظور ہو گیا۔

امریکہ کا یہ قانون گویا ناستیوں کو کھلا چیلنج تھا جس نے ہٹلر کو پریشان کر دیا۔ اس نوبت پر برطانیہ کو امریکہ سے جنگی سامان کی اس قدر زبردست مدد دلجانے کے معنی یہ تھے کہ جنگ اور زیادہ طویل کھینچ جائے اور جرمنی کو برطانیہ پر جدید آلات حرب کی بہتات کے باعث جو فوجیت حاصل ہے وہ جلتی رہے

ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں جرمنی کے خلاف تھیں اور ہٹلر کے لئے یہ ضروری تھا کہ فوراً اس کا کوئی مؤثر تدارک کرے۔ ورنہ پھر ہٹلر کے لئے نہ صرف اس جنگ میں جیتنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ سکتا تھا بلکہ برطانیہ کی تاخت سے خود جرمنی کو بچانا بھی ناممکن

ہو جاتا۔

اتفاق سے ان حالات میں ہٹلر کا فیصلہ بھی وہی تھا۔ جو پہلی جنگ کے دوران میں 'قیصر جرمنی' نے کیا تھا یعنی امریکہ کی مدد کی طرح برطانیہ نہ پہنچنے دی جائے اور اس مدد کے پہنچنے سے پہلے ہی برطانیہ کو صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ چنانچہ اس قانون کے منظور ہوتے ہی ہٹلر نے اعلان کر دیا کہ موسم بہار میں وہ بحرہ اٹلانٹک میں جنگ شروع کر دے گا۔ اور اس کا بحری بیڑہ اپنی سرگرمیوں کے دوران میں برطانوی اور امریکن جہازوں میں مطلق تمیز نہیں کرے گا۔ یہ امریکہ اور برطانیہ کو ہٹلر کا چیلنج تھا۔

اس چیلنج کے ساتھ ہی جرمنی کی تقریباً تین سو یو بوٹ اور سب میرین کشتیاں اٹلانٹک میں پہنچ گئیں جن کی مدد کے لئے جھٹیلے بم بارطیارے بھی تھے۔ اور ان کے ساتھ جرمنی کے دو زبردست جنگی جہاز "شان ہارسٹ" اور "تیز ناؤ" بھی سمندروں میں گشت کرنے کے لئے بھیجے گئے۔ ان جہازوں نے بحرہ اٹلانٹک میں پہنچتے ہی ایک ہنگامہ مچا دیا اور مارچ کے چار ہفتوں میں برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کے تقریباً تین لاکھ ٹن کے جہاز سمندر کی نہ میں پہنچا دیے۔

ناتیسوں کی ان بحری سرگرمیوں کا جواب برطانیہ کی طرف سے بھی فوراً دیا گیا۔ او برطانیہ کا بحری بیڑہ جرمن یو بوٹ اور سب میرین کشتیوں کے شکار میں مصروف ہو گیا اندازہ ہے کہ صرف مارچ کے مہینے میں برطانیہ کے بحری بیڑے نے جرمنی کے کئی لاکھ ٹن کے تجارتی جہاز اور متعدد یو بوٹ کشتیاں ٹھکانے لگا دیں۔ اور جرمنی کے بڑے جنگی جہاز "شان ہارسٹ" اور "تیز ناؤ" کو برطانوی بحری بیڑے کی زد سے بچکر "برسٹ" کی، فرانسیسی بندرگاہ میں جسے ناتیسوں نے اپنا بحری مرکز بنالیا ہے پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

امریکہ کے اس قانون میں جنگی سامان برطانیہ کو بھیجنے کے سلسلے میں چونکہ پریسڈنٹ روسولٹ کو یہ اختیار دیدیا گیا تھا کہ اپنی اختیار تیسری سے کام لے کر چاہے یہ سامان برطانوی تجارتی جہازوں میں بھیجیں یا امریکن جہاز اس مقصد کے لئے استعمال کریں۔ پھر اور موسولینی کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں مسٹر روسولٹ کسی عذر کے ماتحت اپنے ان وسیع اختیارات سے کام لیکر اٹلی اور جرمنی کے ان تجارتی جہازوں کو نہ ضبط کر لیں جو امریکہ کی مختلف بندرگاہوں میں لنگر انداز ہیں اور انہی جہازوں پر جنگی سامان بکریں۔ اس اندیشہ کے پیدا ہوتے ہی پھر اور موسولینی نے اپنے تجارتی جہازوں کے کپتانوں کو یہ خطہ احکام بھیج دیا کہ وہ اپنے اپنے جہازوں کو آگ لگا دیں یا انہیں اس قابل نہ رکھیں کہ امریکہ ان سے کام لے سکے چنانچہ پہلی اپریل کو انہی احکام کی پابندی میں تقریباً سات جرمن، اور اطالوی جہازوں میں آگ لگا دی گئی لیکن امریکہ کی حکومت کو وقت پر اس حرکت کی اطلاع مل گئی اس نے ان جہازوں کے ملازموں کو فوراً گرفتار کر لیا اور اسکے ساتھ ہی امریکہ کی سب بندرگاہوں کے تقریباً ۶۹ اطالوی ڈیفنس اور جرمن جہازوں کو ضبط کر کے اپنی نگرانی میں لے لیا۔

پریسڈنٹ روسولٹ نے یہ کارروائی ان اختیارات کے ماتحت کی جو پہلی جنگ عظیم میں حکومت امریکہ کو اس قسم کی حرکتوں کو روکنے کے سلسلہ میں حاصل تھے۔ ادرا ب پریسڈنٹ کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ انہی ضبط شدہ جہازوں سے برطانیہ کو جنگی سامان بھیجنے کا کام لیں۔

بہر حال ایک طرف برطانیہ کو جلد سے جلد سامان بھیجنے کی امکانی تدبیریں پر عمل ہو رہا ہے اور دوسری طرف بحرالطلب میں جرمنوں کی ناکہ بندی کو توڑنے کی سرگرمی کو شش جاری ہے ادرا ب تک ان کوششوں میں برطانیہ ہی کا ہتھیار نظر آتا ہے۔ مسٹر چرچل نے اپریل کے اداس میں اپنی ایک تقریر کے دوران میں

یہ بشارت بھی دی ہے کہ وہ بہت جلد برطانوی پارلیمنٹ کو یہ خوشخبری سنائیں گے کہ بحیرہ اٹلانٹک سے ناشیوں کا خطرہ بالکل دور کر دیا گیا لیکن مسٹر چرچل کے اس اطمینان دلانے کے باوجود اندازہ یہ ہے کہ بحیرہ اٹلانٹک کی جنگ آسانی سے ختم نہ ہوگی بلکہ دونوں طرف سے پوری شدت اور قوت سے لڑی جائے گی اور اسی کے نتیجے پر جنگ کے مستقبل کا انحصار ہوگا۔

باب ۳۶

مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کا خاتمہ

مصر کی مغربی سرحد سے اطالویوں کو بن غازی تک پیچھے ہٹا دینے کے بعد جنرل دیل مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کی طرف متوجہ ہوا۔ ایریٹریا، اطالوی سمالی لینڈ اور حبش میں اٹلی کی خاصی بڑی فوجی طاقت تھی جس سے کام لیکر اپنے اعلان جنگ کے فوراً ہی بعد اٹلی نے برطانیہ کے ہمسایہ مقبوضات کے کچھ حصوں پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔

اور حبش کی سرحد پر ”میالے“ فتح کر کے ”بوننا“ تک بڑھتا چلا گیا تھا۔ برطانوی سمالی لینڈ پر پوری طرح قبضہ جما چکا تھا۔ ایریٹریا اور سوڈان کی سرحدوں پر ”کسالا“ کا علاقہ چھین لیا تھا اور حبش اور سوڈان کی سرحدوں پر ”غلابات“ کے سارے علاقے کو فتح کر لیا تھا اس کے علاوہ ”بحرہ احمر“ پر اسکا مکمل قبضہ تھا جس کے باعث کوئی برطانوی جہاز اس راستہ سے بحیرہ روم میں نہیں جاسکتا تھا۔

سب سے پہلے برطانوی بحری بیڑے نے جنوب مشرقی بحیرہ روم میں ناکہ بندی کر کے اس سلسلہ تعلق کو منقطع کر دیا جو اٹلی کا اپنے ان مقبوضات سے قائم تھا اور اس طرح مشرقی افریقہ کی اطالوی فوجوں کو مزید کمک پہنچ جانے کے امکانات کو ختم کر کے جنرل دیل نے سوڈان سے ایریٹریا پر اور کنیا سے حبش اور اطالوی

سمالی لینڈ پر حملہ کر دیا، یہ حملہ ۱۹۴۱ء کو شروع ہوا اور جزیری کے ختم ہونے سے پہلے پہلے جنرل دیول نے میلے، کسالا، اور غلابات اٹلی سے خالی کرا لیا۔ فردری میں برطانوی فوجوں نے حبش، اطالوی سمالی لینڈ اور ایرٹریا میں ایک ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔

پہلی فردری ۱۹۴۱ء کو ایرٹریا کے دو مشہور شہر ”رگودت“، ”بارنمو“ فتح کر لئے۔ ۱۵ فردری کو اطالوی سمالی لینڈ کی مشہور بندرگاہ ”کسمایو“ پر قبضہ کر لیا اور ۱۹ فردری کو جنوبی افریقہ کی فوجوں نے حبش کی سرحد پار کر کے ”میگا“ پر قبضہ جما لیا۔ اگرچہ اطالوی فوجیں ہر جگہ برطانوی فوجوں کا جم کر مقابلہ کر رہی تھیں لیکن کسی جگہ وہ برطانوی حملوں کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور برطانوی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ برابر پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوتی گئیں۔

اگرچہ بھارت نے مشرقی افریقہ کی یہ ہم اٹلی کے خلاف شروع کی تھی اور اس ساری مہم میں ایرٹریا اور اطالوی سمالی لینڈ کی طرح حبش میں بھی برطانوی فوجیں ہی کام کر رہی تھیں لیکن حبش کے متعلق برطانیہ نے ابتدا ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ شہنشاہ ہیل ٹلائی کو واپس کر دیا جائے گا جنہیں مولینی نے ۱۹۳۵ء میں یہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ اس اعلان کے ساتھ ہی شہنشاہ ہیل ٹلائی کو جو انگلستان میں ہندو خاموش زندگی بسر کر رہے تھے ہوائی جہاز کے ذریعہ سوڈان میں بھیجا گیا اور جب سوڈان کی برطانوی فوجیں حبش کی سرحد میں داخل ہو گئیں تو شہنشاہ ہیل ٹلائی بھی اُن کے ساتھ دوبارہ اپنے ملک میں داخل ہوئے اور انہوں نے اپنے گرد اپنے ہوا خواہوں کو جمع کر کے اپنے طور پر اطالویوں سے مقابلہ اور حبش کی فتح میں برطانوی فوجوں کی مدد کرنے میں سرگرمی دکھانی شروع کر دی۔

برطانوی فوجیں اس دوران میں برابر محاذ پر بڑھ رہی تھیں۔ اطالوی سمالی لینڈ میں بندرگاہ وہ فتح کر ہی چکی تھیں ۲۶ فروری کو انھوں نے اطالوی سمالی لینڈ کے پایہ تخت ”موگادیشو“ پر بھی قبضہ کر لیا اور اس فتح کے ساتھ ہی اطالوی سمالی لینڈ پر برطانیہ کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ اطالوی سمالی لینڈ سے برطانوی فوجیں برطانوی سمالی لینڈ کی طرف بڑھیں اس علاقہ پر اٹلی نے جولائی ۱۹۴۱ء میں قبضہ کر لیا تھا، برطانوی فوجوں نے ۱۶ مارچ کو برطانوی سمالی لینڈ کے پایہ تخت ”بربرا“ کو فتح کر کے یہ علاقہ دوبارہ اطالیوں سے چھین لیا۔

بربرا کی فتح کے بعد کنیا، اطالوی سمالی لینڈ اور برطانوی سمالی لینڈ کی برطانوی فوجیں ایک ساتھ حبش پر ٹوٹ پڑیں اور سوڈان کی جو فوجیں ایریٹریا کی طرف پیش قدمی کر رہی تھیں وہ اس علاقہ کو اطالیوں سے صاف کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

ایریٹریا میں اطالیوں کے قدم بڑی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے مشرقی افریقہ میں یہ انکا بہت قدیم مقبوضہ تھا۔ یہاں کا ایک قلعہ کیرن ”قدرتی طور پر نہایت محفوظ اور دنیا کے مضبوط ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا اس قلعہ کو فتح کرنے میں برطانوی فوجوں کو کافی دقت اٹھانی پڑی اور بہت دن لگ گئے لیکن بالآخر ۲ مارچ کو انہوں نے ”کیرن“ بھی سر کر لیا۔

ادھر ایریٹریا کی برطانوی فوجیں کیرن سر کر کے ایریٹریا کے پایہ تخت آسارا کی طرف بڑھیں۔ ادھر اطالوی سمالی لینڈ کی برطانوی فوجوں نے جو حبش میں پیش قدمی کر رہی تھیں، حبش کا مشہور صوبہ ”حارہ“ فتح کر لیا اور سیدھی حبش کے پایہ تخت ”ادس ابابا“ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

یکم اپریل کو ایریٹریا کا پایہ تخت ”آسارا“ بھی برطانیہ کے قبضہ میں آ گیا

اور اسمار کی فتح کے بعد اطالویوں کے پاس ایریٹریا کا صرف ایک بندرگاہ "ساوا" رہ گیا تھا اسے بھی ۹ اپریل کو برطانوی فوجوں نے فتح کر لیا اور اس طرح سارے ایریٹریا پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔

حبش میں جنوبی افریقہ کی جو فوجیں اطالوی اور برطانوی سمالی لینڈ کی طرف سے بڑھ رہی تھیں وہ ۹ اپریل کو حبش کے پایہ تخت ادس ابابا پہنچ گئیں اور ادس ابابا کی اطالوی فوجوں نے بے لڑے بھڑے ہتھیار ڈال دیے۔ ادس ابابا کے اطالوی دائرہ کے ڈیوک آف اوسٹا "لیفٹننٹ اطالوی فوجوں کے ساتھ "گنڈر" کی آخری اطالوی چھاؤنی کی طرف ہٹ گئے جہاں سب طرف سے شکست خوردہ اطالوی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔

ان شکست خوردہ اطالوی فوجوں کا سب طرف سے تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اور اس تعاقب میں شہنشاہ ہیلننلائی کی دیسی فوج نمایاں حصہ لے رہی ہے ادس ابابا کی فتح کے بعد شہنشاہ ہیلننلائی نے ایک اجتماع کیا جس میں ان کا خاندانی شاہی نشان دوبارہ لہرایا گیا اور حبش کے سرداروں نے دوبارہ ان کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔

مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات کے خلاف برطانوی مہم ادس ابابا کی فتح کے بعد بڑی حد تک مکمل ہو گئی۔ اطالوی سمالی لینڈ، برطانوی سمالی لینڈ اور ایریٹریا سے اطالویوں کا بالکل صفایا کر دیا گیا۔ البتہ حبش میں کچھ اطالوی فوجیں اور ایک اطالوی چھاؤنی باقی رہ گئی ہے جسے گھیر لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

باب

یوگوسلاویہ بین الناستی ڈپلوسی کی ناکامی

یوگوسلاویہ پر ناستیوں کا سیاسی دباؤ برابر بڑھتا جا رہا تھا اور پرنس پال کی حکومت اس دباؤ کے آگے خم ہوتی جا رہی تھی، اگرچہ اس دوران میں پرنس پال کی حکومت ناستی اثر کو قبول نہ کرنے کی انتہائی کوشش کرتی رہی اور اپنی طرف سے اس نے یوگوسلاویہ اور جرمنی میں سمجھوتے کی نئی نئی صورتیں بھی تجویز کیں جن پر ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ بھی شامل تھا لیکن ناستیوں نے ان میں سے کوئی صورت بھی منظور نہیں کی، وہ یوگوسلاویہ کو بھی رومانیہ، بلغاریہ اند ہنگری کی طرح جرمنی، اٹلی اور جاپان کے سرگوشہ اتحاد میں شامل کرنا چاہتے تھے اور اس جنگ میں یوگوسلاویہ سے بھی اسی طرح کے اشتراک عمل کے خواہاں تھے جس طرح کا اشتراک عمل انہیں ان قینوں ملکوں (رومانیہ، بلغاریہ، اند ہنگری) سے حاصل ہو چکا تھا۔

لیکن پرنس پال کو اس اتحاد میں شامل ہونے میں نااہل تھا، یونان، یوگوسلاویہ کا قدیم رفیق اور نہایت صلح جو ہمایہ تھا اور پرنس پال کو یہ منظور نہ تھا کہ ناستی اس پر حملہ کرنے کے لئے یوگوسلاویہ کو آلہ کار بنائیں، چنانچہ ناستیوں کے سیاسی دباؤ کے مقابلہ میں یہ آخری مورچہ تھا جس پر پرنس پال کی حکومت نے طرح طرح کے لالچ اور دھمکیوں کے باوجود اپنے قدم جمائے رکھے۔

اس نوبت پر ناسیوں نے خود بھی بات بڑھائی پسند نہیں کی، اور
پرنس پال کی حکومت کی یہ شرط منظور کر لی کہ معاہدے کے بعد نہ جرمن فوجیں
یوگوسلاویہ میں داخل ہونگی اور نہ یونان پر حملہ کرنے کے لئے یوگوسلاویہ کے علاقہ
سے گزریں گی۔

ان شرائط کے آپس میں طے ہوتے ہی یوگوسلاویہ کے وزیر اعظم اور وزیر
خارجہ بلغراد سے دیا نہ رد نہ ہو گئے اور وہاں انہوں نے ۲۵ مارچ ۱۹۱۳ء کو
فان ربن ٹراپ (جرمنی) کوئٹ چیانو (اطلی) اور جنرل اوشیا (جاپان) کی موجودگی
میں محوری طاقتوں کے ساتھ اتحاد کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔

یوگوسلاویہ کی طرف سے پرنس پال کی حکومت کے نمائندوں نے اس معاہدے
پر دستخط تو کر دیئے لیکن یوگوسلاویہ کے فوجی گروہ کو یہ معاہدہ پسند نہ آیا اور نہ عوام نے اسے
پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ اصل میں پرنس پال کی حکومت نے اس معاہدے کی تکمیل سے
پہلے یوگوسلاویہ کے فوجی طبقے سے کوئی مشورہ نہیں کیا تھا۔ اور نہ اس بارے میں ملک کے ان انتہا پسند
سیاست دانوں کی رائے کو کوئی وقعت دی تھی جو سرے سے جرمنی سے کسی قسم کا فوجی معاہدہ کرنے ہی کے
خلاف تھے اس نتیجہ یہ ہوا کہ اس معاہدہ پر دستخط ہوتے ہی ملک کے انتہا پسندوں اور فوجی طبقوں میں بھینی پیدا ہوئی
اور سرنی اور سلونی فوجوں نے جہیں زیادہ تر روس سے لگاؤ تھا اس معاہدہ کے خلاف ملک میں جگہ جگہ مظاہر شروع کر دیں
خود روس نے بھی اس معاہدے سے پہلے یوگوسلاویہ کی حکومت کو متنبہ کر دیا تھا کہ ناسیوں کے سرگوشہ اتحاد
میں شامل نہ ہو بلکہ اس نے یوگوسلاویہ کی حکومت سے یہ بھی خواہش کی تھی کہ جرمنی اور یوگوسلاویہ کے
درمیان جو معاہدہ بھی طے پائے اس سے ۴۸ گھنٹے پہلے سوئٹ روس کو اطلاع ملنی چاہئے۔
بلغاریہ کے بعد یہ دوسرا بلقانی ملک تھا جس سے سوئٹ روس نے دلچسپی کا اظہار کیا تھا
اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ روس بلقان میں جرمنی کے بڑھے ہوئے اثر کو بھی نظر سے نہیں دیکھتا

چاہتا ہے کہ بلقانی ریاستیں خود بھی جرمنی کے اس اثر کا مقابلہ کریں۔ سویت روس کے اس نقطہ نظر کی مزید وضاحت اس اعلان سے بھی ہوتی تھی جو سویت روس اور ترکی تعلقات کے بارے میں عین اس دن کیا گیا تھا جس دن یوگوسلاویہ کے نمائندوں نے ناسیوں کے ساتھ اتحاد کے معاہدے پر دستخط کئے تھے اس اعلان میں سویت روس نے ترکی کو یہ یقین دلایا تھا کہ اگر اس پر کسی غیر طاقت نے حملہ کر دیا اور ترکی کو اس سے لڑنا پڑا تو سویت روس اپنے قدیم معاہدے اتحاد پر عمل کرتا ہوا بالکل غیر جانبدار رہے گا۔ اور اسی طرح کا اطمینان سویت روس کو ترکی حکومت کی طرف سے دلایا گیا تھا کہ سویت روس پر کسی طاقت کے حملے کی صورت میں ترکی کا رویہ بھی غیر جانبدار نہ ہو گا۔

ترکی اور سویت روس کے اس متفقہ اعلان کا ایک مفہوم تو یہ تھا کہ ترکی اور روس میں کچھ دنوں پہلے جرمنوں کی سازش سے جو غش پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی اور ان کے آپس کے تعلقات اسی طرح خوشگوار ہو گئے جیسے پہلے تھے۔ اور دوسرا مفہوم یہ تھا کہ ایسے وقت میں جب کہ جرمن خطرہ ترکی کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکا ہے۔ سویت روس خواہ مخواہ ترکی کو اپنی پالیسی کے متعلق تشویش میں مبتلا نہ کرے اور نہ ہی رکھنا چاہتا تھا جس سے ترکی مدافعت پر گہرا اثر پڑے گا اندیشہ تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف اس کی یہ خواہش تھی کہ ترکی اپنی مشرقی سرحدوں کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر کیسوی قلب کے ساتھ جرمنوں کا مقابلہ کرے اور اس علاقے میں جرمنوں کے قدم نہ جھینے دے۔

۵۔ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ ہٹلر نے پولینڈ کی طرح ترکی کے بھی حصے بخرنا کر لینے کی تجویز سلطان کے آگے پیش کی تھی اور اسے درودانیال کا بھی لالچ دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اسٹالن اس لالچ میں آکر ترکی پر حملہ کرنے میں ہٹلر کا ساتھ دے اور ترکی کے وجود سے جنوب مشرقی یورپ اور مشرق قریب میں ہٹلر کی پیش قدمی میں جو روک پیدا ہو رہی ہے وہ دور ہو جائے۔

بلغان کے متعلق روس کی اسی پالیسی نے دراصل یوگوسلاویہ کے سر دیوں اور سلونیوں پر اثر ڈالا تھا، ویسے بھی ان دونوں قوموں کو جرمنی سے کوئی لگاؤ نہیں تھا بلکہ ان میں اور جرمنوں میں ایک قسم کی قومی منافرت سی پائی جاتی تھی جو پہلی جنگ عظیم کے بعد اور زیادہ بڑھ گئی تھی البتہ یوگوسلاویہ کی تیسری قوم ”کردٹ“ اس بارے میں سر دیوں اور سلونیوں سے مختلف تھی اسکا تعلق سجاے روس کے جرمنوں سے تھا۔ کروٹ یوگوسلاویہ میں اقلیت میں تھے اور ان میں اور سر دیوں میں نظام حکومت کے معاملہ میں ہمیشہ اختلاف رہتا تھا۔ یوگوسلاویہ کے پہلے بادشاہ الکزنڈر بھی کہا جاتا ہے کہ اسی اختلاف کے نذر ہو گئے تھے۔ ان کی ہلاکت کے بعد اگرچہ کردٹوں اور سر دیوں میں مصالحت ہو گئی تھی لیکن آپس میں صفائی پھر بھی نہ ہو سکی تھی غرض اس موقع پر جرمنوں سے معاہدہ اتحاد کے خلاف جتنی مظاہرے ہوئے وہ سر دیوں اور سلونیوں کی طرف سے ہوئے اور کروٹوں نے ان میں مطلقاً حصہ نہیں لیا تھا لیکن چونکہ یوگوسلاویہ میں سر دیوں اور سلونیوں ہی کی تعداد زیادہ تھی اسلئے ان مظاہروں کا کھلا ہوا مفہوم یہی تھا کہ یہ اتحاد یوگوسلاویہ کی اکثریت کو پسند نہیں آیا۔

(بقیہ صفحہ ۲۵۶) لیکن اسٹالن اس لالچ میں نہیں آیا اول تو درہ دانیال خود فساد کی جڑ تھی جس کے متعلق وہ جرمنوں پر ایک لمحہ کے لئے بھی اعتماد نہیں کر سکتا تھا، دوسرے کسی بلغاتی ملک کے متعلق سٹالن سے سازش کے خود ہی جرمن اثر کو بلغان میں قدم جانے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یہ سویت روس کی بنیادی پالیسی کے خلاف تھا یہی وجہ تھی کہ سٹالن کی یہ تجویز یکاگردگی اور اسٹالن نے ایک مخصوص اعلان کے ذریعہ سویت روس اور ترکی کے تعلقات کو صاف کر دیا۔ (مؤلف)

عوام کے ان مظاہروں اور ہنگاموں سے یوگوسلاویہ کے فوجی طبقہ کو جو پرنس پال کی حکومت سے ناراض تھا بڑی تقویت پہنچی اور اس نے یگنٹ کے اقتدار کو توڑنے اور یوگوسلاویہ کی حکومت پر قبضہ کرنے کی ایک زبردست اسکیم چپ چپاتے تیار کر لی۔

یوگوسلاویہ کے نو عمر بادشاہ شاہ پیٹر کو جن کی عمر صرف سارے سترہ برس کی تھی انتہا پسندوں نے اس اسکیم میں شریک کر لیا اور انہی کے نام سے ۲۷ مارچ کی رات کو بلخراد میں انقلاب پیدا کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

یوگوسلاویہ کے وہ وزیر جنہوں نے ویانا جا کر جرمنی کے ساتھ معاہدہ اتحاد پر دستخط کئے تھے گرفتار کر لئے گئے، یوگوسلاویہ کے ریجنٹ پرنس پال اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر یوگوسلاویہ سے یونان چلے گئے اور شاہ پیٹر کے حکم سے اس انقلاب کے کے لیڈر جنرل سجادج نے نئی وزارت قائم کر لی۔

جرمنی سے معاہدہ اتحاد کے فوراً بعد یوگوسلاویہ میں اس انقلاب سے جرمن وقار پر ایک کاری ضرب لگی خصوصاً اسلئے بھی کہ ان دنوں جاپان کے وزیر خارجہ ٹشو کا

شاہ پیٹر، یوگوسلاویہ کے پہلے بادشاہ الکزنڈر اول کے لڑکے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں شاہ الکزنڈر کی ہلاکت کے وقت ان کی عمر صرف بارہ برس کی تھی اور یہ انگلستان کے مشہور دربارہ ایمن میں تعلیم پاتے تھے۔ شاہ الکزنڈر کی ہلاکت کے بعد یہ یوگوسلاویہ آئے اُن کے سن بلوغ کو پہنچے تک ان کے چچا پرنس پال ان کے ریجنٹ مقرر ہوئے اور وہی ۱۹۱۸ء کے بعد سے اپنی کونسل کی مدد سے یوگوسلاویہ پر حکومت کرتے رہے۔ ستمبر ۱۹۱۸ء میں شاہ پیٹر کی عمر اٹھارہ برس کی ہو گئی اور یہی مہینہ اُنکی باقاعدہ تخت نشینی کا بھی مقرر تھا کہ یوگوسلاویہ میں انقلاب ہو گیا پرنس پال یگنٹ کے حکم سے مستعفی ہو گئے اور شاہ پیٹر نے وقت سے پہلے زمام حکومت سنبھال لی۔ (سوف)

جو یورپ کی جنگ کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھنے آئے تھے، برلن میں موجود تھے اور محوری طاقتوں کا آئندہ پروگرام اُن کے شور سے مرتب ہو رہا تھا۔ ہٹلر کے لئے یوگوسلاویہ کی اس ناکامی کے اسباب انہیں سمجھانے مشکل ہو گئے۔

لیکن اس کے برخلاف برطانیہ اور امریکہ اور یونان کیوگوسلاویہ کے اس انقلاب سے بڑی مسرت ہوئی۔ کہ ایک اور بہادر قوم کا ہٹلر کے مقابلہ کے لئے ان کے جتنے میں اضافہ ہوا چنانچہ برطانیہ اور امریکہ نے اس انقلاب کے فوراً بعد ہی یوگوسلاویہ کو ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ بھی کر لیا۔ امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ روس اور ترکی کو بھی اس انقلاب سے خوشی ہوئی کہ بلقان میں ہٹلر کی مفقیدی میں ایک اور روک پیدا ہوئی چنانچہ یوگوسلاویہ کے انقلاب پر روس اور ترکی نے بھی اظہارِ اطمینان کیا اور روس اور یوگوسلاویہ میں ایک معاہدہ کی گفت و شنید شروع ہو گئی۔

اپنی ناکامی کے بعد کچھ دنوں ہٹلر نہایت خاموشی سے یوگوسلاویہ کے حالات کا مطالعہ کر رہا۔ اسکے بعد اس نے یوگوسلاویہ کی نئی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ جرمنی کے معاہدہ اتحاد کے متعلق وضاحت کے ساتھ اپنا ردِ یہ بتائے اور یوگوسلاویہ کی فوجوں کو منتشر کر دے یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ ہٹلر کے صہبر کا پیالہ اب لبریز ہو گیا اور اب وہ بلقان میں فوجی کارروائی کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ یہ امداد کی حکومت نے ہٹلر کے مطالبے کے جواب میں اپنی پالیسی کا اظہار کرتے ہوئے جرمن حکومت کو یہ یقین دلادیا کہ یوگوسلاویہ اپنی کسی ہمسایہ ریاست سے بگاڑنا نہیں چاہتا اور اس کی فوجیں محض حفظِ ماتقدم کے طور پر تیار ہو رہی ہیں جس سے کسی ملک کو ڈرنا مقصود نہیں۔

لیکن یہ جواب ہٹلر کو مطمئن نہ کر سکا اور اس نے یوگوسلاویہ کے خلاف نہایت تیزی سے فوجی تیاریاں مکمل کرنی شروع کر دیں

فوجی کارروائی سے پہلے حسب دستور یوگوسلاویہ کے خلاف جرمن پریس میں نہایت زور شور سے پروپیگنڈا شروع ہو گیا۔ اور یوگوسلاویہ کی کروٹ، جرمن، اور ہنگرین اقلیتوں پر سرویوں کے مظالم کی فرضی داستانیں شہرت پانے لگیں۔ جرمنوں کا سرویوں اور سلونیوں پر کوئی زور نہیں تھا صرف کروٹ ان کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے انھیں کوکوٹھیہ کی آزاد ریاست کا منبر بلغ دکھا کر ہٹلر نے پوری سرگرمی سے یوگوسلاویہ کی موجودہ حکومت کے خلاف ابھار دیا۔

اگرچہ کروٹوں کے ایک لیڈر ڈاکٹر میچٹ، جنرل سیماوچ کی حکومت میں نائب وزیر اعظم کا عہدہ قبول کر چکے تھے لیکن کروٹوں میں سروی حکومت کے متعلق برابر بدگمانی موجود تھی اور اس بدگمانی کو کروٹوں کے انتہا پسند لیڈر برابر ہوا دیتے رہتے تھے۔ ہٹلر نے کروٹوں کی اس بدگمانی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک مشہور انتہا پسند کروٹ ”ڈاکٹر انٹی پادی ریچ“ کو جس کے متعلق یرشہ بتھا کہ اسی نے شاہ الکزنڈر کو مار سیلزمین ہلاک کروایا تھا ہٹلر نے گانٹھ لبا اور اعتماد پسند کروٹوں میں پھوٹ ڈلوادی۔ اور اس طرح یوگوسلاویہ کے خلاف پروپیگنڈا اور سازش کے سارے ابتدائی مراحل طے کر کے ہٹلر نے ۶ اپریل ۱۹۴۱ء کو یوگوسلاویہ اور یونان دونوں کے خلاف ایک ساتھ اعلان جنگ کر دیا۔

باب ۳

جاپانی وزیر خارجہ کا سفر یورپ اور روس جاپان میں معاہدہ

مشرق بعید میں جاپان کے قومی عزائم کا سرسری سا خاکہ کسی پچھلے باب میں پیش کیا جا چکا ہے ان عزائم کی تکمیل کا ظاہر ہے کہ اس سے بہتر موقع جاپان کو کوئی اور نہیں مل سکتا تھا اسلئے موجودہ یورپین جنگ سے وہ پورا پورا فائدہ اٹھانے پر تلا ہو تھا فرانس کو بے بس دیکھ کر فرانسیسی ہندوستانی میں اپنے قدم جما چکا تھا اور بھائی لینڈ (سیام) اور فرانسیسی ہندوستانی کے حصہ میں خود ساختہ "ٹالٹ" کی حیثیت سے دخل دیکر فرانسیسی ہندوستانی کا وہ سارا علاقہ بھائی لینڈ کو دلوا چکا تھا جس کا بھائی لینڈ نے مطالبہ کیا تھا۔ اگرچہ ابتدائی دشمنی کی حکومت نے جاپان کے اس ثالثی فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن یہ دیکھ کر کہ اس شرقی ٹالٹ نے اپنے فیصلے کو تعمیل کرنے کی غرض سے ہندوستانی کی کھاڑی میں اپنے جنگی جہاز بھی جمع کر رکھے ہیں مجبوراً ارماتج ۱۹۴۱ء کو جاپان کے فیصلہ پر بے چون و چرا دستخط کر دیئے۔

لیکن جاپان اب اس سے آگے قدم بڑھانا چاہتا تھا بحیرہ الکاہل کے جزائر میں فلپائن اور امیٹ انڈیز پر اس کی خاص طور پر نظر تھی اور جنوبی چین کے ان علاقوں پر بھی اس کا دانت تھا جو برطانیہ کے قبضہ میں تھے۔ اور اسی کے ساتھ اگر موقع مل سکے تو بحر ہند کے برطانوی مقبوضات بلکہ ہندوستان تک پہنچ جانے کا ارادہ تھا

لیکن یہ پروگرام بہت طویل اور اہم خطرات سے بڑھتا اور اس کی ترتیب میں نہایت ہی حرم و احتیاط کی ضرورت تھی۔ سب سے پہلے تو اسے یورپ میں جرمنی اور اٹلی کی صحیح پوزیشن معلوم کرنی تھی اور موجودہ جنگ میں ان کی کامیابی کے امکانات کا جائزہ لینا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ سوئٹ روس کو راضی کر کے اس سے اپنے جینی مقبوضات کی حفاظت کے متعلق ایک سمجھوتہ کرنا تھا تاکہ اس طرف سے کیو ہو کر، جاپان اپنے بحر الکاہل اور بحر ہند کی ہم میں مصروف ہو سکے۔

یہ کام چونکہ معمولی بلچوں اور تو لفسوں کے بس کا نہ تھا اسلئے جاپان کی حکومت نے اسے اپنے وزیر خارجہ مسٹو کا "کے سپرد کیا اور مسٹو کا اسکی تکمیل کے لئے مارچ ۱۹۳۷ء کے دوسرے ہفتے ماسکو، برلن اور روم کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

مارچ کے آخر تک جاپانی وزیر خارجہ ماسکو اور برلن ہونے ہوئے روم پہنچے یہاں کے حالات کا انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور واپسی میں انہوں نے ماسکو میں تقریباً ایک ہفتہ قیام کیا اور سوئٹ روس اور جاپان کے درمیان ایک غیر جانبدار معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اتفاق کی بات "مسٹو کا" برلن اور روم میں ایسے وقت پہنچے تھے جبکہ جرمنوں کو بلقان میں اور اطالیوں کو بحیرہ روم میں برطانیہ کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی تھی۔ یوگو سلاویہ کا انقلاب عین اس دن ہوا جس دن مسٹو کا ہٹلر اور براہن ٹراپ سے آئندہ پروگرام کے متعلق برلن میں گفتگو کر رہے تھے اور روم یہ اس وقت پہنچے جب اطالوی بیڑے کو بحیرہ روم میں کریٹ کے قریب برطانوی بیڑے کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی تھی، اور برطانوی بیڑہ لیبیا کی برطانوی فوجوں کو یونان پہنچا دینے میں کامیاب رہا تھا۔ بہر حال مسٹو کا پران واقعات کا اثر پڑا ہو یا نہ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ

روم اور برلن میں مسٹر مٹوکا نے کوئی نیا معاہدہ نہیں کیا اور نہ بظاہر ان تینوں میں آئندہ کے لئے کوئی پروگرام طے ہوا، البتہ برلن سے واپسی پر جاپانی وزیر خارجہ نے تقریباً ایک ہفتہ ماسکو میں قیام کیا اور سوئٹ روس اور جاپان کے درمیان ۱۳ اپریل ۱۹۳۷ء کو آپس میں ”غیر جانب دار“ رہنے کے ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔
اختصار کے ساتھ یہ معاہدہ حسب ذیل تھا۔

- (۱) فریقین آپس میں دوستانہ تعلقات برقرار رکھیں گے اور ایک دوسرے کے مقبوضات کا پورا پورا احترام کریں گے۔
- (۲) اگر کسی فریق کو کسی تیسری قوت یا قوتوں سے ہنرد آزا ہونا پڑا تو فریق ثانی اس جنگ کے دوران میں بالکل غیر جانب دار رہیگا۔
- (۳) یہ معاہدہ طرفین کی ”توثیق“ کے بعد نافذ سمجھا جائے گا اور پانچ برس تک ناطق رہیگا اور اگر اس مدت کے ختم ہونے سے برس بھر پہلے کسی فریق نے اس معاہدے کو فسخ کر دینے کا نوٹس نہیں دیا تو مزید پانچ برس تک یہ معاہدہ قائم رہیگا۔

(۴) فریقین کی طرف سے اس معاہدے کی جلد سے جلد توثیق کر دی جائے گی اور دستخط شدہ معاہدے کے کاغذات کا تبادلہ ”ٹوکيو“ میں عمل میں آئے گا۔

اس معاہدے کے ساتھ سوئٹ روس اور جاپان کی طرف سے ایک مشترکہ اعلان بھی شائع ہوا تھا جس میں سوئٹ روس نے جاپان کی مقبوضہ ریاست ”منچکو“ کے احترام کا وعدہ کیا تھا اور جاپان نے سوئٹ روس کی ماتحت ریاست ”اوٹو منگولیا“ کی حفاظت کی ضمانت کی تھی۔

۵ اوٹو منگولیا اور منچکو دونوں چین کے صوبے ہیں ایک پر رقبہ ۲۶۴ ہزار

اس حقیقت کے پیش نظر کہ جاپان ایک مدت سے سویت روس کے ساتھ اپنے تعلقات ہموار کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور سویت روس خود بھی ایشیاء میں اپنے مفاد کو نقصان پہنچائے بغیر جاپان سے صفائی کر لینے کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ سویت روس اور جاپان کے اس معاہدے میں کسی کو بھی کوئی نئی بات محسوس نہ ہونی چاہیے تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر ان دونوں کے درمیان غیر جانبداری کا جو معاہدہ طے پایا اس نے امریکہ اور برطانیہ کے ساتھ خود جرمنی کو بھی متوجہ کر دیا۔ یہ تعجب دراصل نفس معاہدے پر کم اور معاہدے کی نوعیت پر زیادہ تھا۔

واقعہ یہ ہوا کہ نومبر ۱۹۴۵ء میں خود ہٹلر نے برطانیہ کے خلاف سویت روس کو جرمنی، اٹلی اور جاپان کے اتحاد میں شامل ہو جانے کی دعوت دی تھی، اور اس شمولیت کے سلسلہ میں ایشیاء اور بلقان کے کچھ علاقوں کا اسے لالچ بھی دیا تھا لیکن سویت روس ہٹلر کی چالوں میں نہ آیا اور اسمٹن نے اس دعوت اور پیش کش دونوں کو ٹھکرادیا۔ اسلئے کہ اول تو سویت روس کو جرمنوں پر اعتماد ہی

(بقیہ صفحہ ۲۶۴) سویت روس اپنا قبضہ جمائے ہوئے ہے اور دوسرے پر جاپان لیکن چینی حکومت نے اب تک ان مہجوروں پر روس اور جاپان کا قبضہ تسلیم نہیں کیا چنانچہ اس موقع پر بھی جب حکومت چین کو اس معاہدے کے بعد روس اور جاپان کے اعلان کا علم ہوا تو اس کے وزیر خارجہ نے جو اس میں فوراً یہ اعلان کر دیا کہ چین سویت روس اور جاپان کے کسی معاہدے کا باندھ نہیں ہے وہ منکھو اور اوٹو منگولیا پر کسی غیر سلطنت کا قبضہ تسلیم نہیں کر سکتا۔

کم تھا دوسرے جرمنی کے ساتھ ہڈ کر برطانیہ سے لڑنا روس کی معینہ پالیسی کے بالکل خلاف تھا لہ

جب ہٹلر کو اپنے اس مقصد میں ناکامی ہوئی تو اس نے یہ کوشش کی کہ کسی طرح روس اور جاپان کے درمیان ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ طے ہو جائے تاکہ ایشیا میں جاپان کو یکسوئی حاصل ہو سکے اور بحر ہند اور بحرالکاہل میں ہٹلر کے پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی دکھاسکے لیکن ہٹلر کو اس معاہدے میں کامیابی نہیں ہوئی سوٹ روس نے جاپان کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اب اس انکار کے کچھ ہی دنوں بعد سوٹ روس نے خود ہی بغیر کسی تحریک کے جاپان سے معاہدہ طے کر لیا اور معاہدہ بھی کیا تو اس انداز کا کہ امریکہ اور برطانیہ پر تو اسکی زربالوا سطر پڑی لیکن جرمنی پر یہ براہ راست اثر انداز ہوا۔

۱۵ سوٹ روس کا ڈکٹیٹر اسٹالن لڑائی سے حتی الامکان اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتا ہے اس میں ایک خیال تو یہ ہے کہ جرمنی اور برطانیہ لڑتے لڑتے کمزور ہو جائیں گے اور روس انکے مقابلہ میں طاقتور رہے گا لیکن دوسرا خیال یہ تھا کہ اگر روس موجودہ لڑائی میں شریک ہو جائے اور نالیٹوں سے شکست کھا جائے تو سوئٹلٹ نظام حکومت جو ابھی تک ابتدائی دور میں ایک ہی ضرب میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اسٹالن کی ڈکٹیٹری بھی رُخصت ہو جاتی ہے اور اگر سوٹ روس فتح پزیر رہتا ہے تو روس کی اصلی حکومت اسٹالن اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں سے نکل کر فوجی ایڈرڈوں کے ہاتھ میں آ جاتی ہے اور اس صورت میں روس میں سوئٹلٹ نظام باقی نہیں رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ سوٹ روس جنگ سے بالکل علیحدہ رہنے پر مجبور ہوا ہے۔

وجہ ظاہر تھی اس نوبت پر روس اور جاپان میں ”غیر جانبداری“ کے معاہدے کا کھلا ہوا مفہوم یہی ہو سکتا تھا کہ ایشیا میں جاپان کو اور یورپ میں سوئٹ روس کو اپنے پروگرام کی تکمیل میں آزادی حاصل ہونے کے ایشیا میں جاپان کا جو پروگرام تھا وہ تو ظاہر تھا لیکن یورپ میں سوئٹ روس کا پروگرام کیا ہو سکتا تھا جس کی خاطر سوئٹ روس کو اپنی ایشیائی سرحدوں کے متعلق جاپان سے غیر جانبداری کا معاہدہ کر کے اطمینان حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۹

برطانیہ اس وقت یقیناً روس کے راستے میں حائل نہیں ہے۔ یورپ یا ایشیا میں کسی جگہ بھی روس اور برطانیہ کا مفاد آپس میں نہیں ٹکراتا۔ برخلاف اس کے وسطی یورپ اور بلقان میں جرمنی کے بڑھتے ہوئے اثر سے سوئٹ روس کا متاثر ہونا

سے قیاس یہ ہے کہ اگر فی الواقع برطانیہ سوئٹ روس کے راستے میں حائل ہوتا تو مائلن ہٹلر کی اس مشکیش کو دیکھ کر تاجوئن کو نمبر سٹھ میں روس اور جرمنی کے فوجی اتحاد کے متعلق کی تھی کیونکہ جرمنی سے اتحاد کے بعد سوئٹ روس بڑی آسانی سے برطانیہ کو اپنے راستے سے ہٹا سکتا تھا، برخلاف اس کے اکیلے اس معاہدے سے اسکا یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ برطانیہ سے ٹکرائے کے لئے بہر حال سوئٹ روس کو جرمنوں کی رضا مندی حاصل کرنی ضروری ہے۔ نازی جرمنی سے بے نیاز ہو کر سوئٹ روس برطانیہ کے خلاف کوئی اہم کامیابی کے ساتھ شروع ہی نہیں کر سکتا۔

رہا یہ اندیشہ کہ توڑ ایشیاء میں کسی جگہ سوئٹ روس اقدام کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اسی لئے اس نے جاپان سے یہ معاہدہ کیا ہے اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یورپ میں جنگ کی جو نازک حالت ہو گئی ہے اس سے قطع نظر کہ سوئٹ روس کا کسی اور طرف متوجہ ہونا قرین عقل نہیں ہے، دوسرے اس صورت میں بھی (باقی صفحہ)

یقینی امر ہے چنانچہ بلقان کے متعلق روس ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی اصلی پالیسی کی جھلک دکھا چکا ہے اور وسطی یورپ میں ہٹلر کے بعض اقدامات پر کھلم کھلا اظہارِ رائے بھی کر چکا ہے اس اعتبار سے قریب یہ ہے کہ اس موقع پر یا تو روس کو خود اپنے اوپر جرمنی کے حملے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا یا روس خود ہی بلقان اور وسطی یورپ میں جرمنی کے اقدامات کو روکنا چاہتا تھا۔
 اور یہی دونوں صورتیں ایسی ہیں جن سے اس نوبت پر سوئٹ روس اور جاپان کے درمیان ”غیر جانبدار“ معاہدے کا جواز ثابت کیا جاسکتا ہے۔

روس اور جاپان کے اس معاہدے کا اثر چین پر سب سے زیادہ پڑا اب جاپان چین کے خلاف پوری طرح سرگرمی دکھا سکتا ہے۔ اگرچہ سوئٹ روس نے چین کو یہ یقین دلایا ہے کہ جو امداد اسے روس سے مل رہی ہے وہ بدستور ملتی رہے گی اور گو اس کا بھی امکان نہیں ہے کہ اس معاہدے کے بعد جاپان اپنی ان سب افوجوں کو فوراً چین کے خلاف استعمال کر سکے گا جو اڈر منگو لیا اور منچکو کی سرحد پر بیکار پڑی ہیں اس لئے کہ روس کے حملہ کا خطرہ اس معاہدے کے بعد دور بھی ہو جائے تب بھی

(بقیہ صفحہ ۲۶۶) اس کے لئے قبل از قبل جرمنی سے استصواب کرنا ضروری تھا اور پھر اگر ایشیا کے متعلق روس کا فی الحقیقت کوئی پروگرام ہوتا تو وہ جاپان سے اسی طرح کا معاہدہ کرتا جس طرح اس نے جرمنی سے کیا تھا تا کہ جنگ کی صورت میں جاپان کسی ایسی قوت کی مدد نہ کر سکا بھی پابند ہو جاتا جس سے سوئٹ روس بنرؤر زما ہوتا۔ اور دراصل معاہدے کی یہی وہ صورت ہے جس کے باعث اس احتمال کی گنجائش ہی نہیں مل سکتی کہ اس ظاہرہ معاہدے کی تمیز کہیں آپس میں کوئی خفیہ معاہدہ نہ ہو۔
 (مؤلف)

اس سرحد پر روسی فوجوں کی موجودگی حفظ ماتقدم کے طور پر جاپان کو بھی اپنی فوجیں وہاں رکھنے پر مجبور کرتی رہیگی دوسرے ”منچکو“ کی ریاست کو بھی اپنے قابو میں رکھنے کا سوال جاپان کے پیش نظر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جاپانی فوجیں منچکو سے ہٹتے ہی خود ”منچکو“ کسی کی شرمیں آکر جاپان کے خلاف بغاوت کر دے۔ لیکن ان سارے موانعت کے باوجود چین پر جاپان کا دباؤ بڑھ جانا لازمی ہے جس سے مقابلہ کے لئے چین کو اس سے زیادہ قربانیاں دینی ہونگی جتنی وہ اب تک دے چکا ہے۔

چین کے بعد اس معاہدے کا اثر سب میں زیادہ برطانیہ پر پڑے گا اندیشہ ہے اگرچہ اس اثر میں امریکہ بھی برطانیہ کا شریک ہے۔ لیکن قیاس یہ ہے کہ جاپان

۱۔ جرمنی کی خواہش تو یہ ہی ہے کہ جاپان سے امریکہ کو اُلجھالے تاکہ امریکہ جو بد برطانیہ کو دے رہا ہے وہ نہ دے سکے اور خود بھی جنگ کی زد میں آجائے چونکہ خود جاپان کا اس میں اپنا فائدہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ اُلٹے نقصان کا خطرہ ہے اسلئے غالباً وہ امریکہ کو اس نوبت پر نہ چھیڑے گا کیونکہ اگر بحرالکاہل میں جاپان شکلوں میں گھریا تو جرمنی اور اٹلی ہرگز اس کی مدد نہیں کر سکتے اسے اکیلے ہی یہ لڑائی لڑنی پڑے گی، علاوہ اس کے جاپان مشرق بعید میں اپنا اثر بحرالکاہل کے جنوب یا مشرق میں بڑھ کر نہیں بلکہ جنوب مغرب میں بڑھ کر ہی حاصل کر سکتا ہے اور اسی برطانیہ سے ٹکرانے کی ضرورت ہوگی اور برطانیہ چونکہ اس وقت خود بحیرہ اٹلانٹک اور بحیرہ روم میں پھنسا ہوا ہے اسلئے بھڑھند میں جاپان اُسانی سے اُسے پریشان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ صرف قیاسات ہیں ممکن ہے جاپان پوری طرح ہٹلر کی چالوں میں آجائے اور امریکہ سے اُلجھ پڑے۔ اس صورت میں اُسے امریکہ اور برطانیہ دونوں سے بحرالکاہل میں مقابلہ کرنا پڑے گا اور اس کا نتیجہ غالباً جاپان کے لئے اچھا نہ ہوگا۔

اس نوبت پر امریکہ اور برطانیہ دونوں کو ایک ساتھ چھڑانے کی جرات نہ کرے گا، بلکہ جنگ کی موجودہ صورت سے فائدہ اٹھا کر صرف برطانیہ ہی پر دباؤ ڈالے گا اور اسی میں دراصل اسکا اپنا فائدہ بھی ہے۔

چنانچہ ابھی جاپانی وزیر خارجہ ماسکو کے دورے سے واپس نہ ہوئے تھے اور جاپانی روسی معاہدے کی دونوں حکومتوں کی طرف سے توثیق بھی نہ ہوئی تھی کہ جاپان نے جنوبی چین میں اپنی پیش قدمی شروع کر دی۔ اور ان چینی بندرگاہوں پر وہ اپنا قبضہ جمانے لگا ہے جن سے اب تک چین کا تجارتی واسطہ قائم تھا۔

دوسری طرف برطانیہ کی مشرق بعید کی فوجی چھادینوں میں سرگرمی بڑھ گئی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ برطانیہ جاپان کے ارادوں سے بے خبر نہیں ہے اور اس خطرے کے مقابلہ کے لئے وہ بالکل تیار ہے۔

۲۵ اپریل ۱۹۴۱ء کو ٹوکیو میں روسی جاپانی غیر جانبداری کے معاہدے کی طرفین سے تصدیق ہو گئی اور تصدیق کے ساتھ ہی یہ معاہدہ نافذ ہو گیا۔ لیکن اس تصدیق کے بعد ہی ایک عجیب طیفہ ہوا، یکم مئی ۱۹۴۱ء کو روس کی حکومت نے ایک سر اعلان شائع کر دیا کہ کسی قسم کا سامان جنگ یا آلات حرب کے حصے ٹکڑے یا پُرزے روس علاقہ سے کسی دوسرے ملک کو نہ گزرنے لگیں گے۔ البتہ خام اشیاء اس کے علاقہ سے گزر سکتی ہیں لیکن ان کے لئے بھی روس کی حکومت سے قبل از قبل اجازت لینا ہوگی، اس اعلان کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ روس کے علاقے سے جرمنی جاپان یا کسی اور ملک کو سامان جنگ نہیں بھیج سکے گا۔ اور نہ جاپان کی طرف سے خام اشیاء وغیرہ روسی حکومت کی اجازت کے جرمی جاسکیں گی۔

اسی سلسلہ میں یہ عقدہ بھی کھلا کہ جاپان کے وزیر خارجہ نے برلن میں ہٹلر سے

یہ وعدہ کیا تھا کہ جاپان اپنے کچھ جنگی جہاز جرمنی کو بھیج دیگا اور جرمنی اُن کے معاوضہ میں کچھ ہوائی جہاز جاپان کو روانہ کر دیگا۔ ہوائی جہاز یا اُن کے حصے ظاہر ہے کہ روس ہی کے علاقے سے جاپان تک پہنچ سکتے تھے لیکن سوئٹ روس کے اس اعلان کے بعد جرمنی کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ ہوائی جہاز جاپان تک پہنچا سکے۔ جاپان اگر چاہے تو اپنے جنگی جہاز جرمنی کو بھیج سکتا ہے، چنانچہ سوئٹ روس کے اس اعلان پر جہاں جرمنی نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے جاپان میں انتہائی غم و غصہ ظاہر کیا جا رہا ہے۔

باب ۳۹

لیبیا میں برطانیہ پر اطالوی اور جرمن فوجوں کا متحدہ حملہ

یوگوسلاویہ میں انقلاب کے بعد یونان اور یوگوسلاویہ دونوں پر ناسیوں کے فوری حملے کا خطہ پیدا ہو گیا تھا اور اخلاقی طور پر برطانیہ کا یہ فرض ہو گیا تھا کہ وہ فوراً ان دونوں کی مدد کو پہنچے۔

یوگوسلاویہ سے اگرچہ حکومت برطانیہ کا کوئی معاہدہ نہیں تھا بلکہ انقلاب سے کچھ دنوں پہلے جب برطانیہ کے وزیر خارجہ ہسٹریڈن اور برطانوی فوجوں کے پریس لار مسٹر جان ڈل نے یوگوسلاویہ کی پہلی حکومت سے بلقان کی صورت حال اور جنگ کے امکانات پر گفتگو کرنی چاہی بھی تو اس حکومت نے اسے منظور نہیں کیا جس کے باعث مشرق قریب کے برطانوی جنرل اسٹاف اور یوگوسلاویہ کے جنرلوں کے درمیان یوگوسلاویہ کی مدافعت کا کوئی خاکہ پہلے سے تیار نہ ہو سکا تھا تاہم جب یوگوسلاویہ نے ناسیوں کے عائد کردہ معاہدہ کی پابندی کر نیسے انکار کر دیا اور اپنی آزادی کو بچانے کی خاطر تلوار اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی تو پھر برطانیہ اور امریکہ کا بھی یہ اخلاقی فرض ہو گیا کہ اس آزمائش میں وہ یوگوسلاویہ کی بھی مدد کریں چنانچہ انقلاب کے فوراً بعد برطانیہ اور امریکہ نے جنگی سامان سے جلد سے جلد یوگوسلاویہ کی مدد کا اعلان کر دیا۔

لیکن یونان کی صورت حال اس سے مختلف تھی یونان برطانیہ کا حلیف تھا اٹلی کے اعلان جنگ کے بعد ہی سے برطانیہ برابر اس کی مدد کرتا رہا تھا اور اس موقع پر جبکہ یونان پر

ناتیسوں کے حملے کا بیا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ برطانیہ کا یہ فرض ہو گیا تھا کہ جو اسکائی لینڈ کی مدد دے گا وہ یونان کی کر سکتا تھا اس سے دریغ نہ کرے۔ لیکن اس نوبت پر یونان میں فی الفور برطانوی فوجیں بھیجی گئیں۔ اس کا سوال بہت ٹیڑھا تھا۔ سوائے شمالی افریقہ کے برطانوی سلطنت کے کسی حصے سے برطانوی فوجیں اس قدر جلد یونان نہیں بھیج سکتی تھیں کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے وہ اپنے مورچے سنبھال سکیں اور شمالی افریقہ سے فوجیں بھانے میں یہ خطرہ تھا کہ بن غازی اور لیبیا کی برطانوی قوت کمزور ہو جاتی تھی۔ گویا ایک طرف لیبیا کی شاندار فتح کو قائم رکھنے کا سوال تھا اور دوسری طرف اپنے حلیف کی فوری مدد کا خیال۔

اگر اس موقع پر یونان کی فوری مدد نہ کی جاتی تو یہ اندیشہ تھا کہ یونانی فوجیں جو پہلے ہی ایک زبردست دشمن سے دست و گریباں ہو رہی ہیں ایک ہفتہ بھی ناتیسوں کے ٹیڑی دل کو نہ روک سکیں گی اور فوراً ہتھیار ڈال دیں گی۔ جس کے باعث بلقان میں برطانیہ کی سب کی کرائی محنت اکارت ہو جائے گی۔ اور دوسری طرف یہ خطرہ تھا کہ اگر لیبیا سے برطانوی فوجیں یونان بھیج گئیں تو دشمن فوراً اس کمزوری سے فائدہ اٹھائے گا، اور طلب سے باہر نکل کر لیبیا کی برطانوی فوجوں پر حملہ کر دے گا جس کے باعث یہاں برطانیہ کی فتح شکست سے بدل جائے گی۔

یہ محضہ تھا جس میں یونان پر نالتی حملہ کا خطرہ پیدا ہونے ہی برطانیہ گرفتار ہو گیا تھا۔ لیکن اسے بہر حال لیبیا اور یونان میں کسی ایک کے متعلق فی الفور اپنا فیصلہ کرنا تھا چنانچہ دیر لگائے بغیر برطانیہ نے فیصلہ کر لیا اور لیبیا میں اپنی شاندار فتح کی بھینٹ دیکر اپنے حلیف کی مدد کے لئے لیبیا کی فوجیں یونان بھیجی شروع کر دیں۔

۳۱ مارچ ۱۹۱۷ء کو جزیرہ کریٹ کے قریب برطانوی اور اطالوی بحری بیڑے میں جو ٹکر ہوئی تھی وہ ان ہی فوجوں کے بھرے ہوئے جہازوں کے سلسلہ میں

ہوئی تھی۔ اس دن یکایک اطالوی بحری بیڑے کو یہ پتہ چلا تھا کہ برطانیہ اپنی فوجیں بن غازی اور طبرق سے یونان بھیج رہا ہے اور کئی جہاز فوجوں سے بھرے ہوئے مشرقی بحیرہ روم سے گزر رہے ہیں اس اطلاع کے ملتے ہی اطالوی بیڑہ حرکت میں آگیا اور اس نے ان جہازوں کا تعاقب کرنا شروع کر دیا لیکن کریٹ کے پاس پہنچتے ہی اطالوی بیڑے کی برطانوی بیڑے سے زبردست ٹکرائ ہوئی جس میں تین اطالوی جنگی جہاز ڈوب گئے اور باقیوں کو سخت نقصان پہنچا اور برطانوی جہازوں کا قافلہ فوجوں کو لیکر صحیح سلامت یونان پہنچ گیا۔

غرض حکومت برطانیہ اپنی فوجیں یسبیا سے نکال کر یونان پہنچا دینے میں تو کامیاب ہو گئی لیکن ان فوجوں کے یسبیا سے ہٹائے جانے کے بعد جو کمزوری دہاں پیدا ہو گئی تھی اسکو دور کرنے پر کسی طرح قادر نہ ہو سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی طرابلس کی جرمن اور اطالوی فوجوں کو یہ علم ہوا کہ یسبیا کی برطانوی فوجیں یونان چلی گئیں ان کے زورہ پوشہ کو سستے ذرا طرابلس سے باہر نکل آئے اور بن غازی کو گھیر لیا۔ بن غازی کی برطانوی فوجیں اس چھانوٹی کا یہ حشر بہت دلوں سے دیکھ رہی تھیں۔

چنانچہ انہوں نے دشمن کے بن غازی پہنچنے سے پہلے پہلے ۳۱ اپریل ۱۹۱۵ء کو بن غازی خالی کر دیا اور طبرق تک پیچھے ہٹ آئیں۔

کسی کھلے باب میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ جنوری ۱۹۱۵ء سے جرمن فوجیں سسلی میں اتاری جاتی رہیں اور سسلی سے برابر فرانسیسی سمندر کے کنارے طرابلس میں پہنچتی رہی تھیں انہی فوجوں نے وہاں پھنکار ملی کی فوجوں کو نئے سرے سے منظم کر دیا اور موقع ملے ہی طرابلس سے نکل کر یسبیا کی برطانوی فوجوں پر حملہ بول دیا۔ (مولف)

یسبیا کے میدان کو اس طرح خالی پا کر طرابلس کی جرمن اور اطالوی فوجوں کے زبردہ پلوش دستوں نے ایک دھڑلگائی سہرا پر پل کو انہوں نے بن غازی لے لیا اور اپریل کو برطانوی فوجوں سے ایک ہلکی سی جھڑپ کے بعد ڈرنہ پر قبضہ کر لیا اور ۱۲ اپریل کو یہ طبرق جا پہنچیں لیکن یہاں جرمنوں کو کامیابی نہیں ہوئی اسلئے کہ طبرق پر برطانوی فوجوں نے جرمنوں کے حملوں کو روکنے کے زبردست انتظامات کر رکھے تھے، جرمنوں نے اس ناکامی کے بعد طبرق پر اپنا وقت ضائع نہیں کیا بلکہ چالیں میل کا چکر کاٹ کر یہ بارڈر پہنچ گئے اند بارڈر کے بعد فوراً ہی سولم پر حملہ کر دیا لیکن یہاں بھی برطانوی فوجوں نے ان کا راستہ روک لیا اور یہ آگے نہ بڑھ سکے۔ طبرق اور سولم پر ٹینک اور ہوائی جہازوں کی مدد سے جرمنوں نے متعدد بار حملے کئے لیکن ہر بار انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ اس طرح جرمنوں کی پیش قدمی کو برطانی فوجوں نے روک دیا اور خود ان پر جوابی حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ حبش اور مشرقی افریقہ کے اطالوی مقبوضات فتح ہو چکے ہیں، یہاں کی فوجیں مصر کی طرف بھیجی جا رہی ہیں تاکہ جرمنوں سے یسبیا کے میدان میں لڑائی کا آخری فیصلہ کر لیں۔

سولم پر جرمنوں کے ٹوک جانے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں پیچھے سے کمک نہیں ملی و دوسرے صحرائیں انکی مشینیں ویسا کام نہیں کر سکتیں جیسا کہ صحاف زمین پر کرتی ہیں اگرچہ طرابلس سے سولم تک انہوں نے اپنی کمک کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیا ہے لیکن برطانوی ہوائی جہازوں اور طبرق کی قلعہ بند فوجوں نے یہ راستہ جرمن کمک کے لئے محذوز بنا دیا ہے علاوہ اس کے خود اٹلی سے طرابلس تک خاطر خواہ سامان جنگ اور مزید جرمن فوجوں کا بھیج جانا مشکل معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ برطانوی بحری بیڑہ یسبیا پر جرمنوں کے حملے کے بعد سے بحیرہ روم میں نہایت سرگرمی سے طرابلس کے

ساحل کی نگرانی کر رہا ہے چنانچہ ۱۶ اپریل اسکے کو فوجی سامان لے جانے والے پانچ اطالوی جہازوں کا ایک قافلہ تین اطالوی تباہ کن جہازوں کی حفاظت میں طرابلس کی بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ برطانوی بیڑے نے اسپر حملہ کر کے محافظ تباہ کن جہازوں سمیت اس سارے قافلہ کو سمندر میں ڈبو دیا۔

اطالوی اور جرمن فوجیں اگرچہ باریہ اور سوم کے درمیان پہنچ چکی تھیں لیکن ایسیاں طبروق ابھی تک برطانوی فوجوں ہی کے ہاتھ میں تھا اور طبروق کی برطانوی فوجوں سے جرمنوں کی پیش قدمی کے راستہ میں ایک زبردست روک حائل ہو گئی تھی۔ جرمنوں کی کھلی فوج نے کئی مرتبہ طبروق پر ٹنکوں اور ہوائی جہازوں کی مدد سے حملے بھی کئے لیکن طبروق کی مدافعتی لائن توڑنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکی اسی طرح سوم کے محاذ پر جرمنوں کی مدافعت کی لائن بھی وہ بھی بہت دنوں تک جرمن حملوں کے مقابل قائم رہی اور اسکی وجہ سے مصر کی طرف بظاہر جرمنوں کی پیش قدمی بھی رُک گئی لیکن ۲۶ اپریل کو جرمنوں اور اطالیوں نے زبردہ پوزیشن دستوں نے جنہیں اس عرصہ میں طرابلس سے فوجی کمک مل گئی تھی سوم پر پھر ایک زبردست حملہ کیا اور مصر کی سرحد میں بعد ۵ میل آگے بڑھ آنے میں کامیاب ہو گئے۔ دوسرے دن ان جرمن زبردہ پوزیشنوں نے سوم فتح کر لیا لیکن اس سے آگے وہ پھر بھی قدم نہ بڑھا سکے اسلئے کہ برطانوی فوجیں اب زیادہ سرگرمی سے مقابلہ کر رہی تھیں اور پیچھے سے طبروق کی برطانوی فوجیں جرمنوں کے بڑھتے ہوئے کالوں پر دباؤ ڈال رہی تھیں چونکہ طبروق کی برطانوی فوجیں جرمنوں کے لئے اب بہت تکلیف دہ ہوتی جا رہی تھیں اسلئے انہوں نے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے طبروق کی برطانوی قلعہ بندیوں کو توڑ دینے کی طرف توجہ کی اور یکم مئی اسکے کو کئی سرٹنکوں اور

ہوائی جہازوں کی مدد سے بطریق پر ایک جما ہوا حملہ کیا اور بطریق کی بیرونی مدافعت کی لائن کو توڑ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن برطانوی فوجوں نے فوراً جوابی حملہ کیا اور جرمنوں کو کئی مقامات پر پیچھے دھکیل دیا اس جوابی حملے کے ساتھ ہی برطانوی اور جرمن فوجوں میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی اس لڑائی میں برطانوی فوجوں کے ساتھ برطانوی ہوائی جہاز اور برطانوی بحری بیڑہ بھی برابر کا حصہ لے رہا ہے۔

شمالی افریقہ میں بلقان کی جنگ کے خاتمہ کے بعد سے برطانیہ کی پوزیشن زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتی جا رہی ہے ایک طرف آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی وہ فوجیں جو بن غازی سے یونان بھیجی گئی تھیں وہ شمالی افریقہ واپس آ گئی ہیں اور دوسری طرف حبشہ میں اطالوی فوجوں کے بچے کچھے دستوں کا صفایا کر کے جنوبی افریقہ کی فوج بھی شمالی افریقہ آنی شروع ہو گئی ہے حبشہ میں اڈس ابابا کی فتح کے بعد ڈسبیہ امبالاگی اور گنڈار کی اہم اطالوی چھاؤنیاں اور باقی رہ گئی تھیں جہاں سب طرف سے شکست خوردہ اطالوی فوجیں سمٹ سمٹ کر جمع ہو رہی تھیں ان میں ڈیسے کی فوجی چھاؤنی کو زیادہ اہمیت حاصل تھی اسلئے کہ اس چھاؤنی میں حبشہ کا اطالوی والسرائے ڈیوک آف اوسٹا میقم تھا۔ ڈیوک آف اوسٹا نے برطانوی کمانڈر جنرل گسٹنگم سے کچھ دنوں پہلے صلح کی گفتگو بھی کی تھی لیکن ڈیوک جن شرائط کے ماتحت ہتھیار ڈالنے چاہتا تھا اُسے برطانوی کمانڈر نے منظور نہیں کیا اسلئے لڑائی بدستور جاری رہی۔

ڈیسے پر استبداد اطالویوں نے جم کر جنوبی افریقہ کی فوجوں کا مقابلہ کیا اور کئی دن تک اپنے مورچے پر ٹپے رہے لیکن بالآخر برطانوی فوجیں غالب آئیں، ڈیسے کا اطالوی مورچہ ٹوٹ گیا، ڈیوک آف اوسٹا ڈیسے سے امبالاگی کی طرف فرار ہو گیا اور ڈیسے میں آٹھ ہزار اطالوی سپاہی برطانوی فوجوں کے

ہاتھ آئے۔

ڈیسے کی اطالوی چھاؤنی کو پھین لینے کے بعد اب حبشہ میں اطالویوں کی قوت ٹوٹ چکی ہے اب الاگی اور گنڈار کی فوجی چھاؤنیوں پر بھی اندازہ ہے کہ چند دنوں میں برطانیہ کا قبضہ ہو جائے گا اور حبشہ سے اطالویوں کو پوری طرح صاف کرنے کے بعد یہی فوجیں شمالی افریقہ کی مہم پر روانہ ہو سکیں گی۔

جنوبی افریقہ کے ہوائی اہواز جو حبشہ میں مصروف بیکار تھے ان کی بڑی تعداد اب شمالی افریقہ پہنچ چکی ہے اور امریکہ سے سامان جنگ کے جو جہاز یونان اور یوگوسلاویہ کی امداد کے لئے بھیجے گئے تھے وہ بھی بحیرہ احمر کی بندرگاہوں میں پہنچ چکے ہیں اس طرح آہستہ آہستہ شمالی افریقہ میں جرمنی کے ساتھ ایک مفصلہ کن مقابلہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

اگرچہ جرمنی بھی برطانیہ کی ان تیاریوں سے بے خبر نہیں معلوم ہوتا اور وہ بھی اپنی شمالی افریقہ کی فوجوں کو کمک اور سامان جنگ بھیجنے کی سروسٹ کوشش کر رہا ہے لیکن اسکی کوششوں کی کامیابی کے امکانات نہایت مشتبہ ہیں اسلئے کہ شمالی افریقہ کو کمک پہنچنے میں جرمنی کے لئے جو دقیقیں ہیں ان کو دور کرنا اس کے لئے آسان نہیں۔ بحیرہ روم کا وہ حصہ جس میں سے ہو کر جرمن جہازوں کو لیبیا کی بندرگاہوں پر پہنچنا پڑتا ہے اس پر برطانوی بحری بیڑے کی کڑی نگرانی ہے۔ اس نگرانی سے بے شکلی پچاس مفیدی جرمن جہاز چکر لگتے ہیں اور ان بندرگاہوں تک جو جہاز پہنچ بھی جاتے ہیں ان پر سے سامان جنگ اتار کر صحرا کے راستے لیبیا کی جرمن فوجوں تک اسے پہنچانا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جرمن فوجیں تین ہفتے سے زیادہ ہو گئے اب تک بطریق فوج نہ کر سکیں۔ اور نہ سولم سے

ایک قدم آگے بڑھا سکیں۔

اپنی فوجوں کو کمک بھیجنے میں جو دقتیں اس وقت جرمنی کو پیش آرہی ہیں ان کا ایک علاج تو جرمنی کے پاس یہ ہے کہ وہ ترکی پر حملہ کر دے اور ترکی سے شام اور فلسطین ہوتا ہوا سوئٹزرلینڈ پہنچ جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ فرانس کو راہنی کر کے فرانسیسی مراکش سے فوجی کمک لیڈیا بھیجے کیونکہ بحیرہ روم کے اس حصہ میں برطانوی بڑے کا زور وہ نہیں ہے جو مشرقی بحیرہ روم میں ہے۔ یہاں جرمن فوجیں بغیر کسی نقصان کے آسانی سے اٹاری جاسکتی ہیں اور غالباً یہی آخر الذکر صورت جرمنی اختیار کرنا چاہتا ہے جو اس نے پھر فرانس سے گفتگو شروع کر دی ہے، اور ایک اطلاع کے بموجب فرانس اور جرمنی میں ایک سمجھوتہ بھی ہو گیا ہے جسکی رو سے جرمنی نے فرانس کے تادان جنگ میں ۵۰ فیصدی کمی کر دی ہے اور مقبوضہ اور غیر مقبوضہ فرانس کے درمیان رسل و رسائل کی آسانیاں بھی منظور کر لی ہیں، یہ ساری سہولتیں فرانس کو کرن رعایتوں کے بدلے دی گئیں اس کے متعلق ابھی تک خبر رساں آنکھیاں خاموش ہیں ظاہر ہے کہ جرمنی خواہ مخواہ فرانس کو اس قدر رعایتیں نہیں دے سکتا کچھ نہ کچھ معاوضہ ان رعایتوں کا ضرور ملے گا ہے لیکن اسے ابھی ظاہر نہیں کیا گیا تاکہ کسی طرف سے اسکی مخالفت نہ ہو، اندازہ یہ ہے کہ جرمنی نے ان رعایتوں کے بدلے فرانس سے مراکش اور الجزائر کی بندرگاہوں پر قبضہ اور فرانسیسی علاقہ سے اپنی فوجوں کو لیڈیا کی طرف گزرتے کا راستہ مانگا ہے۔ فرانس سے جرمنی کا یہ مطالبہ نیا نہیں بہت دنوں سے وہ فرانس کو طرح طرح کے لالچ و دیکریہ رعایتیں حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن اب تک مارشل پٹان جرمنی کے ان مطالبات کو برابر ٹالتا رہا اور اپنی طرف سے یہی کوشش کرتا رہا کہ فرانس کو کسی حیثیت سے برطانیہ کے خلاف صف آرا نہ ہونا پڑے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ مارشل پٹان کس حد تک اپنے انکار پر قائم رہ سکتا ہے

اسلئے کہ پہلے وشی کی حکومت میں ”پیری لاوال“ تھا جو برابر مارشل پٹیان کو جرمنی سے ہر قیمت پر سمجھوتہ کر لینے کا مشورہ دیتا رہا اور اب ”ایڈمیرل ڈارلان“ ہے جو مارشل کو مجبور کر رہا ہے کہ جرمنی سے اشتراکِ عمل کر لے۔ بہر حال ابھی فرانس اور جرمنی میں چونکہ گفت و شنید جاری ہے اسلئے اس کے نتیجے کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی لیکن یہ ضرور ہے کہ اگر اس موقع پر مارشل پٹیان جرمنی کے آگے جھک گیا اور مراکش کی بندرگاہیں اس نے جرمنی کے حوالے کر دیں تو لڑائی کا رخ مشرق کے بجائے مغرب کی طرف پھر جائے گا۔ جرمنی سوئٹزر کے بجائے پہلے جبرالٹر کو سمجھانے کی کوشش کر لگا اور یہاں سے وہ یسبا میں زیادہ سے زیادہ جرمن فوجیں بھیج کر دزلیہ سوئٹزر پر چڑھا لی کرنے کا انتظام کر لگا۔ جہاں تک مراکش میں جرمن فوجوں کے پہنچانے کا تعلق ہے جرمنی کو بلاشبہ سہولت ہوگی لیکن یسبا کی برطانوی فوجوں کو شکست دینا اس کے لئے آسان نہیں اس وقت جنرل دیول کی قیادت میں تقریباً ۵ لاکھ فوج مصر میں پڑی ہوئی ہے اور برابر اس فوج کو کمک بھی پہنچ رہی ہے جب تک دیول کی فوجوں کے مقابلہ کے لئے جرمنی غیر معمولی اہتمام نہ کرے گا موسمِ بہار تک یہ مہم وہ سہرہ کر سکے گا۔

باب ۴۰

یوگوسلاویہ اور یونان کی شکست

انقلاب کے بعد یوگوسلاویہ کی نئی حکومت ابھی اچھی طرح سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ ہٹلر نے یوگوسلاویہ اور یونان دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ساتھ ہی جرمنوں کے زورپوش دستوں نے ۶ مارچ ۱۹۴۱ء کو یوگوسلاویہ اور یونان پر ایک ساتھ چڑھائی شروع کر دی۔

جنرل سیماویچ کی حکومت نے دراصل اپنے برسرِ اقتدار آتے ہی سب سے زیادہ دوسرے ممالک سے اپنے تعلقات ہموار کرنے پر توجہ دی تھی ان ممالک میں پہلا نمبر جرمنی کا تھا جس کے متعلق جنرل سیماویچ نے اپنی حکومت کی پالیسی میں یہ احتیاط ملحوظ رکھی تھی کہ اسے کسی عزائم یوگوسلاویہ سے فرسکایت کا موقع نہ مل سکے۔ لیکن دیانہ کے معاہدے کو ٹال جانے کے بعد ہٹلر جنرل سیماویچ

اور ان کی حکومت پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہ ہوا۔ جرمنی کو لبجائے کی سٹی ناکام کے بعد اس نئی حکومت نے سوئٹ روس کی طرف توجہ کی، بلقان کے متعلق سوئٹ روس کی پالیسی بہر حال ظاہر ہو چکی تھی اس موقع پر جنرل سیماویچ اس سے فائدہ اٹھا کر یوگوسلاویہ کے لئے روس کا سپہارا حاصل کرنا چاہتا تھا چنانچہ یوگوسلاویہ اور سوئٹ روس کے نمائندوں کے درمیان وزرا ایک دوستانہ معاہدے کی

گفت و شنید شروع ہو گئی اور بہت جلد یہ سارے مراحل طے کر کے یوگوسلاویہ کی حکومت آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے اور جنگ کی صورت میں آپس کے تعلقات دوستانہ اور ہمہ راہ رکھنے کا ایک معاہدہ روس کے ساتھ طے کر لینے میں کامیاب ہو گئی لیکن واقعات کی ستم طریقی دیکھئے کہ جس دن روس اور یوگوسلاویہ کے درمیان اس قسم کے معاہدے کا اعلان ہوا اسی دن صرف چند گھنٹوں کے فاصلے کے ساتھ ہٹلر نے یوگوسلاویہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

روس اور یوگوسلاویہ کے اس معاہدے سے دنیا کو موجودہ جنگ کے متعلق اسٹالن کی پالیسی کو سمجھنے کا ایک اور موقع ملا۔ ابتداءً یہ خیال تھا کہ شاید روس جرمنی کو دھمکائے اور یوگوسلاویہ میں قدم بڑھانے سے اُسکو روک دے لیکن یوگوسلاویہ پر جب نازیوں کے حملے شروع ہو جانے کے بعد بھی روس کچھ نہ بولا تو خیال ہوا کہ شاید روس یوگوسلاویہ کی سامان جنگ سے مدد کرے اور اسکی اخلاقی ہمدردیاں اسکے ساتھ رہیں لیکن جب اسکا بھی وقت گزرتا گیا اور سوئٹ روس نے یوگوسلاویہ سے معاہدہ کر لینے کے بعد اُلٹ کر روٹ بھی نہیں لی تو دنیا کو یقین ہو گیا کہ روس اور یوگوسلاویہ کا معاہدہ محض برائے بیت تھا۔

۵ اگرچہ روس اور یوگوسلاویہ میں یہ سمجھوتہ ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے اور جنگ کی صورت میں آپس میں ہمدردی قائم رکھنے کے متعلق تھا ایک دوسرے کی مدد کرنے کے متعلق نہ تھا تاہم روس کے انداز کو دیکھتے ہوئے یہ خیال تھا کہ روس اخلاقی طور پر یوگوسلاویہ کی ضرورت مدد کرے گا۔ یا کم سے کم جرمنی کو یوگوسلاویہ کے خلاف ایسا اقدام کرنے سے روکے گا۔ جس سے اسکی آزادی معرض خطر میں پڑ جائے۔ (بقیہ صفحہ ۲۸۲ پر)

اس موقع پر یوگوسلاویہ کو اکسلا ہی جرمنوں کے مقابل ہونا پڑا۔ اگرچہ ناسیوں کی بے پناہ جنگی تیاریوں کے مقابل میں یوگوسلاویہ تقریباً نہتہ تھا تاہم وہ ناسیوں کے آگے سرجم کرنے کے عوض لڑ کر اپنی جان دے دینے پر آمادہ ہو گیا۔ ابتداءً یوگوسلاویہ کی فوجوں نے حملہ اور ناسیوں کا انتہائی جی داری سے مقابلہ کیا اور تقریباً سرحد پر انہوں نے جرمنوں اور اطالیوں کے حملے روک لئے۔ لیکن مقابلہ برابر کا تھا، فوجوں کی تعداد اور آلات جنگ دونوں حیثیتوں سے جرمنی کو یوگوسلاویہ پر فوقیت حاصل تھی اور بغیر کسی امداد کے یوگوسلاویہ کی فوجوں کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ تنہا اس ناسی سیلاب کو روک لیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہونے کے ایک ہی ہفتہ کے اندر اندر یوگوسلاویہ کی مدافعت کمزور پڑ گئی فوجوں کا شیرازہ بکھر گیا اور لڑنے والے دستوں کا آپس میں تعلق ٹوٹ گیا۔

یوگوسلاویہ کی لڑائی میں ناسیوں نے ایک اور نازیبا حرکت یہ کی کہ یوگوسلاویہ کے پائے تخت ”بلغراد“ پر جسے جنگ شروع ہونے سے تین دن پہلے ہی یوگوسلاویہ کی حکومت نے ”نہتہا شہر“ قرار دیا تھا جنگ کے دوران میں دو مرتبہ نہایت شدید بیماری کی جس میں تقریباً بیس ہزار شہریوں کی جانوں کا نقصان ہوا اور سارا شہر اکھ اور خاک کا ڈھیر بن گیا۔ اس بیماری کے بعد شاہ پیٹر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱) لیکن روس نے یہ کچھ نہیں کیا بلکہ دو دن جنگ میں شردس نے کسی ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ یوگوسلاویہ کو اس نے کوئی اخلاقی امداد دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیربیوں اور سلاویوں کے دل روس کی طرف سے سرد پڑ گئے اور روس کے لئے بلقان میں اپنا اثر قائم رکھنے کا موقع ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاتا رہا۔ (مولف)

اور اُن کی حکومت نے بلقرا دھوڑ دیا اور اندرونی علاقے سے دشمن کا مقابلہ جاری رکھا لیکن جب یوگوسلاوی فوجوں کی قوت مدافعت بھی ٹوٹ گئی تو شاہ پیٹر اور ان کی حکومت پہلے ”اسیتھز“ (رومان کے پایہ تخت) اور بعد میں اسیتھز سے ”بیت المقدس“ روانہ ہو گئی۔ بیت المقدس روانہ ہونے سے پہلے شاہ پیٹر کی حکومت نے برطانیہ کو یہ وعدہ دیا کہ وہ آخر دم تک جرمنوں سے لڑتی رہے گی۔

اس طرح اگرچہ یوگوسلاویہ میں نالتیوں کا باقاعدہ مقابلہ ختم ہو گیا لیکن یوگوسلاویہ کی حکومت نے ہتھیار نہیں ڈالے اور نہ یوگوسلاوی حکومت نے صلح کی درخواست کی۔ بلکہ باقاعدہ مدافعت ختم ہو جانے کے بعد بھی پہاڑوں میں نالتیوں سے مقابلہ جاری رکھا۔

دوسری نازیبا حرکت اس جنگ میں ہنگری کی طرف سے سرزد ہوئی اول تو اُس نے نالتیوں کو اپنے ملک سے گزر کر یوگوسلاویہ پر حملہ کرنے کی اجازت دیدی اور اس کے بعد عین اس وقت جبکہ یوگوسلاوی قطار مدافعت ”نالتیوں“ کے مقابلہ میں جھکتی جا رہی تھی ہنگری کی حکومت نے نالتیوں کے اشارے پر اپنی فوجیں ہنگرین اقلیت کی حفاظت کے بہانے یوگوسلاویہ کے شمال میں بھیج دیں اور اس سارے علاقہ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا جس میں ہنگرین آباد تھے۔

معلوم ہوتا ہے ہٹلر نے یہ تجویز بہت پہلے سے ہنگری کی حکومت کے آگے پیش کر رکھی تھی اور اسیر ہنگری کی حکومت کے بعض ممبروں کو اختلاف بھی ہوا تھا یا کم سے کم ہنگری کے وزیر اعظم نے ہٹلر کی اس تجویز کو پسند نہیں کیا تھا۔ چنانچہ کونٹ ملیکی (ہنگری کے وزیر اعظم) نالتیوں کے اس دباؤ کو

برداشت نہ کر کے اور انہوں نے ۳ مارچ ۱۹۴۱ء کو خود کشی کر لی۔ ان کے خود کشی کرنے کے بعد جو حکومت بنی اس نے بے چون و چرا نالتیوں کے آگے سرجم کر دیا نہ صرف نالتیوں کے اپنے ملک میں جمع ہونے پر اعتراض کیا بلکہ ہنگری سے گزر کر یوگوسلاویہ پر بھی حملہ کرنے کی اجازت دیدی۔

ہنگری کی اس حرکت کو سوئٹ روس نے بھی پسند نہیں کیا اور اس نے ہنگری کے سیفر کے ذریعہ ہنگری کی حکومت پر بھی اپنی ناراضی کا اظہار کر دیا لیکن اس موقع پر ہنگری کا عذر چونکہ بالکل وہی تھا جو خود سوئٹ روس نے پولینڈ پر حملہ کرتے وقت کیا تھا۔ اسلئے سوئٹ روس کے اعتراض کو کسی حیثیت سے بھی کوئی وقعت حاصل نہ ہو سکی۔

یوگوسلاویہ کی باقاعدہ مدافعت کے ختم ہوتے ہی نالتیوں نے ”کروٹ“ کا علاقہ یوگوسلاویہ سے علیحدہ کر لیا اور ۱۶ مارچ ۱۹۴۱ء کو وہاں ایک نئی حکومت قائم کر دی اور ڈاکٹر پاؤلچ کو اس نئی کروٹ حکومت کا صدر منتخب کیا۔ یہی وہ ڈاکٹر

سوئٹ روس نے پولینڈ پر حملہ کرتے وقت یہ عذر تراشا تھا کہ پولینڈ کی جائز حکومت جس سے سوئٹ روس کا معاہدہ تھا وہ باقی نہیں رہی اور پولینڈ میں چونکہ ابتری اور پراگندگی پیدا ہو گئی ہے اسلئے سوئٹ روس کا یہ غرض ہو گیا ہے کہ وہ لو کرین کے روسیوں کی حفاظت کے لئے کوئی عملی قدم اٹھائے۔ بالکل اسی طرح کا اعلان یوگوسلاویہ کے بارے میں ہنگری نے کیا اظہار ہے کہ روس جس حرکت کو اپنے لئے جائز قرار دے سکتا ہے اسی حرکت کو دوسروں کے لئے ناجائز قرار دینے کا اسے حق نہیں پہنچ سکتا یہی وجہ تھی کہ یوگوسلاویہ کے معاملہ میں سوئٹ روس کا اعتراض پادریا ثابت ہوا اور ہنگری نے اسے ذرہ برابر بھی وقعت نہیں دی۔ (موتلف)

پاؤ لچ تھے جو ابتدا ہی سے ناتیوں کا ساتھ دے رہے تھے اور جب شاہ پیٹرنے برسر اقتدار آکر یوگوسلاویہ کی نئی حکومت بنائی تھی تو انہوں نے اس حکومت کی طرف سے کروٹوں میں بے اطمینانی پیدا کرنے کے سلسلے میں ناتیوں کے پرومپٹڈے کو خوب خوب ہوا دی تھی چنانچہ یوگوسلاویہ کے خاتمہ کے بعد ان کی ذاتی خدمتوں کا اس طرح بدلہ کر دیا گیا کہ وہی کروٹ ریاست کے پریسڈنٹ بنادیے گئے۔

کروٹ کے صوبے کو علیحدہ کرنے کے بعد بقیہ یوگوسلاویہ کے حصے بخرے کرنے کا سوال پیدا ہوا اس مال غنیمت میں جرمنی کے علاوہ رومانیہ بلغاریہ ہنگری اور اٹلی کا بھی حصہ تھا چنانچہ ان میں آپس میں تقسیم کے متعلق گفت و شنید بھی ہوئی لیکن بعد میں بعض علاقوں کے متعلق اختلافات کو دیکھ کر اس تقسیم کو ٹھکر کی ہدایت کے مطابق کچھ دنوں کے لئے متوی کر دیا گیا شاید یہ خیال ہوا کہ یونان کی قوت مدافعت بھی ٹوٹ جائے تو پھر یوگوسلاویہ اور یونان دونوں کو ملا کر ایک ساتھ آپس میں تقسیم کر لیا جائے۔

یوگوسلاویہ کے ساتھ ہی یونان پر بھی جرمنوں نے چڑھائی کر دی تھی اور ان کا پہلا حملہ بلغاریہ کی سرحد پار کر کے مغربی تھریس پر ہوا تھا ابتداً تھریس کی یونانی فوجوں نے اس حملے کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور جرمنوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جرمن ٹڈی دل کا جو تعداد میں ان سے دس گنا اور جدید آلات حرب کے اعتبار سے افضل و بہتر تھا تھریس کی یونانی فوجوں سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ لڑائی چھڑنے کے صرف ۴۸ گھنٹے بعد تھریس کی یونانی فوجیں پیچھے ہٹ جانے پر مجبور ہوئیں۔ حکومت یونان نے سارا تھریس خالی کر دیا اور جرمنوں نے ۹ اپریل ۱۹۴۱ء کو تھریس کا اہم ترین بندر گاہ ”سلونیکا“ پر قبضہ کر لیا۔

مقصد نیہ میں جرمینوں کو پہلے پہل کچھ زیادہ کامیابی نہیں ہوئی لیکن یوگوسلاویہ کا محاذ ٹوٹ جانے کے باعث جرمن فوجوں کو موقع مل گیا کہ وہ یوگوسلاویہ کے جنوب سے بھی یونان پر دباؤ ڈالیں اور مقصد نیہ کی یونانی فوج کو گھیرے میں لے لیں جرمن فوجوں کے ساتھ ساتھ اطالوی فوجیں بھی برابر یونانیوں پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتی رہیں اب تک ان کا کوئی جوابی حملہ کامیاب نہ ہو سکا تھا لیکن جرمنی کے حملے کے بعد یونانی فوجوں کی توجہ بٹ گئی اور ”ایپیرس“ کے علاقے میں اطالیوں کا دباؤ بھی یونانیوں کو محسوس ہونے لگا۔

سلونیکا پر جرمن قبضہ کے بعد ترکی پر بھی جرمنی کی زور پڑنے لگی تھی لیکن ترکی نے اب بھی جرمنی کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔ اس موقع پر ترکی کا استدلال یہ تھا کہ اگر بلقان میں ترکی فوجیں بھیج دی گئیں اور حالات اس کے بعد بھی اتحادیوں کے حق میں نہ پیدا ہوئے تو پھر درہ دانیال اور مشرق قریب کے بے جرمزوں کو راستہ کھلا ہو امل جائے گا اور انہیں روکنے والا کوئی نہ ہو گا برخلاف اس کے اگر ترکی فوجیں بلقان میں نہ بھیج جائیں تو بہر حال درہ دانیال اور مشرق قریب کی حفاظت کا کچھ نہ کچھ اہتمام ہو سکے گا۔ اس استدلال کو برطانیہ نے تسلیم کیا ہوا نہ کیا ہو ترکی کے اس فیصلہ سے بلقان میں برطانیہ اور یونان کا پلہ بہت بک ہو گیا اور جرمینوں کی کامیابی کا امکان بڑھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ نے اس محاذ پر جرمینوں سے مقابلہ کے

سلسلہ میں ترکوں پر زیادہ حصر کیا تھا ان کا خیال تھا کہ اگر جرمن مڈی دل نے بلقان کا رخ کیا تو یوگو سلاویہ، یونان، اور ترکی کی متحدہ قوت اس کو روک لینے میں کامیاب ہو جائے گی اور برطانیہ اپنی فوجیں یونان میں اتارنے کی زحمت سے بچ جائے گا۔ کیونکہ اس علاقے میں اول تو ہرطانوی فوجیں اس قدر تعداد میں تھیں ہی نہیں جو جرمنوں کا اچھی طرح مقابلہ کر سکتیں اور تھوڑی بہت جو تھیں بھی وہ شمالی اور مشرقی افریقہ میں اطالویوں سے برسرِ پیکار تھیں انہیں وہاں سے ہٹایا نہیں جاسکتا تھا لیکن ترکی کے اس فیصلے کے بعد برطانیہ کو اپنے بنائے ہوئے جنگی نقشہ میں دوبارہ ترتیم کرنی پڑی اور یونان کی مدد کے لئے شمالی افریقہ کی اٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی فوجیں فوراً یونان بھیج دینی پڑیں۔ اس سے کسی حد تک یونان کی اشک ستوئی ضرور ہو گئی لیکن اس کے ساتھ ہی شمالی افریقہ کا محاذ دشمن کے لئے کھل گیا۔ اور اس نقصان کے باوجود بلقان میں جرمنوں کے مقابلہ کا وہ سال نہ ہو سکا جو ترکی کے تنگ میں شامل ہو جانے کے بعد ہو سکتا تھا۔

یونان میں برطانوی اور یونانی فوجوں نے جو مورچے سنبھال رکھے تھے ان پر جرمنوں کا دباؤ برابر برقرار رہا تھا اس لئے برطانوی فوجوں نے اور پیچھے ہٹ کر اپنے مورچے بنائے لیکن معذرتاً اور اپریس کی یونانی فوجوں کو جرمنوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث کامیابی سے پیچھے ہٹ جانے کا موقع نہ مل سکا۔ معذرتاً کی کچھ یونانی فوجیں جرمنوں نے گھیر لیں اور اپریس کی یونانی فوجوں نے جرمن اطالوی دباؤ کی تاب نہ لا کر ہتھیار ڈال دیئے۔

اپریس کی فوجوں نے چونکہ اپنی حکومت سے مشورہ کئے بغیر جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈالے تھے اس لئے یونانی حکومت نے اس کارروائی کی ذمہ داری

قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جرمنوں سے لڑائی بدستور جاری رکھی۔ لیکن چونکہ اولپس کے مورچے سے برطانوی اور یونانی فوجوں کے بہٹ آنے کے باعث جرمن پائے تخت کے قریب پہنچ گئے تھے اسلئے یونان کے بادشاہ جارج پہنچا اپنی حکومت اور ولی عہد کے ایتھنز سے جزیرہ کریٹ چلے گئے تھے اور اعلان کر دیا کہ یہی جزیرہ لڑائی کے اختتام تک یونان کا پائے تخت رہیگا۔

یونانی حکومت کے ایتھنز سے چلے آنے کے بعد بھی جنگ جاری رہی لیکن یہ جنگ نہیں تھی بلکہ جرمن حملہ آوروں کو رد کر کے برطانوی فوجوں کو یونان سے نکال لانے کی کوشش تھی اسلئے کہ اب یونان میں ان چند یونانی دستوں کو علیحدہ کر کے جہنوں نے دشمن کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے، صرف ساٹھ ہزار برطانوی فوج رہ گئی تھی اور اس مختصر فوج سے کسی طرح توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ جرمن ٹڈی دل کو کامیابی سے روکا جاسکتا ہے چنانچہ خود یونان کی حکومت نے بھی برطانوی حکومت کو یہ اجازت دیدی کہ برطانیہ کی جو فوجیں یونان کی مدد کو آئی تھیں ان سے اب یونان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اسلئے انہیں یونان سے ہٹا کر کسی اور محاذ پر بھیج دے اس سمجھوتے کے بعد برطانوی فوجیں یونان سے ہٹائی جانے لگیں۔ یونان کی مدد کو صرف ساٹھ ہزار اسٹریلین اور نیوزی لینڈرس بھیجے

۵ یونان کی مدد کو جو ساٹھ ہزار فوج بن غازی سے یونان بھیجی گئی تھی اس میں زیادہ تر آسٹریلیا کے دستے شامل تھے، ان آسٹریلین دستوں کو یونان بھیجنے کے خلاف کچھ دنوں پہلے آسٹریلیا میں ایک تحریک اٹھی تھی اگرچہ اس تحریک کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا کہ آسٹریلیا والوں نے اپنے سپاہیوں کی سلامتی کے متعلق پریشانی کا اظہار کیا تھا لیکن جرمنوں نے اس تحریک کے حوالے سے آسٹریلیا (باقی صفحہ ۲۸۹ پر)

گئے تھے ان میں سے ۳۰ مارچ پر ایل ۱۳۱ تک ۴۳ ہزار صبح سلامت یونان سے نکلا لکرا سکندریہ پہنچا دیئے گئے تین ہزار سیاہی یونان میں کھیت رہے یا زخمی ہوئے پاسکے قریب سمندر کے تہذ ہوئے اور تقریباً بارہ ہزار یونان ہی میں رہ گئے ان کے مقابلہ میں مسٹر چرچل دزیرا عظم انگلستان کے بیان کے مطابق اس جنگ میں جرمنوں کا ۷۵ اور ۸۰ ہزار کے درمیان سپاہیوں کا نقصان ہوا

شاہ یونان کے امیتھفر سے چلے جانے کے بعد جرمنوں کی سرپرستی میں وہاں ایک حکومت قائم ہو گئی اور اس حکومت کا صدر "اپرس" کی فوجوں کا وہ جنرل بنایا گیا جس نے جرمنوں اور اطالیوں سے شعلہ کی درخواست کی تھی اور اپنی فوج سمیت جرمنوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

لیکن اس نئی حکومت کے قیام کا شاہ جارج اور ان کی حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑا انہوں نے جرمنوں اور اطالیوں سے جنگ جاری رکھنے کا اعلان کر دیا اور جزیرہ کریٹ میں اپنے بچاؤ کے انتظامات مکمل کر لئے چنانچہ اس وقت کریٹ میں جو بری "بحری اور فضائی قوت برطانیہ اور یونان کی موجود ہے ان سب کے کمانڈر نیوزی لینڈ کے کمانڈر انچیف "میجر جنرل فرس برگ" سفر کر گئے ہیں اور

(بقیہ صفحہ ۲۸۹) برطانیہ میں اختلاف پیدا ہو جانے کا پردہ پگینڈا کیا اور اُسے خوب خوب ہوا دی لیکن حوزہ اسٹریلیا کی حکومت نے جرمنی کی اس افواہ کی تردید کر دی اور اب جبکہ یونان سے آسٹریلین فوجیں بہت ہی معمولی نقصان کے ساتھ واپس اسکندریہ پہنچ چکی ہیں وہ تحریک بھی جو اظہار پریشانی کے لئے آسٹریلیا میں اٹھی تھی۔ ختم ہو گئی۔ (مؤلف)

یونان کے بحری بیڑے کو جو تقریباً ۲۰ لاکھ ٹن کا تھا برطانیہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اس طرح اگرچہ یونان کو جرمنوں نے فتح کر لیا لیکن لڑائی بدستور باقی رہی۔ اور یونانی بحری بیڑے کے برطانیہ کے ہاتھ پڑ جانے کے باعث جرمنی کو اس علاقے کی طرف سے وہ اطمینان حاصل نہ ہو سکا جو وہ چاہتا تھا۔ یونان کے ساتھ یوگوسلاویہ کے بحری جہاز بھی چونکہ برطانیہ ہی کے ہاتھ آئے تھے اسلئے بحیرہ روم میں برطانیہ کی قوت کو اس سے بڑی تقویت پہنچی اور اٹلی اور جرمنی کے لئے بحری مشکلات بہت بڑھ گئیں۔

یونان اور یوگوسلاویہ کی لڑائی ختم ہو گئی اب جرمنی کس طرف کا رخ کرے گا؟ یہ سوال ہے جس پر اس وقت عام طور پر قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں، ایک خیال یہ ہے کہ جرمنی ترکی پر حملہ کرے گا اور ترکی کے راستے عراق اور ایران کے تیل کے چشموں پر قبضہ کرے گا اور سوئٹزرلینڈ پر چڑھائی کرے گا، دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ روس پر حملہ کرے گا اور یوکرین کے زرخیز میدانوں اور بالک کے تیل کے چشموں کو اپنا نشانہ بنائے گا۔

ترکی پر اگر جرمنی نے حملہ کر دیا تو روس کی پوزیشن کیا ہوگی؟ اب تک سویت روس جس پالیسی پر عمل کرتا رہا ہے اس کے پیش نظر قطعاً نہیں کی جاسکتی کہ روس ترکی کی فوجی مدد کرے گا اگرچہ وہ دنیا میں سے روس کو گہرا تعلق ہے اور اس اہم مرکز کے جرمنوں کے ہاتھ میں چلے جانے کے باوجود وہ غالباً جرمنوں کے خلاف ترکی کی حمایت میں کوئی اقدام نہ کرے گا اور اس احتیاط کی باعث خود اس کی اپنی فوجی کمزوریاں ہیں۔ البتہ وہ سامان جنگ سے ترکی کی مدد کر سکتا ہے لیکن یہ بھی مشتبہ ہے کہ برطانیہ اور روس سے سامان جنگ ملنے کے باوجود ترک جرمن ہڈی دلی کو موسم بہار کے ختم تک اپنی سرحدوں پر روک سکیں گے۔

رہا روس پر جرمن حملے کا امکان یہ بھی اسی قدر قوی ہے جس قدر قوی ترکی پر جرمن حملے کا اندیشہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جرمنی کی بری طاقت اس قدر بڑا پناہ ہو گئی ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ فن لینڈ سے بسربیا تک کے لیے مورچے پر روس کو دبا سکتا ہے اور سوئیٹ روس آسانی کے ساتھ جرمن حملوں سے اپنی سرحدات کی حفاظت نہیں کر سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ روس کے پاس جدید ترین آلات جنگ کی کمی نہیں اور نہ سپاہیوں کا توڑا ہے لیکن جو کمزوری ہے وہ یہ ہے کہ روس میں اچھے اور تجربہ کار جنرل نہیں ہیں اور نہ تربیت یافتہ سپاہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ فن لینڈ جیسی حقیر ریاست کو تین مہینے میں بھی پوری طرح فتح نہ کر سکا بلکہ فن لینڈ میں روس کو جو کامیابی ہوئی وہ اپنے سپاہیوں کی زیادتی اور سامان جنگ کی بہتات کے باعث ہوئی لیکن جرمنی کے مقابلے میں سوئیٹ روس کا سامان جنگ اور سپاہیوں کی بہتات کام نہیں دے سکتی، اصلی چیز جنگ کی صلاحیت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جرمن اس بارے میں رویوں سے بہت آگے ہیں۔

بہر حال جرمنی کے آئندہ پروگرام میں اگر روس یا ترکی دونوں میں سے کوئی ایک بھی شامل ہوا تو اندازہ یہ ہے کہ اس موسم بہار میں جنگ کا قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا اور آئندہ موسم بہار تک جرمنوں کے لئے وہ موقع باقی رہے نہیں سکتا جو اس وقت انہیں مل گیا ہے۔

باب

عراق میں انقلاب اور برطانیہ کیلئے نئی مشکلات

اسی دوران میں عراق میں ایک غیر معمولی واقعہ پیش آگیا عراق کے وزیر اعظم طہا الهاشمی نے عراق کے قوم پرست لیڈروں سے اختلاف خیال کے باعث اپنے عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔

عراق کے ریجنٹ امیر عبداللہ بغداد سے باہر دورے پر تھے انہوں نے طہا الهاشمی کا

عراق کے پہلے بادشاہ فیصل بن حسین تھے ان کے انتقال (۲ ستمبر ۱۹۳۳ء) کے بعد ان کا لڑکا شاہ غازی تخت نشین ہوا۔ اپریل ۱۹۳۹ء میں شاہ غازی کو موٹر کا حادثہ پیش آیا اور یہ بھی لڑکی ملک بقا جو گیلان کی جگہ ان کا لڑکا فیصل دوم کے نام سے عراق کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن شاہ غازی کے انتقال کے وقت اس کی عمر صرف ۵ برس کی تھی، شاہ غازی مرحوم کے چچا علی جو فیصل دوم کے نانا بھی ہوتے تھے ان کے ریجنٹ مقرر ہوئے اور علی کے بعد ان کے لڑکے امیر عبداللہ جو حوزہ سال شاہ عراق کے ماموں تھے ان کے دلی اور ریجنٹ قرار پائے اس طرح عراق کے موجودہ ریجنٹ امیر عبداللہ فیصل دوم کے حقیقی ماموں اور علی تھے جنہیں سید رشید علی گیلانی نے ریجنٹ کے عہدے سے الگ کر دیا اور اس غریب کو شرق اردوں میں اپنے چچا کے پاس پناہ لیٹی پڑی۔ (مولف)

استغنی منظور کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس انکار سے بغداد کے حالات پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ ایک سابق "قوم پرست" وزیر سید رشید علی گیلانی نے عراق کے چند فوجی افسروں کی مدد سے ۳۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو عراق میں فوجی انقلاب برپا کر دیا اور نژاد حکومت عراق پر قابض ہو گیا امیر عبداللہ کو انہوں نے ریجنٹ کے عہدے سے علیحدہ کر دیا، ایک نئی مجلسی کونسل بنائی اور اس کونسل کے ماتحت سید رشید علی نے وزیر اعظم کی حیثیت سے ایک نئی حکومت قائم کر لی۔

سید رشید علی عراق کے مشہور قوم پرست لیڈر ہیں ان کے متعلق یہ عام خیال ہے کہ وہ برطانیہ کے خلاف اور محوری طاقتوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں چنانچہ جب وہ عراق کی حکومت پر قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو گئے تو اگرچہ سید رشید علی نے اپنی حکومت کی طرف سے برطانیہ کو یہ یقین دلادیا تھا کہ ان کی حکومت برطانیہ اور عراق کے قدیم معاہدے پر محوری طرح احترام کرے گی۔ لیکن اس کے باوجود برطانیہ نے ان کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس موقع پر عراق میں انقلاب ہو جانے کی بھی بہت مشتبہ بات تھی اور جب انقلاب میں ایسے فوجی لیڈر کا ہاتھ ہو جس کے متعلق یہ یقین کرنے کی وجہ بھی ہو کہ وہ محوری طاقتوں کی طرف جھکا ہوا ہے تو محض اس کے اعلان کر دینے سے یہ باور نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ فی الحقیقت برطانیہ اور عراق کے قدیم معاہدات کا احترام

۱۹۳۸ء عراق میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ۱۹۳۸ء میں بھی ایک مرتبہ عراق میں فوجی انقلاب ہوا تھا اور بکر صدیقی پاشا نے فوجی قوت کے بل پر نومبر ۱۹۳۸ء میں حکومت عراق پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اس کا قبضہ زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکا جولائی ۱۹۳۸ء میں بکر صدیقی پاشا ایک سیاسی کی گولی سے ہلاک ہو گیا اور اس کے ساتھ عراق میں ڈکٹیٹری بھی ختم ہو گئی۔ (مولف)

کر نیکر بھی تیار ہے اور ایسے وقت میں یہ انقلاب محوری طاقتوں کے اشلے سے نہیں ہوا ہے چنانچہ حکومت برطانیہ نے دیر لگائے بغیر سید رشید علی کے رویے کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرنے کے لئے اپنے سفیر متعینہ بغداد کے ذریعہ حکومت عراق کو یہ اطلاع دی کہ اس وقت چونکہ مشرقِ قریب میں جنگ چھڑ جانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے اسلئے حکومتِ برطانیہ عراق اور برطانیہ کے قدیم معاہدہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی کچھ فوجیں بصرہ میں اتارنی چاہتی ہے تاکہ عراق کے تیل کے چمٹوں کی حفاظت کی جاسکے سید رشید علی کی حکومت نے برطانیہ کی یہ درخواست بلا کسی حیل و حجت کے منظور کر لی اور اس منظور کی کے تیسرے ہی دن کچھ ہندوستانی اور برطانوی فوجیں بصرہ میں اتار دی گئیں۔

چونکہ رشید علی کی حکومت نے ان فوجوں کو عراق کی شمالی اور مغربی سرحدوں پر پہنچانے کے انتظامات بھی کر دیئے تھے اسلئے رشید علی کے متعلق برطانیہ کے شبہات کم ہونے لگے۔ اور اسے یقین ہو چلا کہ عراق کا انقلاب محض اندرونی اختلافات کا نتیجہ تھا اسکو بیرونی تعلقات سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔

دوسری طرف عراق میں برطانوی فوجوں کے پہنچ جانے سے ترکی کو تعزیت پہنچی، مغرب میں جرمینوں کے پھیل جانے کے باعث بحیرہ روم کے ذریعہ ترکی اور برطانیہ کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ برقرار رہنا مشکل ہو گیا تھا لیکن اب عراق کے راستے ترکی کو برطانیہ کی امداد پہنچائی جاسکتی تھی البتہ نالیوں کو برطانیہ کی اس فوری کارروائی سے بڑی مایوسی ہوئی عراق کا انقلاب خواہ ان کے اشارے سے ہوا ہو یا نہ ہوا بہر حال ان کے حق میں تھا اور وہ اس سے مشرقِ قریب میں برطانیہ کے خلاف کام لینا چاہتے تھے لیکن برطانیہ نے فوراً ہی اپنی فوجیں

عراق بھیجکر ان کے پروگرام میں رخصت ڈال دیا جس کو وہ فی الفور دور نہیں کر سکتے تھے
 نظر ہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عراق کا تفسیر برطانیہ کے اطمینان کی حد تک ملے ہو گیا
 اور اب اسے رشید علی کی حکومت سے کوئی بدظنی نہیں رہی لیکن عین اس وقت جب کہ
 برطانیہ عراق کے انقلاب کو بھول کر رشید علی کی حکومت سے اپنے تعلقات استوار کرنے کی
 کوشش کر رہا تھا عراق کے حالات نے یکایک پلٹا دکھایا رشید علی کی حکومت اور
 حکومت برطانیہ میں بد مزگی پیدا ہو گئی اور عراقی فوجوں نے عراق کے برطانوی ہوائی
 مرکز "جبانہ" پر حملہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہوا کہ برطانیہ کی کچھ فوجیں رشید علی کی اجازت سے عراق
 پہنچ ہی چکی تھیں ان کے ایک ہفتہ بعد برطانوی سفیر نے رشید علی کو اطلاع دی
 کہ برطانیہ کی کچھ اور فوجیں "بصرہ" اترنے والی ہیں اس پر رشید علی کو اعتراض ہوا
 اُس نے برطانوی سفیر کو ہدایت کی کہ جب تک برطانیہ کی پہلی فوجیں عراق سے نہ چلی
 جائیں مزید برطانوی فوجیں "بصرہ" میں نہ اُتاری جائیں۔ رشید علی کا یہ مطالبہ
 حکومت برطانیہ کی سمجھ میں نہ آیا اسلئے کہ عراق اور برطانیہ کے قدیم معاہدے میں
 کوئی دفعہ ایسی نہ تھی جس کی رو سے عراق میں برطانوی فوجوں کی تعداد پر پابندی
 عائد ہو سکے یا عراق میں برطانوی فوجوں کی موجودگی میں برطانیہ کے لئے مزید فوجیں
 بھیجنے میں روک ثابت ہو سکے چنانچہ برطانوی سفیر نے رشید علی کو یہ بات اچھی طرح
 سمجھا دی کہ اسکا فیصلہ برطانوی عراقی معاہدے پر منطبق نہیں ہوتا اسلئے اسے
 اس فیصلے کی تعمیل پر اصرار نہ کرنا چاہئے، لیکن رشید علی نے برطانوی سفیر کا یہ مشورہ
 قبول نہیں کیا اور اپنی فوجوں کو جبانہ کے برطانوی فضائی مرکز پر جمع ہونے کا
 حکم دیدیا۔ رشید علی کی اس کارروائی سے برطانیہ کو یہ یقین ہو گیا کہ رشید علی،

برسرِ فساد ہے چنانچہ برطانوی سیفرنے فوراً حیثی ملی تدابیر اختیار کیں اور برطانوی فوجوں کو ہر قسم کے حالات کے مقابلہ کے لئے تیار کر لیا۔

ادھر مزید برطانوی فوجیں بصرہ پہنچیں اور بندرگاہ پر آتاری گئیں۔ اوصافِ عراقی فوجوں نے رشید علی کے حکم سے ”جہانہ“ کے برطانوی فضائی مرکز پر حملہ کر دیا اور بہت سے برطانوی ہوائی جہازوں کو جو زمین پر کھڑے ہوئے تھے سخت نقصان پہنچایا۔ برطانیہ کی طرف سے جو انی کارروائی شروع ہوئی عراقی توپ خانہ پر برطانوی ہوائی جہازوں نے بم برسائے اور کئی عراقی توپوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

ابتداءً لڑائی صرف جہانہ میں محدود رہی بعد کو بصرہ بھی متاثر ہوا لیکن بصرہ سے برطانوی فوجوں نے عراقی فوجوں کو ہار بھگایا، البتہ عراقی فوجیں موصل کے تیل کے چٹنوں پر قبضہ کر لیے۔ ان کا میاں ہو گئیں جہاں برطانوی فوجیں ان کا مقابلہ کر رہی ہیں۔

اندازہ ہے کہ عراق میں رشید کی حکومت کو غلام کی حمایت حاصل نہیں ہے چنانچہ عراق کے یحییٰ امیر عبداللہ جو رشید علی کے برسرِ حکومت آنے کے بعد عراق سے شرقِ اردن چلے گئے تھے اب ایک عراقی فوج کے ساتھ جسے وہ وہاں بیٹھ کر تیار کر رہے ہیں عراق واپس آنا اور رشید علی سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف رشید علی نے معلوم ہوا ہے کہ ہٹلر سے امداد کی اپیل کی ہے وہ چاہتا ہے کہ عراقی فوجوں کو صردری سلمان جنگ حاصل ہو جائے تاکہ وہ برطانیہ اور امیر عبداللہ کا مقابلہ کر سکیں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہٹلر رشید علی کی سامانِ جنگ سے مدد نہیں کر سکتا، روس نے ایک حالیہ اعلان کے ذریعہ پہلے ہی اپنے علاقے سے ہر قسم کا سامانِ جنگ کسی اور ملک کو جانے دینے سے قطعاً انکار کر دیا ہے مگر یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ جرمنی کو اپنے علاقے سے راستہ دیدیگا۔

رہ گیا شام یہاں تک جرمنی فوجوں کے پیچھے نہیں سب بڑی دقت بھری بیڑے کی ہے شہرِ بیروت

میں برطانوی بحری بیڑہ اسقدر طاقتور ہے کہ اس سے بچکر جرمنوں کا شام تک پہنچ جانا ممکن معلوم ہوتا ہے اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے ہٹلر دو ہی تداریک اختیار کر سکتا ہے یا تو فوراً رڑ کی ہوا ایک جہاں ہوا حملہ کر دے اور عراق میں برطانیہ کو اپنے قدم جمانے کی مہلت نہ دے یا روس کو دبا کر اس کے علاقے سے عراق کو اتنا سامان جنگ بھیج دے کہ وہ دیر تک برطانیہ کو عراق میں اُبھٹائے رکھے اور اس عرصہ میں جرمن فوجیں مصر پر حملہ کر دیں۔

ترکی پر فوراً حملہ کا امکان کم معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ ترک جرمنوں سے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہیں اور جرمنوں کو ترکوں کے مقابلہ میں فوراً کامیابی کی توقع بھی نہیں ہے البتہ روس کو دبا کر عراق تک سامان جنگ پہنچانے کا امکان زیادہ ہے چنانچہ کچھ دنوں پہلے جرمنی کی بارہ ہزار فوج جو فن لینڈ میں اُنارمی لگئی تھی وہ اب معلوم ہوا ہے کہ روسی سرحد کی طرف ڈال دی گئی ہے اور ناروس سے مزید جرمن فوجیں بھی فن لینڈ طلب کی جا رہی ہیں ہٹلر کی یہ کارروائی روس سے کسی نئے مطالبہ کا پیش خمیہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ مطالبہ غالباً یہی ہے کہ روس اپنا وہ اعلان واپس لے لے اور جرمنی کا سامان جنگ عراق اور جاپان کو اپنے علاقوں سے گزرنے کی اجازت دیدے۔

عراق کے اس انقلاب پر ابتداً تو ترکی اور مصر بالکل خاموش رہے لیکن کچھ دنوں بعد وہ حکومت برطانیہ اور حکومت عراق کے درمیان صلح صفائی کر دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن تھکو برطانیہ نے ترکی کی ثالثی صرف اس شرط کے ماتحت قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی کہ عراقی فوجیں ”حبانیہ“ سے واپس بلالی جائیں اور رڑائی بالکل بند کر دی جائے۔ اگر رشید علی کی حکومت برطانیہ کی اس شرط کو تسلیم کر لے تو عراق اور برطانیہ میں صلح ضرور ہو جائیگی لیکن اس صلح کے بعد رشید علی کی حکومت عراق پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ویسے بھی

اگر وہ یہ شرط نہ مانے اور برطانیہ سے لڑائی جاری رکھنے پر اصرار کرے تب بھی نتیجہ اس کے موافق نہیں نکل سکتا۔ وہ برطانیہ کے مقابل جنگ میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ عراق میں زیادہ دنوں اپنی حکومت برقرار رکھ سکتا ہے۔

عراق کی کل فوج (۳۰) ہزار سے زیادہ نہیں ہے، ہوائی جہاز اس کے پاس برائے نام ہیں اور جدید ترین آلات حرب سے تو یہ فوج قطعاً نا آشنا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قدر مختصر اور نسبتاً غیر مسلح فوج برطانیہ کی تربیت یافتہ مشینیں فوجوں اور ہم ہار ہوائی جہازوں کے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسے جلد یا بدیر ہارنا پڑے گی اور یہ صورت عراق میں رشید علی اور اس کے ساتھیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا باعث ہوگی۔

یہ تو نا ممکن ہے کہ رشید علی کی اپنی کمزوریوں پر نظر نہ ہو اس سے یقیناً اپنی فوجی قوت کے اندازے میں غلطی نہیں ہو سکتی اور نہ عراق کے عوام اور عراق کی عہدہ دار اسلامی ریاستوں کے احساسات کو سمجھنے میں وہ دھوکہ کھا سکتا ہے۔ ان شواہد کے باوجود جو سر اسر رشید علی گیلانی کے خلاف ہیں وہ عراق میں جس انداز سے لڑائی کو طول دے رہا ہے اس کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اب بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اسے جرمنی سے امداد مل سکتی ہے یا وہ برطانیہ سے سودا کر کے اپنی حکومت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

”حبانیہ“ جہاں رشید علی گیلانی کی فوجوں نے برطانوی فوجی دستے پر حملہ کیا تھا۔ بغداد سے (۵۶) میل جائب مغرب واقع ہے یہ علاقہ ۱۹۳۲ء سے پہلے بالکل ویران اور غیر آباد تھا ۱۹۳۳ء میں اصولاً عراق کی آزادی تسلیم

کی گئی اور برطانیہ کی سرپرستی میں اسے مجلس اقوام میں جگہ دی گئی اس وقت برطانیہ اور عراق کے درمیان ایک معاہدہ بھی ہوا تھا جس کی رو سے بیڑے ہوا تھا کہ برطانیہ کو عراق اور اپنی الشائی سلطنت کی حفاظت کے لئے عراق کے اندر بغداد سے دور ایک فوجی اور فضائی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مشرق قریب میں جنگ چھڑ جانے کی صورت میں برطانیہ عراق کے رستے اپنی فوجیں دوسرے ملکوں میں بھیج سکے گا وغیرہ، چنانچہ اس معاہدہ کے بعد ہی برطانیہ نے اپنے فضائی مرکز کے لئے جہانہ جیسے دور دراز جگہ کو پسند کیا تاکہ حکومت عراق کو برطانوی چھاؤنی کے قیام سے کوئی شکایت نہ ہو۔

یہ چھاؤنی سنہ ۱۹۳۳ء سے جہانہ میں قائم ہے اور برطانیہ کے مشرقی مقبوضات کے درمیان اہم کرہی بنی ہوئی ہے سارے مسافر اور ڈاک کے ہوائی جہاز جو انگلستان سے مشرق بعید تک جاتے ہیں اسی فضائی چھاؤنی میں دم لے کر آگے بڑھتے ہیں اور اسی مرکز کے ذریعہ برطانیہ اور اسکی مشرقی سلطنت کے ساتھ رسل و رسائل کے تعلقات وابستہ ہیں۔ جس مرکز کو اس قدر اہمیت حاصل ہو ظاہر ہے کہ اسے برطانیہ آسانی سے اپنے ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

لیکن رشید علی اور حکومت برطانیہ کی موجودہ کشمکش کے سلسلہ میں اس بات کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ عراق میں صرف رشید علی گیلانی یا اسکی باری ہی برطانیہ کی مخالف نہیں ہو بلکہ عراق میں مدت سے قوم پرستوں کا ایک پورا گروہ ایسا موجود ہے جو عراق پر برطانوی انتداب یا اثر کو پسند نہیں کرتا۔ اس گروہ سے پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی حکومت برطانیہ کا بگاڑ ہو گیا تھا اور فیصل اول کی تخت نشینی تک کئی مرتبہ اس گروہ میں اور حکومت برطانیہ میں خونریز معرکے بھی پڑ چکے ہیں۔ فیصل اول نے اپنی تخت نشینی کے بعد نہایت حکمت عملی سے اس گروہ کو راہنی کیا تھا اور عراق کی حکومت میں اسکی جگہ نکال کر اسے دستور کا پابند

بنایا تھا اور یہ کامیابی بھی فیصل اول کو اسلئے حاصل ہو سکی تھی کہ برطانیہ نے ۱۹۳۲ء میں عراق پر سے اپنا انتداب اٹھالیا تھا، اندرونی معاملات میں اُسے کارل آزادی دیدی تھی اور مجلس انوار کا عراق کو ممبر بنالیا تھا۔ فیصل اول کے انتقال کے بعد شاہ غازی میں چونکہ وہ صلاحیت نہیں تھی جو فیصل اول میں پائی جاتی تھی۔ اسلئے اس گروہ میں پھر جان پڑی اور اس کے لیڈر بکر صدیقی پاشا نے نومبر ۱۹۳۶ء میں فوج کی مدد سے حکومت عراق پر قبضہ کر لیا۔

تقریباً ایک سال تک بکر صدیقی ڈکٹیٹر کی حیثیت سے عراق پر حکومت کرتا رہا لیکن جولائی ۱۹۳۷ء میں وہ ایک سپاہی کی گولی سے ہلاک ہو گیا اور عراق میں دوبارہ دستوری حکومت قائم ہو گئی۔

یہی گروہ آج بھی عراق میں سرگرم عمل ہے اور دراصل اسی کی تائید و حمایت رشید علی گیلانی کو حاصل ہے جو اس نے اس آسانی سے عراق کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

رہا عراق کے شاہی خاندان کا سوال، یہ بھی عراقی قوم پرستوں کے لئے تکلیف دہ بنا ہوا ہے فیصل کو انگریزوں نے عراق پر تسلط کیا تھا، عراقی اس فیصل

۵۔ شاہ فیصل، شریف حسین (شریف کمہ) کے منجھلے لڑکے تھے ۱۹۱۶ء میں جب برطانیہ کے اشارے پر شریف حسین نے ترکوں سے بغاوت کی تو عربی فوجیں فیسلی ہی کی قیادت میں ترکوں سے لڑتی فیسلی شام کا سارا علاقہ ان فوجوں کی مدد سے فیسلی ہی نے فتح کیا تھا اور اس مدد میں فیسلی کو امیر شام بھی بنادیا گیا تھا۔ لیکن فرانس نے (جسے جنگ عظیم کے بعد شام پر انتداب حاصل ہو گیا تھا) فیسلی کو پسند نہیں کیا اس کے علاوہ شام کے قوم پرستوں نے بھی فرانس کے خلاف بغاوت کر دی اسلئے فرانسیسیوں نے (بقیہ صفحہ ۳) پر

سے فوش نہیں تھے وہ خود اپنی حکومت قائم کرنی چاہتے تھے لیکن یہ دیکھ کر منیصل کو قبول کرنے سے انہیں انگریزی اقتدار سے جلد چھٹکارا مل سکتا ہے انہوں نے اس وقت منیصل کو قبول کر لیا تھا۔ اور منیصل نے چونکہ اپنے زمانہ حکومت میں عراق کے قوم پرستوں کے عزائم کا بہت کچھ خیال رکھا تھا اور اپنے ملک کو صحیح معنوں میں ترقی دینے میں اس نے بڑی جدوجہد کی تھی اس لئے عراق کے قوم پرست اس سے مانوس ہو گئے تھے۔ لیکن منیصل کے بعد کا زمانہ عراقی قوم پرستوں کی توقعات سے بہت زیادہ پست ثابت ہوا جس کے باعث شاہی خاندان سے عراقی قوم پرستوں کا وہ انس بھی باقی نہ رہا جو منیصل کے زمانہ میں پیدا ہو گیا تھا۔

چنانچہ اس وقت رشید علی گیلانی نے عراق کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی فیصل روم کے ریجنٹ امیر عبداللہ کو ملک سے نکال دیا اور اپنی مرضی کی ایجنسی کو نسل بنالی جمیں باقمیوں یعنی عراق کے شاہی خاندان کا صرف ایک نمائندہ رکھا ہے اور باقی ممبر اس کو نسل کے عراقی قوم پرست ہیں رشید علی گیلانی کے

(بقیہ صفحہ ۳) منیصل کو شام سے نکال دیا۔ شام سے نکالے جانے کے بعد منیصل افغانستان پہنچا۔ برطانیہ پر منیصل کا بہت بڑا دوا حسن تھا انگریز اس کے احسان کو بھلا نہ سکے اس زمانہ میں عراق میں قوم پرستوں نے انگریزوں کا ناک میں دم کر کر رکھا تھا اس لئے برطانیہ نے شام سے نکلے ہوئے منیصل کو عراق کا تخت پیش کر دیا تا کہ برطانیہ کو بھی عراقی کمیصبتوں سے نجات مل جائے اور منیصل کو بھی اس وقار و اہمیت کا صلہ مل سکے جو پہلی جنگ عظیم میں اس سے سرزد ہوئی تھی۔

اس طرح منیصل عراق کے تخت پر ٹھکان ہوئے۔ اور انگریزوں کی مدد سے وہ انہوں نے اپنی شاہی خاندان کی بنا ڈالی (مؤلف)

اس اقدام سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موقفہ پاکر وہ فیصل کے خاندان کو بھی عراق کے تحت سے محروم کرنے کی طرح ڈال رہا ہے یہ شبہ اس سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ اس وقت اس خاندان کی حمایت میں سوائے شرق اردوں کے امیر عبداللہ کے اور کوئی نہیں ہے اور امیر عبداللہ یقیناً اس قدر قوت نہیں ہے کہ رشید علی گیلانی سے لڑ کر اپنے پوتے فیصل دوم کو تخت واپس دلا سکیں۔

عراق کی بعد کی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ رشید علی گیلانی بغداد سے فرار ہو گئے جہانہ کے علاقے سے عراقی فوجیں نقصان کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی ہیں، عراق کے تین بڑے چٹنوں پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا ہے ”رتبہ“ کا عراقی ہوائی مرکز دوبارہ برطانوی فوجوں کے تصرف میں آ گیا ہے۔ بصرہ لڑائی سے پاک ہے اور سب سے زیادہ اہم خبر یہ ہے کہ ناجی شوکت جو رشید علی کی وزارت میں وزیر مدافعت ہیں آجکل ترکی پہنچے ہوئے ہیں یہاں یہ ترکی حکومت سے غالباً عراق کی صورت حال پر گفتگو کرنے آئے ہیں، ترکی میں ان کی آمد کے موقع پر ترکی کینٹ کا اجلاس ہوا جس میں عراق کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید ام وزیر اعظم جمہوریہ ترکیہ نے ناجی شوکت سے ملاقات کی اس ملاقات کے وقت موسیو سراج او غلو وزیر خارجہ بھی موجود تھے۔

ترکی کو عراق کے حالات سے قریبی تعلق ہے اسلئے ناجی شوکت کا ترکی پہنچنا اور ترکی حکومت سے بات چیت کرنا ضروری تھا بہت ممکن ہے اس گفت و شنید کا یہ نتیجہ نکلے کہ عراق میں کشت و خون بند ہو جائے لیکن یہ غالباً نہ ہو سکے گا کہ ترکی حکومت رشید علی کی تائید و حمایت پر اتر آئے۔ اسے بہر حال عراق کی حکومت سے دست بردار ہونا پڑیگا اور اسی میں خود ترکی کا بھی فائدہ ہے۔

عراق کے علاوہ شام میں بھی کچھ دنوں سے بیچینی پیدا ہو گئی ہے، یہ بیچینی فرانسیسی حکومت کے خلاف ہے، فرانس کی شکست کے بعد دہشتی کی حکومت نے شام کی فرانسیسی فوجوں کو بدستور باقی رکھا تھا تا کہ شام کے قوم پرستوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے لیکن شام میں برطانوی اور محوری طاقتوں کے پردہ پیگنڈے کو دہشتی کی حکومت روکنے پر قادر نہ ہو سکی جبکہ نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں برطانیہ اور محوری طاقتوں کی حمایت میں چپے چپے کیے گئے وہ ہندی شروع ہو گئی اور اسی گروہ ہندی کے باعث اس وقت شام میں بے چینی اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے۔ عراق میں انقلاب کے بعد شام میں بے چینی بہت ہی معنی خیز ہو گئی ہے شام اور عراق کی سرحدات ملی ہوئی ہیں اگر جرمنی کسی طرح شام پہنچ سکا (جس کا قریب بہت ہی کم ہے) تو اسی راستہ عراق کو مدد پہنچا سکتا ہے اور شام میں جرمنی کو درخور حاصل ہونے کے بعد ترکی ایران، مصر اور سوئز پر ایک ساتھ اثر پڑنے کا احتمال ہے۔

خیال ہے کہ اس وقت دہشتی کی حکومت اور جرمنی کے درمیان جو گفت و شنید ہو رہی ہے اس میں حراکش کے علاوہ شام کا مسئلہ بھی زیر بحث ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مارشل پٹیان اس بارے میں کیا روش اختیار کرتے ہیں اگر انہوں نے ہٹلر کے مطالبات کے آگے گردن ڈال دی اور شام میں جرمنوں کو قدم جمانے کی اجازت دے دی تو خود ہٹلر شام پر قبضہ کرنے کے لئے کونسی صورت اختیار کرتا ہے کیونکہ شام تک پہنچنے کے لئے ہٹلر کے پاس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ”دو ڈوکینز“ کے ٹاپو میں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس سمندر میں ہٹلر کا بحری بیڑہ برائے نام ہے اور اٹلی کا بیڑہ تقریباً بیکار ہے اور ان دونوں کے مقابلہ میں برطانیہ کا بحری بیڑہ بہت طاقتور ہے اس کے علاوہ دو ڈوکینز کے جزائر میں سے چند جزائر پر برطانیہ کا بھی قبضہ ہے جہاں اس نے اپنے ہوائی مرکز بنائے ہیں اس اہتمام کو دیکھتے

ہوئے جو مشرقی بحیرہ روم میں برطانیہ نے کر رکھا ہے اس راستہ سے ہٹکر کا شام پہنچ جانا اور وہ وہاں اپنی اس قدر فوج پہنچا دیتا کہ وہ برطانیہ کی فلسطینی اور سوئز کی فوجوں سے کامیاب مقابلہ کر سکے مہبت ہی مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔

باب ۲۲

امریکن سامان جنگ کو برطانیہ تک پہنچانے کی ضمانت

پریسڈنٹ روڈولف کی رہنمائی میں امریکن کانگریس نے ”لینرائڈ لینڈیل“ منظور کر کے برطانیہ کو ہر قسم کا سامان جنگ بھیجے کا اعلان کر دیا تھا لیکن اس اعلان کے باوجود یہ طاقیت نہیں ہو سکی تھی کہ جو سامان جنگ امریکہ سے بھیجا جائیگا وہ فی حقیقت برطانیہ پہنچ بھی جائیگا اور یہ سوال چونکہ موجودہ حالات میں اس قدر اہم تھا کہ امریکہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اسلئے اس بل پر عمل شروع ہوتے ہی امریکہ کے ذمہ دار حلقوں میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ جو امداد ہم برطانیہ کو دینا چاہتے ہیں وہ برطانیہ کو مل بھی جائے گی یا برطانیہ کے نام سے جو سامان جنگ امریکہ سے روانہ ہوگا وہ اٹلانٹک کی تہ میں پہنچ جائے گا۔ بظاہر لاکھوں ڈالر کا سامان جنگ برطانیہ کے لئے امریکہ کے ساحل سے روانہ ہوا بھی لیکن اگر وہ برطانیہ کو نہ مل سکا تو اس سے برطانیہ اور امریکہ کو کیا فائدہ پہنچ سکتا؟

سامان جنگ برطانیہ تک بھیجنے کے بارے میں جہاں تک مالی جہازوں کی ضرورت کا مسئلہ تھا پریسڈنٹ روڈولف نے اپنے خاص اختیارات سے کام لے کر اسے طے کر دیا تھا۔ جرمنی اٹلی اور یورپ کے مقبوضہ ممالک کے وہ سارے جہاز جو امریکن بندرگاہوں

میں کھڑے تھے اس مطلب کے لئے ضبط کر لئے گئے تھے ان پر سامان جنگ بارکز کے اٹلانٹک کے پار بھیجا جاسکتا تھا لیکن مسئلہ میں جرمن ابدوزوں سے ان جہازوں کی حفاظت کا اہتمام کچھ نہیں تھا۔ برطانوی بحری بیڑہ اگرچہ کافی بڑا تھا لیکن اس کی طاقت بحرالکاہل بحیرہ روم بحیرہ اٹلانٹک اور بحیرہ شمالی میں بڑی ہوئی تھی وہ ان جہازوں کی خاطر خواہ حفاظت نہیں کر سکتا تھا جو امریکہ سے سامان جنگ لے کر برطانیہ آتے تھے۔ اس اعتبار سے امریکہ کو خود ہی کوئی ایسا انتظام کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ برطانوی بیڑے کے لئے بھی مشکلات نہ بڑھیں اور امریکن سامان جنگ بھی برطانیہ تک حفاظت کے ساتھ پہنچ جائے۔

پچھلے باب میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امریکہ نے برطانیہ کی مدد کے سلسلہ میں اب تک جو قوانین اپنے ہاں منظور کئے ان سے تنہا برطانیہ کی امداد منظور نہیں تھی بلکہ خود اپنی حفاظت بھی امریکہ کے پیش نظر تھی اس وقت یورپ میں سلطنت برطانیہ ہی ایک ایسی طاقت ہے جو ناستی عزائم کا مقابلہ کر رہی ہے اگر یہ سلطنت بھی ٹوٹ گئی اور اس کی قوت مدافعت بھی جواب دے گئی تو امریکہ کو پھر ناستی جنگل سے جھپٹکارا نہ مل سکے گا۔ اور امریکہ کے لئے ناستی بحری طاقت کا جو بہ ثمول برطانیہ سارے یورپ کی بحری قوت پر مشتمل ہوگی مقابلہ نامکن ہو جائے گا۔ یہی خیال ہے جو امریکہ اس جنگ میں برطانیہ کی زیادہ سے زیادہ امداد کرنی چاہتا ہے تاکہ برطانیہ یورپ ہی میں ناستیوں کو دبوچ لے اور امریکہ ناستی حملے کے خطرے سے محفوظ رہے۔

ابتداءً جنگ سے اب تک اس امریکن امداد کا معیار یہ تھا کہ علان جنگ کے علاوہ امریکہ برطانیہ کی ہر قسم کی امداد کے لئے تیار ہے لیکن اب بہت

جلدیہ معیار بدلتا ہوا معلوم ہوتا ہے سامان جنگ برطانوی سبدرگاہوں تک بہ حفاظت پہنچانے کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے امریکہ کے وزیر بحرادر وزیر جنگ نے جو تقریریں کی ہیں ان سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ امریکہ اپنا یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے اب ناسیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔

وزیر بحر نے اپنی تقریر میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ امریکن سامان کے جو جہاز برطانیہ بھیجے جائیں ان کی حفاظت کے لئے بحیرہ اٹلانٹک میں ایک ہزار میل تک امریکہ کے جنگی جہازوں کو بھیجا جائے تاکہ وہ سامان جنگ کو حفاظت کے ساتھ برطانوی بحری بیڑے کی حدود نگرانی تک پہنچا دیا کریں۔ اور اگر راستہ میں امریکہ کے جنگی جہازوں کو کہیں جرمن ابدوزوں کا پتہ چل جائے تو وہ فوراً برطانیہ کے بیڑے کو اس کی اطلاع کر دیں۔ اس تجویز کے معنی یہ ہیں کہ جو سامان جنگ کے جہاز اب امریکہ سے برطانیہ بھیجے جائیں گے ان کی حفاظت کا خود امریکہ ذمہ دار ہوگا اگر راستہ میں ان جہازوں کو ناسیوں نے چھیڑنے کی کوشش کی تو امریکہ ناسیوں سے بھی سبکدوشی کے لئے، تیار رہے گا۔

وزیر بحر کی اس تقریر کے بعد ہی امریکہ کے وزیر جنگ نے بھی ایک تقریر براڈ کاسٹ کی جس میں انہوں نے وزیر بحر کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ”جب تک امریکہ کے لوگ اپنی آزادی کو بچانے کی خاطر قربانیاں دینے کے لئے تیار نہیں ہونگے اس وقت تک ان کی آزادی محفوظ نہیں رہ سکتی“ وزیر جنگ سٹراٹمن کی اس تقریر سے اتنی بہت چراغ پا ہیں اسلئے کہ اس ذمہ دار امریکن کی تقریر میں یہ کھلا ہوا اشارہ موجود ہے اگر ضرورت پڑے تو امریکہ کو برطانیہ کے ساتھ جنگ میں کود پڑنے میں بھی تامل نہ کرنا چاہیے اور یہ صورت ایسی ہے۔

جسے جرمنی جنگ کی اس ذہبت پر یقیناً پسند نہیں کر سکتا۔
 امریکہ کے وزیر بحر اور وزیر جنگ کے علاوہ امریکہ کے ذمہ دار سائنس دانوں
 میں ٹرولکی اور سٹروور (سابق صدر جمہوریہ امریکہ) کی بھی یہی رائے ہے کہ برطانیہ کی
 جلد سے جلد مدد کی جائے یہ امریکہ کے لوگوں کی رائے ہے امریکہ سے باہر جنرل
 اسمٹس (جنرل افریقہ کے وزیر اعظم) جو بین الاقوامی معاملات میں نہایت اچھی
 بصیرت رکھتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ امریکہ بہت جلد جرمنی کے خلاف جنگ کا
 اعلان کر دینگا اور جرمنی کو بحر اٹلانٹک میں برطانوی اور امریکن متحدہ بحری بیڑے
 کا مقابلہ کرنا پڑے گا جس میں یقیناً وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

بہر حال آثار و قوانین کے پیش نظریہ ناممکن نہیں ہے کہ امریکہ جرمنی
 کے خلاف میدان جنگ میں اُتر آئے۔ اسلئے کہ اگر امریکن جنگی جہاز سامان لے
 جانے والے جہازوں کی حفاظت کے لئے بحر اٹلانٹک میں دور تک گئے تو اُس سے
 جرمن آبادوں کی جھڑپ ہو جانی ضروری ہے اور اس جھڑپ کے بعد امریکہ کے
 لئے اُس کے ہوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ وہ جرمنی کے خلاف اعلان جنگ
 کر دے اور چونکہ خود امریکہ اپنے اس فیصلہ کے عواقب و نتائج سے بخبر نہیں، بلکہ
 ان کا اچھی طرح احاطہ کر چکے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ امریکن جہازوں کی
 حفاظت میں برطانیہ کو سامان جنگ بھیجا جائے گا اسلئے ظاہر ہے کہ وہ اپنے اس
 فیصلے کے نتائج کو انگیز کرنے کے لئے بھی تیار ہے۔

البتہ اس ذہبت پر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ امریکہ کے اعلان جنگ
 کر دینے سے برطانیہ کو سامان جنگ کی اس کثرت سے مدد مل سکتی ہے یا نہیں جو
 اس وقت اسے مل رہی ہے ؟

خیال یہ ہے کہ امریکہ کے اعلان جنگ کے بعد برطانیہ کو امریکہ سے اس قدر

سامان جنگ نہ مل سکے گا۔ اور یہ ٹیک ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن سامان جنگ میں جو کمی ہوگی کیا امریکہ کی فوجی مدد اس کمی کو پورا نہ کر سکے گی؟ برطانیہ کو زیادہ سے زیادہ سامان جنگ کی محض اسی لئے تو ضرورت ہے کہ وہ جرمنی پر فتح پا جائے۔ اگر اعلان جنگ کے بعد امریکہ کی بری بحری اور فضائی فوج کی ایک زبردست تعداد جرمنی کے مقابل میدان جنگ میں اتر آتی ہے تو یہ بھی برطانیہ ہی کی مدد ہوگی اور اسی نوبت پر یہ مدد اس تری سامان جنگ کی مدد سے زیادہ اہم اور قیمتی ہوگی جو امریکہ سے برطانیہ کو بھیجا جا رہا ہے۔ اس اعتبار سے امریکہ کے اعلان جنگ سے یہ خطرہ ہرگز پیدا نہیں ہوتا کہ آئندہ برطانیہ کو امریکہ سے سامان جنگ نہ مل سکے گا بلکہ اس کے برخلاف اگر امریکہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا تو یورپ میں چاہے لڑائی جلد ختم ہو یا نہ ہو بحرحر اٹلانٹک کی لڑائی بہت جلد برطانیہ کے حق میں فیصل ہو سکتی ہے۔

باب ۴۳

بستی پارنی میں پہلا رخنہ ۹

یونان کی فتح اور عراق میں انقلاب کے بعد ابھی ناسیوں کے اُندہ پروگرام کے متعلق قیاس آرائیاں جارہی ہی تھیں کہ اسکاٹ لینڈ سے ایک نہایت عجیب اور بہت ہی غیر معمولی ”حادثہ“ کی اطلاع ملی۔ وہ غیر معمولی حادثہ یہ تھا کہ ”رڈالف ہیلر“ ہیلر کا نائب اور جرمنوں کا ”ڈپٹی چیئرمین“ اور ”ارمبی“ کی درمیانی شرب میں ایک ہوائی جہاز سے ”گلاسگو“ کے قریب ہوائی چھتری سے اترا اترنے میں اس کے ایک پیر کا ٹخنہ ٹوٹ گیا اور وہ گلاسگو کے ہسپتال میں زیر علاج ہے۔

رڈالف ہیلر اور گوئرنگ کے بعد تیسرے درجے کا ناسی لیڈر، ہیلر کا لڑکا دوست اور دیرینہ مددگار ہے اس پر ہیلر کو اس درجہ اعتماد تھا کہ ستمبر ۱۹۳۷ء میں ہیلر نے برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے جرمنوں کو یہ ”وصیت“ کی تھی کہ ”اگر اس جنگ میں میں ہلاک ہو جاؤں تو گوئرنگ میری جانشینی کرے اور اگر گوئرنگ بھی کام آجائے تو رڈالف ہمیں جرمنی کا لیڈر مقرر کیا جائے“ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی حیثیت کے جرمن لیڈر کا یوں ”چپ چاپ“ اسکاٹ لینڈ پہنچ جانا فوراً سمجھ میں میں نہیں آسکتا تھا اس لئے پہلے تو یہ تحقیق کی گئی کہ اسکاٹ لینڈ میں جو جرمن ہوا باز چھتری سے نیچے اترا ہے وہ فی الحقیقت رڈالف ہیلر ہی ہے اور جب اس کی

تصدیق ہوگئی تو پھر اس پر قیاس آراءیاں ہونے لگیں کہ اس کے انگلستان آنے کا، مقصد کیا ہو سکتا ہے ؟

اس ”حادثہ“ کے متعلق برلن کا عذر یہ تھا کہ رڈالف ہیس کئی برس سے دماغی کمزوری میں مبتلا تھا اور اب کئی دن سے اس کی حالت زیادہ خراب ہوگئی تھی اسی لئے ہٹلر نے اسے ہوائی جہاز میں پرواز کرنے سے منع کر دیا تھا لیکن ہیس ایک دن موقع پا کر ہوائی جہاز لے اڑا اور اسکاٹ لینڈ میں جا ترا۔ ہوائی جہاز پر روانہ ہونے سے پہلے رڈالف ہٹلر نے ہٹلر کے نام ایک خط بھی جوڑا تھا جس میں اس نے یہ لکھا تھا کہ وہ ذاتی طور پر انگلستان اور جرمنی میں صلح کرانے کی کوشش کرنی چاہتا ہے اور یہ اس کی دماغی کمزوری کی دوسری علامت ہے۔ ہٹلر نے اس کے سکریٹری کی گرفتاری کا حکم دیدیا ہے وغیرہ

لیکن انگلستان اور امریکہ کے اجناس ہیس کے متعلق برلن کے اس عذر کو باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ رڈالف ہیس ہٹلر سے اپنی جان بچا کر بھاگا ہے اسے غالباً نائسی پارٹی پر اور نائسی پارٹی کو اس پر اعتماد نہیں رہا تھا وہ موجودہ جنگ اور جرمنی دھڑوں سے تنگ آچکا تھا اس لئے اس نے جرمنی سے بھاگ کر انگلستان میں پناہ لی۔ اور انگلستان کو اس نے اپنی جائے پناہ اسلئے منتخب کیا کہ یہاں وہ ہٹلر کے ”گسٹایو“ سے محفوظ بھی رہ سکتا ہے اور اگر چاہے تو ہٹلر اور نائسی پارٹی سے ”انتقام“ بھی لے سکتا ہے۔

لیکن ہیس کے متعلق یہ انگلستان اور امریکہ کے اخبارات کی قیاس آراءیاں ہیں۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی تحقیقی اطلاع شائع نہیں ہوا ہو سکتا ہے کہ رڈالف ہیس اور ہٹلر میں نائسی پارٹی کے آئندہ پروگرام کے متعلق شدید اختلاف خیال پیدا ہو گیا ہو اور رڈالف ہیس ہٹلر کے غضب سے بچنے کے لئے جرمنی سے فرار ہو گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ نائسیوں کو جنگ کے نتیجے کے متعلق وہ اطمینان باقی نہ رہا ہو جو جنگ کی

ابتدا میں تھا اور اسی بے اطمینانی کے باعث ہمیں نے نائنٹی پارٹی سے اپنا تعلق منقطع کرنا ضروری سمجھا ہو۔ لیکن ان سب میں زیادہ قرین عقل یہ قیاس معلوم ہوتا ہے کہ رد الف ہمیں (غالباً ذاتی طور پر) جرمنی اور برطانیہ کے درمیان صلح کرانے کی ایک آخری کوشش کرنی چاہتا ہے اسی کا حوالہ شاید اس نے اپنے اس خط میں دیا تھا جو وہ اپنے پیچھے برلن چھوڑ آیا ہے اور اسی مقصد کے ماتحت وہ غالباً اسکاٹ لینڈ پہنچے ہی ڈیوک آف ہلٹن سے بھی ملنا چاہتا تھا۔

ڈیوک آف ہلٹن اور رد الف ہمیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کچھ دنوں پہلے رد الف ہمیں نے انھیں ایک خط بھی بھیجا تھا لیکن ڈیوک نے یہ خط حکومت کے حوالے کر دیا اور ہمیں کو اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن رد الف ہمیں کے اسکاٹ لینڈ پہنچنے کے ۶۸ گھنٹے کے اندر حکومت برطانیہ نے ڈیوک کو ہمیں سے ملنے کی اجازت دیدی چنانچہ ڈیوک نے دفتر خارجہ کے عہدہ داروں کے سامنے دو مرتبہ رد الف ہمیں سے ملاقات کی اور اپنی گفتگو کی رپورٹ حکومت کو بھیج دی ہے ڈیوک اور ہمیں میں کیا گفتگو ہوئی اس پر ابھی تک روشنی نہیں پڑی لیکن ہمیں کے متعلق جس ”احتیاط“ سے حکومت برطانیہ غور کر رہی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس غیر معمولی ”محدثہ“ پر حجبی میں کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہتی۔ بلکہ اس بارے میں ایک قطعی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے وہ اس ”محدثہ“ کے سارے امکانی پہلو اور نتائج کا اچھی طرح جائزہ لے لیتا، چاہتی ہے۔

بہر حال رد الف ہمیں چاہے کسی خیال کے ماتحت انگلستان آیا ہو اس موقع پر اسکی آمد نے جنگ کے حالات میں غیر معمولی دلچسپی ضرور پیدا کر دی ہے اور ساتھ ہی ایسی دوزخ کا ر، قیاس آرائیوں کا میدان بھی پیدا کر دیا ہے جو حالات سے کسی طرح مطابقت نہیں ہو سکتی

